

عالم، محدث، سید رشید رضا کے کلمات قلم بند کر دینا بھی مناسب ہے،
 عہد میں اسلام لائے تین سال کچھ ماہ رسولؐ کی صحبت میں رہے، ان کی اکثر احادیث
 ایسی ہیں جو انہوں نے رسولؐ سے نہیں سنی تھیں بلکہ صحابہ و تابعین سے سنی تھی، جمہور کے محدثین کے قول کے
 مطابق صحابہ روایت میں عادل ہیں لیکن تابعین کی منزل نہیں ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ابوہریرہ
 کعب الاحبار سے سنتے تھے اور ان کی اکثر احادیث معنعن ہیں یعنی انہوں نے رسولؐ سے سنی تھیں، حدیث
 میں ہے کہ خدا نے خاک کو شنبہ کے روز پیدا کیا ہے، غلطی نے ثابت کیا ہے کہ ابوہریرہ نے یہ حدیث
 کعب الاحبار سے لی ہے،

کہتے ہیں: ابوہریرہ معنا اور اسل طریقہ سے حدیث نقل کرتے تھے کیونکہ اکثر حدیثیں
 انہوں نے صحابہ اور ایسے ہی بعض تابعین سے سنی تھیں بالسنی حدیث بیان کرنے سے بہت مشکلیں
 پیدا ہو گئی ہیں،

نیز کہتے ہیں:

ابوہریرہ کہ نثرت سے حدیث نقل کرنے میں منفرد ہیں، بعض احادیث اپنے موضوع
 کے اعتبار سے قابل قبول نہیں ہیں جیسے حدیث فتن یا رسولؐ کا اپنے بعد رونما ہونے والی بعض چیزوں
 کی خبر دینا اور اس پر استنزا دیکر ان کے متن بھی نامانوس ہیں اگر ابوہریرہ کی مانند غیر صحابہ میں سے کوئی
 ہوتا تو اسے ان علل میں شمار کیا جاتا کہ جن کے ذریعہ روایت کا اثبات کیا جاتا ہے جیسا کہ نقادین حدیث
 جرح و تعدیل والوں کے نزدیک مشہور ہے، چنانچہ ہم آج تک لوگوں کو ابوہریرہ کی احادیث سے بحث
 کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

۱۔ یہ حدیث آپ پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں، مجلہ المنارج ۲۹ ص ۴۳،

۲۔ مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں اس صحابی کے نام کا ذکر کیا جائے جس نے وہ رسولؐ سے سنی تھی،

۳۔ مجلہ المنارج ۱۹ ص ۹۰،

بخاری نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ کی ۴۴۶ اور ابن عباس کی ۲۱۷ حدیثیں نقل کی ہیں، ان دونوں کی اتنی روایتیں اصول حدیث کے لحاظ سے انھیں منفرد نہیں کرتی ہیں، پھر بہت سی حدیثوں میں دونوں شریک ہیں اگر ہم ان احادیث کو شمار کریں جو کہ صرف ابوہریرہ نے شرعی احکام کے بارے میں بیان کی ہیں تو وہ بہت کم ملیں گی، ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ابوہریرہ کی یہ روایات نہ ہوتیں تو احکام کی کتابوں میں بہت زیادہ کمی نہ ہوتی یا جس چیز سے ان میں نقص ہو سکتا ہے اسے شریعت کے ثابت قواعد اور قطعی اصولوں سے سمجھنا جاسکتا ہے، وہ قواعد ہیں: قاعدہ دفع حرج و عسر، اثبات السیر و ترجیح، قاعدہ اصل برائت الذمہ، اور یہ کبریٰ اور ضرر دہاں چیزیں حرم اور پاک چیزیں حلال ہیں اور ضرورتوں کے وقت ممنوع چیزیں مباح ہو جاتی ہیں۔

رشید رضا نے اسرائیلیات کے باطل ہونے کے سلسلہ میں کہا: ان کا منع و سرحت کتب الہیہ اور وہ بہت کم منہ ہے،

جو چیزیں ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ وہ تمام روایات «یا موقوفات» جو ان دونوں کی طرف ملتتی ہیں وہ یہ ہے صحابہؓ جو ایک دوسرے سے یا تابعین سے سنتے تھے اسے نقل و روایت کے طور پر بیان نہیں کرتے تھے بلکہ اکثر کسی مناسبت پر کسی کی طرف منسوب کئے بغیر بیان کرتے تھے، اکثر تابعین کا بھی یہی طریقہ تھا بلکہ ابوہریرہ سے بھی جو احادیث مروی ہیں وہ مرفوع ہیں خود ابوہریرہ نے ان کو رسولؐ سے نہیں سنا ہے، لہذا ان سے اکثر مننعن یا قال رسول اللہؐ والی احادیث نقل کی گئی ہیں اور سب سے کم اسی حدیثیں ہیں کہ جن میں یہ کہا کہ میں نے رسولؐ سے سنا ہے کہ فرما رہے تھے۔ اور کبھی بعض صحابہؓ اور بعض تابعین سے روایت کی جاتی ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اصل میں وہ کعب الاحبار سے مروی ہے یہاں ہمیں یہ یقین ہو جاتا ہے کہ صحابہؓ کی وہ موقوفات کہ جن میں اجتہاد و رائے کی گنجائش نہیں ہے

۱۔ رشید رضا نے یہ بات نصرانی مبلغین کی رد میں کہی تھی وہ ابوہریرہ پر تنقید کرتے تھے خود عبارت سے ابوہریرہ سے دفاع کو اکتا ہے،

نہ وہ مرفوع کر برابر ہیں، جیسا کہ محدثین کا قول ہے مگر یہ کہ وہ اسرائیلیات جیسی نہ ہوں۔
یہ تھے ابوہریرہ کے مختصر حالات جن کو ہم نے نازل کی حیثیت سے پیش کیا ہے ان پر
تنقید نہیں کی ہے جبکہ صحیح حالات کی تکمیل تنقید کے بغیر ممکن نہیں ہے اور نہ حال کی تحقیق اس کے بغیر
کامل ہوتی ہے اس سے ہم نے اس پر چشم پوشی کی ہے کہ بعض لوگ صحابہ کے بارے میں کہتے ہیں وہ
سب عادل ہیں، ظاہر ہے اس صورت میں ان پر کوئی بھی علم و برہان کے ذریعہ تنقید نہیں کر سکتا ہے
نہ ان کی روایت و شہادت پر کوئی تنقید کر سکتا ہے نہ ان کی سیرت کا تجزیہ کر سکتا ہے، نیز علمائے انکے
بارے میں فرمایا ہے کہ ان کی بساط سنی جا چکی ہے، گویا عدالت صرف انھیں میں محدود ہے اور گویا کہ
وہ انسانیت کے آخری درجہ پر فائز ہو چکے تھے تہم انسان کی طرح ان سے وہم و خطا ہوتی تھی نہ
شک و نسیان میں مبتلا ہوتے تھے ہم کذب و بہتان نہیں کہتے،

اگر ہم یہ تسلیم بھی کریں کہ تمام صحابہ ان چیزوں سے معصوم ہیں جو کہ دوسرے بنی نوع انسان
سے سرزد ہوتی ہیں، صحابہ نہ بھولتے ہیں نہ خطا و وہم میں مبتلا ہوتے ہیں نہ غلط فہمی اور سوء فہم سے
دوچار ہوتے ہیں اور نہ صحابہ میں منافق تھے، نہ وہ گناہ کبیرہ و صغیرہ کے مرتکب ہوتے تھے اور جو
ان سے سرزد ہوا تھا وہ نہیں ہوا، اور نہ رسول کی وفات کے بعد ان میں سے کوئی مرتد ہوا اور نہ
ان چیزوں کے مرتکب ہوئے تھے جو کہ صحیح تواریخ میں ان کے بارے میں مرقوم ہیں لیکن:
ابوہریرہ کا قضیہ تمام صحابہ سے مختلف ہے صحابہ کبار اور ان کے بعد والوں نے ابوہریرہ کو
مطعون کیا ہے اور ان کی روایت میں شک کیا ہے جیسا کہ اس سے قبل ہم لکھ چکے ہیں خصوصاً اپنی کئی
شیخ المضیرہ میں،

مجھے ملا کلام کا اس سلسلہ میں یہ قول بہت پسند آیا ہے کہ ”عجیب حال ہے ان“
”رجال حدیث،“ کا کہ وہ شیخ کی طرف جھوٹ کی نسبت دیتے ہیں لیکن اس چیز کو نہیں لکھتے
ہیں کہ جس پر دوسرے محدثین نے اس سے اتفاق نہیں کیا ہے، یحییٰ بن معین اور علی بن مدائن وغیرہ
کی قدرح کرنے میں علامہ جرح و تعدیل ابوہریرہ کی ایک ایسی حدیث سے احتجاج کرتے ہیں کہ جس

پر کسی صحابی نے ان سے اتفاق نہیں کیا ہے جبکہ عرو ملی و عثمان اور عائشہ نے ابو ہریرہ کو جھٹلایا ہے جو کچھ ہم نے ابو ہریرہ کی تاریخ کے بارے میں بیان کیا ہے اس سے آپ ان کی حقیقت سے واقف ہو گئے ہیں ہم نے ان کی شخصیت کو ایسے ہی پیش کیا ہے جیسے خدا نے اسے پیدا کیا ہے اس سلسلہ میں ہم نے اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا ہے بلکہ ان کے بارے میں صحیح روایات نقل کی ہیں اور ان کے ثابت مآخذ و مصادر کا سراغ لگایا ہے کہ جن میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور بہت سی ایسی چیزیں نہیں لکھی ہیں جو کہ صحیح تاریخ میں ثبت ہیں کیونکہ ہمارے زمانہ میں بعض لوگ حق کی عظمت سے ڈرتے ہیں اور قوتِ برہان کو برداشت نہیں کرتے ہیں،

اور جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ عہدِ رسولؐ میں ابو ہریرہ کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور نہ خلفاءِ ربو کے زمانہ میں وہ کسی شمار و قطار میں آتے تھے اور نظر کے مرنے سے پہلے وہ کسی حدیث کے بارے میں لب کشائی کر سکتے تھے اور فتنہِ اولیٰ سے پہلے فتویٰ بھی نہیں دے سکتے تھے فتنہِ اولیٰ یعنی عثمان کا قتل اور بنی امیہ کا اقتدار، اس سلسلہ میں آپ کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ بخاری نے ان صحابہ کے ساتھ ابو ہریرہ کا ذکر نہیں کیا ہے جن کے بارے میں رسولؐ کی حدیث نقل ہوئی ہیں، یاد رہے کہ ابو ہریرہ کی جن نقل کردہ احادیث سے نورِ نبوت کی وضو چھوٹتی ہے وہ قلبِ سلیم میں بیٹھتی ہیں ممکن ہے یہ احادیث انہوں نے آنحضرتؐ سے سنی ہوں صحیح حدیث روزِ روشن کی طرح آشکار ہوتی ہے،

ابو ہریرہ کی نقل کردہ حدیثوں کی چند مثالیں

ابو ہریرہ نے نہ بخاری و سلم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا :

ملک الموت کو حضرت موسیٰؑ کے پاس بھیجا گیا جناب موسیٰؑ نے ان کو ایک طمانچہ مار دیا تو وہ واپس اپنے رب کے پاس چلے گئے اور کہا: تو نے مجھے اس شخص کے پاس بھیجا تھا جو مرنا نہیں چاہتا ہے، خدا نے ان کی دونوں آنکھوں کی بینائی لوٹا دی! اور فرمایا پھر موسیٰؑ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ بیل کی پشت پر ہاتھ رکھیں چنانچہ ان کی منگی میں جتنے بال آجائیں گے اتنے سال تک وہ زندہ رہیں گے، عرض کی کہ اللہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ فرمایا: موت! عرض کی اب خدا سے میری دعا ہے کہ مجھے رحمت جگر کی مقدس زمین سے قریب کر دے، رسولؐ نے فرمایا: اگر میں چاہوں تو کیشب احمر و ریت کے لال ٹیلے، کے پاس ان کی قبر دکھا سکتا ہوں۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ انہی نے کہا: موسیٰؑ نے ملک الموت کی آنکھ پر طمانچہ مار کر ان کی آنکھ پھوڑ دی،

تاریخ طبری میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے پاس آنے سے قبل ملک الموت لوگوں کے پاس آئے ہوئے نظر آتے تھے لیکن جب سے نبیؐ نے طمانچہ مار کر ان کی آنکھ پھوڑ دی ہے اس وقت سے خفیہ طور پر آتے ہیں۔۔۔

اس حدیث سے اسرائیلیات کی بڑھتی ہے،

طبری نے انہی سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: جنت و جہنم میں تکرار ہو گئی جہنم نے کہا: مجھے متکبر بن اور جابروں سے سرفراز کیا جائیگا، جنت نے کہا: میرے حصے میں کمزور کچلے ہوئے لوگ آئیں گے، خدا نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے جس بندے پر چاہتا ہوں تیرے ذریعہ رحم کرتا ہوں، اور جہنم سے فرمایا: تو عذاب ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہوں تیرے ذریعہ عذاب کرتا ہوں، اور دونوں بھرے جائیں گے، لیکن جہنم تو اس وقت تک نہیں بھرے گا جب تک خدا اس میں اپنا پیر نہیں ڈال دے گا اس سے بھر جائے گا بلکہ خس جائیگا، بخاری نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ کافر کے دونوں کندھوں کے درمیان تیز دوڑنے والے سوار کیلئے تین دن کی راہ ہے۔

بخاری اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے اور انہوں نے رسول ﷺ سے روایت کی ہے کہ: جب تم میں سے کسی کے ظرف میں مکھی گر جائے تو اسے پوری طرح غوطہ دیکر پھینکنا چاہیے کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہوتی ہے،

طبرانی نے اوسط میں ابوہریرہ سے اور انہوں نے رسول ﷺ سے روایت کی ہے کہ: میرے پاس ایک فرشتہ خدا کا پیغام لیکر آیا، پھر اس نے اپنا ایک پیر آسمان پر رکھ دیا جبکہ زمین سے دوسرا نہیں اٹھایا:

ترمذی نے ان ہی سے روایت کی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: «عجوبہ» بہترین کھجور جنت کا پھل ہے اس میں زہر کیلئے مہر خفا ہے،

حاکم اور ابن ماجہ نے اپنی حدیث میں صحیح سند سے روایت کی ہے: ظروف کو ڈھانک دو، مشکوں کا دھاننا بندھ دو، دروازہ بند رکھو، پھول کو عورتوں سے روکے رکھو کیونکہ جن کے پتھکنڈے پھیلے ہوئے ہیں اور سوتے وقت چراغ بجھا دینا چاہیے کیونکہ چوہا چراغ گرا دیتا ہے تو گھرواں جل جاتے ہیں،

مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک درخت ہے کہ جس کے سایہ میں سو سو سال تک چلتا ہے، ابوہریرہ کی ایسی ہی بہت حدیثیں ہیں کہ جن سے کتابیں بھری پڑی ہیں ہم ان کو یہاں جمع نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ اس کیلئے مستقل کتاب کی ضرورت ہے،

بڑے صحابہ کیا کہتے ہیں

گذشتہ بحث سے آپ یہ سمجھ گئے کہ ابوہریرہ نے رسول ﷺ سے ۵۳۷ حدیثیں نقل کیں جن میں سے ۴۶۶ کی بخاری نے روایت کی ہے جبکہ ابوہریرہ ایک سال چند ماہ رسول ﷺ کی صحبت

یہ کہانی سن کر اپنے دل میں ہنسا
 اس نے کہا کہ یہ سن کر تم کو کیا خیال ہوگا؟
 کیا تم کو بھی یاد ہے کہ اس نے کہا تھا کہ
 اس نے کہا تھا کہ اس نے کہا تھا کہ
 اس نے کہا تھا کہ اس نے کہا تھا کہ
 اس نے کہا تھا کہ اس نے کہا تھا کہ

یہ کہانی سن کر

یہ کہانی سن کر اس نے کہا کہ
 اس نے کہا تھا کہ اس نے کہا تھا کہ
 اس نے کہا تھا کہ اس نے کہا تھا کہ
 اس نے کہا تھا کہ اس نے کہا تھا کہ
 اس نے کہا تھا کہ اس نے کہا تھا کہ
 اس نے کہا تھا کہ اس نے کہا تھا کہ

یہ کہانی سن کر

یہ کہانی سن کر اس نے کہا کہ
 اس نے کہا تھا کہ اس نے کہا تھا کہ
 اس نے کہا تھا کہ اس نے کہا تھا کہ
 اس نے کہا تھا کہ اس نے کہا تھا کہ
 اس نے کہا تھا کہ اس نے کہا تھا کہ
 اس نے کہا تھا کہ اس نے کہا تھا کہ

حضرت علیؑ کی روایت

آپؑ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا رسولؐ کی آغوش میں تربیت پائی بشت سے پہلے سے آخری دم تک آپؑ کے ہمراہ رہے، سفر و حضر میں ہمیشہ آپؑ کا ساتھ نہ چھوڑا، پھر علیؑ آپؑ کے چچا زاد بھائی آپؑ کی بیٹی فاطمہؑ کے شوہر تھے، جنگ تبوک کے علاوہ تمام معرکوں میں آپؑ کے شانہ بشانہ رہے اور جنگ تبوک پر روانگی کے وقت رسولؐ نے آپؑ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا تو عرض کی! اے اللہ کے رسولؐ! آپؑ نے مجھے عورتوں اور بچوں کا خلیفہ مقرر کیا ہے — ۹ فرمایا: کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰؑ کیلئے ہارون تھے؟ بس میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا،

یہ وہ امام ہیں جن کے علمی پایہ تک کوئی صحابہ نہیں پہنچا ہے، لیکن سیوطی نے ان کی طرف ۵۸ حدیثوں کی اور ابن حزم کہتے ہیں کہ آپؑ سے منقول پچاس حدیثیں صحیح ہیں اور بخاری و مسلم نے تقریباً ان سے ۶۰ حدیثیں نقل کی ہیں، لیکن عثمان سے بخاری نے نو اور مسلم نے پانچ حدیثیں نقل کی ہیں، زہیر بن العوام سے بخاری نے نو اور مسلم نے ایک حدیث نقل کی ہے، طلحہ بن عبید اللہ سے بخاری نے چار حدیثیں نقل کی ہیں، عبد الرحمن بن عوف سے بخاری نے نو حدیثیں نقل کی ہیں، ابی بن کعب سے کتب متذہب میں ساٹھ سے کچھ زیادہ احادیث نقل ہوئی ہیں، زہد بن ثابت سے بخاری نے آٹھ حدیثیں نقل کی ہیں اور سفین کا پانچ پر اتفاق ہے، سلمان فارسی سے بخاری نے چار اور مسلم نے تین احادیث نقل کی ہیں، بہت سے صحابہ کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ انہوں نے رسولؐ سے کوئی حدیث نقل

نہیں کی ہے ان ہی میں سے عشرہ مبشرہ میں سے ایک سعید بن زید بن نفیل اور ابی عمارہ ہیں ...

چند نمونے

اس سے قبل بھی ہم کہہ چکے ہیں کہ رسولؐ سے جو حدیثیں نقل ہوئی ہیں ان میں سے بہت سی عجیب و غریب ہیں، ان میں بخونے کے طور پر چند احادیث ہم یہاں پیش کرتے ہیں بالانتخاب تو ہم انھیں بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کیلئے جلدیں درکار ہیں،

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ خدا نے سفید موتیوں سے نوحؑ محفوظ کو خلق کیا ہے اور اسے سرخ یا قوت کی دفتیوں میں رکھ لیا ہے، اس کا قلم نوبہ ہے، اس کے کتاب بھی نور ہیں زمین و آسمان کے درمیان کے فاصلہ کے برابر اس کا عرض ہے، ہر فرد اس پر ایک نظر ڈالتا ہے، زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، عزت دیتا ہے اور ذلیل کرتا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس سلسلہ میں اس کا قول ہے کل یوم ہونی شان،

عبدالرزاق ابن منذر، طبرانی اور حاکم نے اس کی روایت کی ہے،
فیہنن اور بعض صاحبان سنن و مسانید اور مفسرین نے ابوذر سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے ابوذر سے فرمایا تم جاتے ہو کہ سورج غروب ہوتا ہے تو کہاں جاتا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جاتے ہیں! فرمایا: یہ عرش کے نیچے سجدہ کرنے جاتا ہے اذن چاہتا ہے اسے اذن ملتا ہے یہ قریب ہے وہ سجدہ کر لے گا اس کا سجدہ قبول نہیں ہوگا، پھر اجازت چاہتا ہے، لیکن اسے اجازت نہیں ملتی ہے بلکہ اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ جیسے چاہو لوٹ جاؤ چنانچہ وہ مغرب سے طلوع ہوتا ہے اس سلسلہ میں خدا کا قول ہے

وانشس تجری مستقر لھا ...

مسلم نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کی ہے:

دریا میں شیا میں قیدیوں، انیس سلیمان بن داؤد نے قید کیا تھا قریب ہے کہ وہ نکلے اور لوگوں کے سامنے قرآن پڑھیں،

بخاری نے باب الدار بالبحرہ للسمو، میں عامر بن سعد بن ابی وقاص سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص صبح کے وقت چند غجہ کھجور کھا لے اس پر اس دن رات تک زہر و سحر اثر نہیں کرے گا، ایک روایت میں ہے کہ جو سات غجہ کھجور کھائے گا، اسی طرح مسلم نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے،

نسائی کے نزدیک جابر کی حدیث سے یہ ہے کہ غجہ جنت کا پھل ہے زہر سے بچاتی ہے،

بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ جب نماز کے لئے نڈی دی جاتی ہے تو اس وقت شیطان گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے تاکہ اذان دینے والوں کی آواز نہ سنے جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پھر بڑھتا ہے، اور پھر جب نماز شروع ہو جاتی ہے تو پھر اسی صورت میں فرار کرتا ہے یہاں تک نماز نافذ ختم ہو جاتی ہے اور وہ پھر بوٹ آتا ہے اور خود انسان اور اسکے نفس کے درمیان خطو کرتا ہے،

اس حدیث کی شرح محقق علامہ نے اس طرح کی ہے ...

مسلم نے ابو سفیان سے روایت کی ہے کہ اس نے رسول ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے مین چنیری عطا کر دیجے میری بیٹی ام حبیبہ سے نکاح کر لیجئے، میرے بیٹے معاویہ کو کاتب بنالیجئے اور مجھے حکم دیجئے کہ میں کفار سے اسی طرح قتال کروں جس طرح مسلمانوں سے کیا تھا،

ام حبیبہ جب رسول ﷺ کی زوجیت میں آئیں اس وقت وہ جنت میں تھے اور ان کا مہر بخاشی نے دیا تھا اور ابو سفیان فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا تھا اور ہجرت و فتح مکہ کے درمیان کئی سال کا فاصلہ ہے،

مسلم نے عربین شدید سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں رسولؐ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا کہ آپؐ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس امیر کے کچھ اشعار ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! میں نے تمہیں کو سوا اشعار سنائے،

احمد نے اپنی مسند میں مکر مر سے، ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: امیر نے اپنے اشعار میں بعض چیزوں کے بارے میں سچ کہا ایک روایت میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا امیر بن ابی الصلت نے اپنے اشعار میں بعض چیزوں کے بارے میں سچ کہا ہے پھر کہا

زحل وثور تحت رجل یمنہ والنسر لآخری ولیث مرصد

زحل وثور اسکے دائیں پیر کے نیچے ہیں انسرو اسد بھی اسکے نیچے ہیں

رسولؐ نے فرمایا سچ کہا ہے،

اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور مجمع الزوائد میں ہے اور ابو یعلیٰ وطبرانی نے اسکی

روایت کی ہے اسکے رجال ثقہ ہیں،

اور جب ان کے اس قول پر اعتراض ہوا کہ ”یا اس پر غدا ہو گا یا کوڑے لگائے جائیں گے“ تو ابن عباس نے کہا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے خدا کی قسم سورج ہرگز طلوع نہیں ہوتا مگر یہ کہ ایک ہزار فرشتے اسے آنکس لگاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں طلوع کرو طلوع کرو، وہ کہتا ہے میں اس قوم پر طلوع نہیں کروں گا جو خدا کو چھوڑ کر میری پرستش کرتے ہیں، اسے فرشتے باہر لاتے ہیں اور وہ بنی آدم کی ضیاء کے لئے روشن ہوتا ہے اس کے پاس شیطان آتا ہے تاکہ اسے طلوع سے باز رکھے تو وہ اس کے سنگوں کے بیچ سے طلوع کرتا ہے اور اسکے پیچھے خدا اسے جلاتا ہے اور یہ رسولؐ کا قول ہے، سورج شیطان کے سنگوں کے درمیان سے طلوع کرتا ہے اور شیطان ہی کے سنگوں کے بیچ غروب کرتا ہے اور سورج غروب نہیں کرتا

۱۔ ایک تارے کا نام ہے،

مگر یہ سجدہ میں گر پڑتا ہے تو شیطان آتا ہے تاکہ اسے سجدہ سے باز رکھ سکے تو وہ اسی کے سنگوں کے درمیان غروب ہو جاتا ہے اور خدا اسکے نیچے اسے جلاتا ہے، طبرانی نے ابوامامہ سے روایت کی ہے کہ بے شک خدا نے سورج پر نوازا کہ کو مقرر کیا ہے تو ہر روز اس پر برف برساتے ہیں اگر وہ برف نہ برساتے تو سورج کی دھوپ جس چیز پر بھی پڑتی اس کو جلا کر رکھ کر دیتی۔

جبکہ قول مشہور کی بنا پر انسؓ ۱۳ھ میں مرے ہیں اور یہی اس غلام کی پرورش کر رہے تھے جس کے بارے میں رسولؐ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ بوڑھا نہیں ہو پائے گا اور قیامت آجائے گی اس کاٹا سے پہلی صدی ختم ہونے سے قبل ہی قیامت پیا ہو جانی چاہیے تھی جیسا کہ حدیث نے نص کی ہے۔

پس عباد کی اسناد کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ ہو سکتا ہے بعض لوگ یہ کہیں کہ آپ کو کیا معلوم ہو سکتا ہے ابھی تک وہ غلام بوڑھا ہی نہ ہوا ہو،

جس حدیث میں ملا اعلیٰ لڑتے ہیں

احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ ایک روز رسولؐ خدا ان کی طرف سے گزرے جبکہ آپؐ پائینہ نفس اور ہشاش و بشاش تھے اس کا سبب پوچھا گیا تو کہا مجھے میرے بے تیرین صورت پر خلق کیا ہے، فرمایا: اے محمدؐ: میں نے کہا: لیک و سعدیک! فرمایا: ملا اعلیٰ کس بات پر جھگڑتے ہیں؟ میں نے عرض کی میں نہیں جانتا کیا بات ہے کہا: پھر اس نے دو ہاتھ میرے شانوں کے درمیان رکھ دیئے تو مجھے سینے میں ان کی ٹھنڈک محسوس ہوئی اور پھر آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں نظر آنے لگیں۔

شہرستانی کی روایت ہے کہ میرے رب نے مجھ سے ملاقات کی اور مجھ سے مصافحہ

کیا اور مقابلہ اور پھر میرے دونوں شانوں کے درمیان اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے جہاں تک کہ مجھے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک محسوس ہونے لگی۔

جنت کا بیل

ابن قیم نے بدائع الفوائد میں رسول ص سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن مومنین کے لئے جنت کے بیل کو ذبح کیا جائے گا جو کہ جنت میں چرتا ہے، اور یہ ان کا کھانا ہوگا، ابن قیم کہتے ہیں یہ حیوان جو کہ جنت میں چرتا ہے حتیٰ لوگوں کی خوراک بن جائے گا،

رسول ص نے گیارہ بار خدا کو دیکھا

قاضی کہتے ہیں: احمد نے اس بات پر نص کی ہے کہ شب معراج بیداری کی حالت میں دیکھا تھا ان سے حکایت کی گئی کہ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں: احادیث اسرار خواب کی حالت سے مربوط ہیں تو انہوں نے کہا: یہ جہمیہ کا کلام ہے۔
ابو بکر بنار کہتے ہیں: رسول ص نے خدا کو گیارہ بار دیکھا ہے نو بار شب معراج میں اس وقت دیکھا تھا جب آنحضرت ص موسیٰ اور اپنے رب کے درمیان آمد و رفت کر رہے تھے اور در مرتبہ کتاب کے ذریعہ۔

۱۔ بدائع الفوائد ج ۴ ص ۳۹،

۲۔ ج ۲ ص ۴۵۵،

عرش کو اٹھانے والے ملک

منتخب کنز العمال میں سنن کے بارے میں کچھ اقوال و افعال ہیں:
 انس نے رسولؐ سے نقل کیا ہے کہ مجھے اجازت ہے کہ عرش کو اٹھانے والے ملک کے بابے
 میں خبر دوں اس کا ایک پیر ارضِ سفلی پر اور دوسرا عرش کی چوٹی پر ہے اور اس کے کان کی چربی و گردن
 کے درمیان ... سال تک پرندہ کی پرواز ہوتی ہے،
 وہ کہتا ہے: انت الملک سبحانک حیث کنت

رعد

ابن عباس سے مروی ہے کہ: رعد ملائکہ میں سے ایک ملک ہے جو کہ بادلوں پر نینا
 ہے، اس کے پاس آگ کے کوڑے ہیں جن کے ذریعہ بادلوں کو اس طرف لے جاتا ہے جس طرف
 خدا چاہتا ہے۔

ان ہی سے مروی سانپ مسخ شدہ جن ہیں جیسا کہ نبی اسرائیل کے زمانہ میں بندرا اور
 خنزیر مسخ ہو گئے تھے، ان ہی سے منقول ہے سب سے پہلے خدا نے جو چیز خلق کی وہ قلم ہے اس کے
 بعد نون، مچھلی، کو پیدا کیا اور زمین کو اس مچھلی کی پشت پر رکھا۔

۱۔ حوالہ سابق ص ۴۵۹

۲۔ ایضاً ص ۴۶۹

ججر اسود

ابن عباس سے مروی ہے کہ: ججر اسود روئے زمین پر خدا کا دایاں ہاتھ ہے اپنی مخلوق میں سے جس سے پاتا ہے اس کے ذریعہ مصافحہ کرتا ہے۔ ایک روایت میں ان ہی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ججر اسود جنت سے آیا ہے وہ برف سے بھی زیادہ سفید تھا، شرک نشانات نے اسے سیاہ کر دیا ہے کہتے ہیں وہ روز قیامت آئے گا تو اس کی زبان اور دو ہونٹ ہونگے اور یہ گواہی دے گا کہ کس نے اسے حق کے ہاتھ چھوا ہے۔

یہ حدیث بھی اسرائیلی ہے وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ جس نے اس کے بارے میں کہا ہے: سفید لوگو کی مانند تھا جسے مشرکین نے سیاہ کر دیا ہے۔
جا حط نے اس حدیث کا مذاق اڑایا ہے اور کہا ہے کہ گویا اب مسلمان اسے کر کے سفید کر گئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کی فضیلت

عطار بن ابی رباح سے انہوں نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: جب بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی تو بادل مشرق میں بھاگ گیا ہوا بند ہو گئی دریاں طوفان آگیا چوپائے چوکٹے ہو گئے آسمان سے شیطانوں کو جھکایا گیا اور خدا نے اپنی عزت و جلال

۱۔ تاویل مختلف الحدیث ص ۲۷۱،

۲۔ ایضاً ص ۳۶۸۔

کی قسم کھائی کہ جس چیز پر بھی اس کا نام لیا جائے اس میں برکت دوں گا۔

حاملانِ عرش میں سے ایک

جابر سے منقول ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: مجھے اجازت عطا ہوئی ہے کہ میں خدا کے ان ملائکہ میں سے جو کہ حاملانِ عرش ہیں، ایک کے بارے میں یہ بتاؤں کہ اس کے کان کی چربی سے گردن تک سات سو سال کی مصافحت کا فاصلہ ہے ابو داؤد اور بیہقی نے اس کی روایت کی ہے،

جبریل کے پر

امام احمد نے عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے جبریلؑ کو ان کی صورت میں دیکھا ان کے چہرہ سو پر ہیں ہر پر افق پر چھا جانے والا ہے وہ اپنے پروں سے درو یا قوت گرتے ہیں اس کے بارے میں خدا ہی بہتر جانتا ہے، اس کی اسناد قوی ہیں، عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: رسولؐ نے جبریلؑ کو سبز حلہ میں ملبوس دیکھا زمین و آسمان کے فاصلہ کو جبریلؑ "اپنے بدن سے" پر کر دیا تھا، مسلم نے روایت کی ہے،

ہمارا رب اپنی پنڈلی کھول دیگا

بخاری و مسلم نے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ بے شک اللہ عز و جل اپنی پنڈلی کھول دیگا

۱۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۱،

[illegible]

سید

و در فاصله دریا، سوازمی

[illegible]

شش و هجده

وہم کہتے ہیں کہ

تہذیب و فن: آج کے دور میں سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسان کو بہت سے نئے مواقع فراہم کیے ہیں۔

اندر

۱۰

[illegible]

طوبیٰ جنت میں ایک شجر ہے

احمد بن ابی حنبلہ سے اس کی روایت کی ہے، اور ایک روایت ہے طوبیٰ جنت میں ایک شجر ہے جسے خدا نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے اور اس میں اپنی روح پھونکی ہے، اس پر زیورات و پوشاک لگتے ہیں اور جنت کے پردہ کے پیچھے سے اس کی شاخیں نظر آتی ہیں،
 اسی شکل حدیثیں ہے شمار میں اس سلسلہ میں آپ کے لئے طحاوی کی کتاب، مشکل التائید،
 کا مطالعہ درکار ہے، یہ کتاب چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے پھر بھی تمام مشکلات اس میں نہیں ہیں،
 یہ کتاب ہندوستان میں طبع ہوئی ہے،

حدیث مہدی

جس چیز سے روایات کے مشکلات وجود میں آتے ہیں وہ مختلف احادیث ہیں جو کہ جمہور کے نزدیک سنت کی مشہور کتابوں میں مہدی منظر کے بارے میں بیان ہوئی ہیں ان سے ان کا مفہوم یہ ہے کہ آخری زمانہ میں مہدی ظہور کریں گے اور دنیا کو عدل سے پر کریں گے جیسا کہ ظلم سے بھرچکی ہوگی۔

یہ مہدی اہلسنت کے نزدیک محمد بن عبداللہ ہیں ایک روایت میں احمد بن عبداللہ آیا ہے اور شیعہ امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے وہ آئمہ معصومین میں سے محمد بن الحسن مہدی ہیں، شیعہ اہل بیت قائم المنتظر کے لقب سے یاد کرتے ہیں،

کیا سنا یہ کہتے ہیں کہ مہدی، محمد بن الحنفیہ ہیں اور وہ زندہ ہیں جیل رضوی میں مقیم ہیں ان کے پاس جوش مارکر بننے والے دو چشمے ہیں ایک میں پانی اور دوسرے میں شہد بہت ہے

اور ان کے ساتھ چالیس افراد ہیں ،
 مہدی کے نسب کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ علوی و فاطمی حسین کی نسل سے ہیں ، شیعوہ
 امامیہ کے نظریہ کی رو سے وہ امام حسین کی نسل سے ہیں ، ابن خلدون اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں :
 طول تاریخ میں تمام اہل اسلام کے درمیان یہ بات مشہور رہی ہے کہ آخری زمانہ میں ضرور
 اہلبیت میں سے ایک شخص ظہور کرے گا جو کہ دین کی مدد اور عدل کا بول بالا کرے گا مسلمان اس کی پیروی
 کریں گے ، اسلامی ممالک پر اس کی حکومت ہو گی اور اس کا نام مہدی ہوگا ، دجال کا خروج اور
 اسکے بعد کے واقعات قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں جو کہ صحیح میں ثابت ہے اور یہ کہ اسکے
 بعد عیسیٰ اہل نازل ہونگے اور دجال کو قتل کریں گے اور مہدی کی مدد کریں گے اور ان کی اقتدار میں نماز
 پڑھیں گے اس پر شیعوہ ان احادیث سے حجت قائم کرتے ہیں جو کہ ائمہ سے مروی ہیں منکرین
 نے بھی اس سلسلے میں بہت کچھ کہا ہے ، بعض احادیث میں تعارض بھی ہے ،
 جہود کے نزدیک سنت کی مشہور کتب میں مہدی سے متعلق جو احادیث نقل
 ہوئی ہیں ان پر ابن خلدون نے خدشہ وارد کیا ہے لیکن شیعوہ خصوصاً امامیہ کے پاس ظہور مہدی
 کے متعلق دلیلیں ہیں وہ اپنے ائمہ سے روایت کرتے ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہیں اور پھر ہر قوم
 کے پاس سنت و امام ہے ،

مہدی عباسی

کچھ ایسی صریح احادیث بھی موجود ہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہدی عباسی کی
 نسل سے ہونگے ، ان احادیث کی کثرت کی بنا پر ہم صرف ان کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا
 کرتے ہیں ،

مہدی سفیانی

جب ایک علویوں کا مہدی ہے تو دوسرا عاصیوں کا بھی ہے اور پھر اموی ہی مہدی سے کیوں محروم رہیں ایک ان کا بھی ہے اور جب تک حدیث گڑھنے کا باب داہے اس وقت تک کوئی بھی چیز اس میں داخل کی جا سکتی ہے خصوصاً جب ان کے ہاتھ میں طاقت و سلطنت ہو کر رہے گئے ہوں۔ ان کی بخشش کی وجہ سے ان کا تقرب ڈھونڈتے ہیں بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے امیوں کا ایک مہدی ہے جسکو سفیانی کہا جاتا ہے، اس کے اخبار کو بیان کر کے ہم بحث کو طول نہیں دینا چاہتے،

خلفاء اثنا عشر

خلفاء اثنا عشر کے سلسلہ میں وارد ہونے والے مضمون میں ہے کچھ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تاکہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ روایت حدیث میں وضع حدیث کا اثنا اثر ہے اس بحث میں اسی چیز نے ہماری مدد کی ہے، اس کو اوراد جو چیزیں ہیں ان سے ہماری غرض نہیں ہے اور نہ ہی لوگوں کے معتقات سے بحث کا حق ہے،

بہت سی احادیث میں جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ خلفاء بارہ ہوں گے جو چیزیں مختلف الفاظ میں ملی ہے اسے ہم یہاں بیان کرتے ہیں،
مسلم نے روایت کی ہے: لوگ اس وقت تک اپنی حالت پر رہیں گے جس وقت تک ان میں بارہ خلیفہ ہوں گے اور وہ سب قریش سے ہوں گے،
مسلم کی روایت ہے یہ امر اپنی جگہ باقی رہے گا جب تک کہ ان میں بارہ خلیفہ ہوں گے،

بنجادی میں جابر بن سمہ سے مروی ہے: امیر بارہ ہوں گے اور وہ سب قریش سے ہوں گے۔

ایک اور روایت میں ہے : اسلام عزیز اس وقت تک باقی ہے جب تک بارہ خلیفہ ہوں گے ،

نیز ابو داؤد نے روایت کی ہے یہ دین اس وقت تک عزیز ہے جب تک ابو خلیفہ ہوں گے،

اور ابو جحیفہ کی حدیث میں ہے جو کہ بنی نزار، وطبرقی نے نقل کیا ہے، میری امت کا امر صالح رہے گا، ابو داؤد نے بھی جابر بن سمرة سے ایسی حدیث نقل کی ہے اتنا اضافہ کیا ہے، جب وہ اپنے گھروٹ آئے تو قریش ان کے پاس آئے اور کہا: اس کے بعد کیا ہوگا؟ فرمایا: حرج، یعنی فتنہ و خونریزی ہوگی،

ابو داؤد نے اس طرح نقل کی ہے یہ دین اس وقت تک قائم ہے جب تک ان پر بارہ ظفاء کی حکومت ہے اور ان سب پر امت کا اتفاق ہے،

بارہ مہماوی حکومت ہے مگر اس سب پر اس نے ایک بار احمد نے اس طرح نقل کی ہے: یہ امر ہمیشہ صالح و صحیح رہے گا، ان ہی کی دوسری روایت میں ہے: یہ امر ہمیشہ پسندیدہ رہے گا اور طبرانی نے اسے اس طرح بیان کیا ہے، انھیں ان کے دشمنوں کی عداوت نقصان نہیں پہنچا سکے گی،

احمد و بزاز نے ابن مسعود کی حدیث سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ان سے سوال کیا کہ اس امت پر کتنے خلفاء کی حکومت ہوگی؟ تو انہوں نے کہا: اس سلسلہ میں ہم نے رسولؐ سے دریافت کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا وہ نقیہ بنی اسرائیل کی تعداد کے برابر بارہ ہونگے، طبرانی نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث کی روایت کی ہے، جب بنی کعب بن لوی میں سے بارہ بادشاہ ہو جائیں تو انتہا ہو جائے گی اور پھر ایسے ہی قیامت تک سلسلہ جاری رہے گا،

کعب الاحبار سے مروی ہے » اس سے بھی ہونا ضروری ہے « ہر جگہ نئی تعلیل کا اثر ہے بارہ مہدی ہوں گے اس کے بعد روح اللہ عیسیٰ ؑ نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے، مذکورہ احادیث ظفا کو بارہ بتاتی ہیں لیکن ایک اور روایت ان تمام حدیثوں کے معارض بھی مروی ہے اور وہ ہے حدیث سفینہ جسے اصحاب سنن نے نقل کیا ہے اور ابن حبان وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے حدیث ہے، میرے بعد تیس سال تک خلافت رہے گی اور پھر بادشاہت ہو جائے گی،

اسی طرح ابو داؤد نے ابن مسعود سے روایت کی ہے : ۳۵ یا ۳۶ یا ۳۷ سال تک اسلام کی چکی گھومتی رہے گی اگر وہ ہلاک ہو گئے تو ان کی راہ ہی ہلاکت ہے اور اگر ان کا دین قائم رہا تو ستر سال تک قائم رہے گا۔

ان احادیث کے بارے میں کچھ اقوال

قاضی عیاض کہتے ہیں : اس تعدد » بارہ « سے دو سوال پیدا ہوتے ہیں،
 ① یہ رسول کی حدیث سفینہ کے معارض ہیں کیونکہ اول تو تیس سال تک تو صرف ظفا اور ابو امام حسن بن علیؑ ہی کی خلافت رہی ہے اور دوسرے خلافت اس مدت سے زیادہ تک رہی ہے،

کشف مشک میں ابن جوزی لکھتے ہیں میں نے اس حدیث کے معنی کے حصول کے لئے بہت تحقیق کی اور اس کا ماخذ تلاش کیا لیکن مقصد پورا نہیں ہو سکا، اس لئے کہ اس کے الفاظ مختلف ہیں مجھے اس بات کا یقین ہے کہ اس میں رواق نے خلط ملط کیا ہے،

لیکن سیوطی نے ان مشکل احادیث کے بارے میں علامہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کیا ہے ہم قارئین کی خوش طبعی کیلئے اسے یہاں نقل کر رہے ہیں،

اس بنا پر بارہ خلیفہ ہوتے ہیں، خلفاء اربعہ، حسن، معاویہ، امین زبیر، عمر بن عبد العزیز، یہ آٹھ ہو گئے، احتمال ہے ان میں عباسیوں کے مہدی کو شامل کریں کیونکہ عباسیوں میں اس "مہدی" کی وہی حیثیت ہے جو کہ بنی امیہ میں عمر بن عبد العزیز کی ہے، دیکھا انتظار ہے ایک مہدی میں جو کہ اہلبیت محمد سے ہوں گے لیکن "دوسرے" کا معلوم نہیں ہے، خدا رحم کرے اس شخص پر جس نے یوٹی کے بارے میں کہا ہے: یہ خشک و تر کو جمع کرتے ہیں۔

مہدی کے بارے میں اپنی بحث مکمل کرنے سے قبل یہاں علامہ ترمذی عسکری جو کہ عراق کے عظیم علماء میں سے ایک ہیں، کی بات نقل کرتے ہیں، جو کہ مہدی کے بارے میں شیوا امامیہ کے عقیدے کو بیان کرتی ہے، خدا انہیں سلامت رکھے انہوں نے ایک طویل جواب ہیں ارسال کیا ہے،

شیوا امامیہ کا عقیدہ ہے کہ زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہی اور اسی طرح خالی نہیں رہے گی اور وہ حجت خدا یا زندہ ہے بنی ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے یا اسے اپنے بعد اپنی شریعت پر بنی معین کرتا اور اس سے اپنی امت کو خبردار کرتا ہے،

اور اثنا عشر کے بارے میں احادیث مروی ہیں جن میں سے آپ نے بھی اپنی کتاب حدیث محمدی سے دفاع میں خلفاء اثنا عشر عنوان کے تحت چند احادیث نقل کی ہیں، یہ احادیث یہ بتاتی ہیں جو لوگ رسول کے بعد مردین کے ضامن و ذمہ دار ہوں گے ان کی تعداد بارہ ہے اور یہ بارہ کا عدد خلفاء راشدین پر منطبق نہیں ہوتا ہے اور نہ امیرین اور دوسروں پر صادق آتا ہے اس کے علاوہ خاصہ کے طریق سے سکڑوں احادیث رسول سے نقل ہوئی ہیں جو کہ اس بات پر نص ہیں اور بارہویں امام ان کے نزدیک مہدی بن الحسن العسکری ہیں جو کہ ۴۵۱ھ میں پیدا ہو چکے ہیں حضرت مہدی کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ آپ ابھی تک اسی طرح زندہ ہیں جس طرح حضرت نوح

۹۵۰ سال تک اپنی قوم کے درمیان زندہ رہے اور حسب طرح حضرت عیسیٰؑ کو انہوں نے نہ قتل کیا نہ انہیں سولی دی، امران کے لئے مشتبہ ہو گیا اور خدا نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا۔۔۔

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ مہدی موجود ہیں اور خدا کی اسی قدرت سے زندہ ہیں کہ جس نے ابراہیمؑ کیلئے مٹی کو پرندہ بنادیا تھا اور آگ کو ان کیلئے ٹھنڈی اور سلامتی کا باعث کر دیا تھا اور اس پوری مدت میں ان کا موجود ہونا خدا کی قدرت کی دلیل ہے، شیعوں امامیہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ آپؐ لوگوں کے درمیان موجود ہیں وہ کبھی ان کی ایسے ہی مدد کرتے ہیں جس طرح آپس کا کوئی گناہ ہے مگر وہ انہیں پہچان نہیں پاتے ہیں،

اور ان کے وجود کے جو فوائد بیان کئے جاتے ہیں ان میں سے جب علماء کسی خفی رائے کو بیان کرنے کے نیاز مند ہوتے ہیں تو وہ صحیح راستہ پر گامزن ہوتے ہیں اور اس چیز میں بعض علماء کی راہنمائی سے صحیح رائے قائم کرتے ہیں۔

لیکن ان کے ظہور کا وقت تو اس پر شیعوں امامیہ کا اجماع ہے کہ اس کا تعلق غیب سے ہے اور غیب کا علم صرف خدا ہی کو ہے، آپؐ کے ظہور کے کچھ ظالم ہیں ان میں سے بعض حتیٰ طور پر واقع ہونگے اور بعض کا واقع ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اور مشہور ہے کہ آپؐ مکہ میں ظہور فرمائیں گے آپؐ کے لشکر کے سپاہیوں کی تعداد اتنی ہی ہوگی جتنی بدر میں رسولؐ کے لشکر کی تھی اور یہ کہ آپؐ زمین کو ہی عدل سے پر کریں گے اور واقع کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں گے اگرچہ گواہوں کی گواہی ان کے خلاف ہوگی، دیکھو بات کا آپؐ حکم یا سارہ کے سرداب میں غائب ہوئے ہیں تو یہ میں نے کسی شیعہ سے نہیں سنا ہے کہ مہدی اس میں غائب ہیں یا آپؐ اس میں موجود ہیں یا اسی سے خروج فرمائیں گے شاید سارہ کے سرداب کو دوائے علی نقیؑ اور حسنؑ مسکریؑ نے عبادت کے لئے مصلیٰ بنالیا تھا ویسے ائمہ اپنے گھروں میں خدا کی عبادت کیا کرتے تھے چنانچہ آج تک وہ ایسے ہی باقی ہے،



دجال

دجال کے بارے میں ابن حلدون نے مہدی والی بحث میں اشارتاً بیان کیا ہے کہ بہت سی احادیث اس بات پر صریح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ دجال کو رسولؐ نے دیکھا ہے اور احتمال ہے کہ دجال کا خروج آپؐ کا زمانہ ہے اور آپؐ نے مسلمانوں کو اس کے شر سے بچایا ہے، اور بعض حدیثیں اس بات کی صراحت کرتی ہیں کہ دجال اس وقت خروج کرے گا جب مسلمان روم و قسطنطنیہ کو فتح کریں گے اور بعض احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ ہوگا اور پانی و شہد کی نہریں ہوں گی، جیسا کہ احمد اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور مسلم نے اضافہ کیا ہے کہ اس کے ساتھ گوشت کا پہاڑ ہوگا۔

نفیم بن حاد نے کعب کے طریق سے روایت کی ہے کہ دجال کو اس کی ماں نے مصر میں قوص نامی جگہ پر جنا تھا اور اس پیدائش و خروج میں تیس سال کا فاصلہ ہے، اس کی خبروں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دمشق کے باب شرقی پر نازل ہوگا، مشرق سے ظاہر ہوگا اسے خلافت مل جائے گی پھر وہ نہر کے کنارے آئے گا اسے پہنے کا حکم دے گا وہ پہنے لگی پھر اسے ٹوٹ جانے کا حکم دے گا تو وہ ٹوٹ جائے گی پھر اسے خشک ہونے کا حکم دے گا تو وہ خشک ہو جائے گی پھر پہاڑوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا جانے کا حکم دے گا تو وہ ٹکرا جائیں گے اس کے

بعد ہواؤں کو بادل پھیلانے کا حکم دے گا اور زمین سیراب ہو جائے گی وہ ہر روز دریا میں تین مرتبہ غوطہ لگائے گا لیکن اس کی تھاکہ کو نہیں پہنچ سکے گا اس کا ایک ہاتھ دوسرے سے بٹھا ہوگا چنانچہ وہ ہاتھ بڑھا کر سمندر کی تھاہ سے پی پھولی چاہے کمال لے گا،

خطبہ اوداع میں دجال

بخاری نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم حجۃ اوداع کے بارے میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے تھے اور یہ نہیں جانتے تھے کہ حجۃ اوداع کیا ہے، پس آپ نے خدا کی حمد و ثناء کی پھر مسیح دجال کا ذکر کیا اور کلام کو طول دیا پھر فرمایا: خداوند عالم نے کوئی نئی نبوت نہیں کیا مگر اس نے اپنی امت کو ڈرایا، نوح اودان کے بعد دوسرے انبیاء نے اس کو ڈرایا اور وہ تم میں خروج کرے گا، پس اس کی حالت تم پر پوشیدہ نہ رہے اور نہیں ہے تمہارا رب تم پر غفیل نہیں رہے گا، تمہارا خدا کانڑا نہیں ہے اور اس کی دائیں آنکھ کا نثری ہے، جان لو کہ خدا نے تم پر ایک دوسرے کا مال و خون ایسے ہی حرام کیا ہے جس طرح یہ دن تمہارے اس شہر میں اودا اس ماہ کی حرمت ہے کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ سب نے کہا ہاں، پھر تین بار فرمایا: اے اللہ گواہ رہا افسوس ہے کہ میرے بعد کفر کی طرف پلٹ جاؤ یا ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو،

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ابن حجر لکھتے ہیں حجۃ اوداع کے خطبے کو صحابہ کی ایک جماعت

نے بیان کیا ہے لیکن ان میں سے کسی نے سوائے ابن عمر کے دجال کا ذکر نہیں کیا ہے، شاید ابن جریر بھول گئے کہ ابن عمر بھی کعب الاحبار کے ایک شاگرد ہیں، صحیحین میں انس بن مالک کی حدیث ہے کہ رسول نے دجال کا ذکر:

مگر یہ کہ وہ کانڑا ہے و تمہارا رب کانڑا نہیں ہے،
اساس التقدیس میں فخر رازی لکھتے ہیں،

اس حدیث میں خدشہ ہے کیونکہ اسکے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ نے اللہ تعالیٰ اور دجال کے درمیان فرق قائم کیا ہے کہ دجال کانٹا ہے اور خدا کانٹا نہیں ہے اور یہ بعید ہے اور جب خبر واحد ضعف معنی کے اس درجہ پر ہو تو پھر یہ یقین کر لینا چاہیے کہ کلام مقدمہ سے مسبوق ہے اگر اس کا ذکر ہوتا تو اشکال ختم ہو جاتا ہے،

دجال کے بارے میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں وہ سب مرفوع ہیں ان کے ذکر سے ہم چشم پوشی کرتے ہیں لیکن مسلمانوں کے عقول میں اس عقیدہ کو راسخ کرنے کیلئے انہوں نے رسولؐ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جس نے مہدی کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا اور جس نے دجال کا انکار کیا اس نے کفر کیا۔

دنیا کی عمر

تفسیر آٹوسی میں ہے کہ سیوطی نے ہذا احادیث نقل کی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے، نیز ذکر کیا ہے کہ اس امت کی مدت ہزار سال سے زیادہ ہوگی لیکن پندرہ سو سال سے زیادہ نہ ہوگی، اس مدعا پر سیوطی نے اپنے رسالہ ”الکشف عن بجا وزہ ہذا الامۃ“ میں بہت سے آثار و احادیث سے استدلال کیا ہے، اور آٹوسی نے کہا ہے اگر اس صدی کے شروع میں مہدی کا ظہور نہ ہوا تو جن چیزوں میں ہم نے ان کی خبر دی ہے ان کی اہمیت ہمیں رہے گی گویا آپ اب انہیں بے اہمیت سمجھیں،

وہ صدی تو گزشتہ چھی جس میں آٹوسی زندگی بسر کرتے تھے وہ سترہ تھی اور اس کے بعد چودہویں صدی کے ۸۶ سال گزر چکے ہیں اور مہدی کا ظہور نہیں ہو سکا یقیناً ان چیزوں کا کوئی اقبال نہیں رہا جو سیوطی نے بیان کی تھیں۔

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے: گوگ کہتے ہیں کہ سترہویں صدی میں دجال ظاہر ہوگا اور اس سلسلہ میں بے فائدہ بحث کو طول دیا ہے اسی طرح ہم نے فتن اور قیامت کی علامتوں اور حضرت مسیحؑ کے نزول کو بیان کرنے سے اعراض کیا ہے کہ ان سے مسلمانوں کی احادیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں اسی طرح ان چیزوں کو بھی بیان نہیں کیا ہے جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ

نیل و فرات و سیحون و جیون ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلی ہیں، یہ چنریں بخاری
وغیرہ میں موجود ہیں، اور یہ کہ ہر چیز کو رسول اللہ کے نور سے پیدا کیا ہے اور بہت سی عجیب و غریب
حدیثیں بیان ہوئی ہیں،

جو حضرات ان چیزوں سے واقف ہونا چاہتے ہیں وہ احادیث کی کتب اور
مقدمہ ابن خلدون ۵۲ ویں فصل کا مطالعہ فرمائیں یہ وہ فصل ہے جسکو مؤلف نے فاطمی امر کے
حکم اور اس سلسلے میں گوہر نے مسلک کے مطابق لکھی ہے اور اس میں حقیقت کا انکشاف کیا ہے



علامہ قیامت سے متعلق احادیث

علامہ رشید رضا نے اپنی تفسیر میں قیامت کے علامہ و نشانیوں ”جیسے فتن، دجال جساہ، اور ظہور مہدی وغیرہ“ کے بارے میں احادیث ہیں ان پر تنقید کی ہے اور ان قیمتی نتائج تک پہنچے ہیں۔

① بنی کو علم غیب نہیں تھا ”قرآن میں ہے“ میں خود اپنے نفع ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر یہ کہ جو خدا چاہے، اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اچھا یاں جمع کر لیتا اور کوئی برائی مجھے چھو کر نہ جاتی میں تو ایمان لانے والوں کے لئے ڈرانے اور بشارت دینے والا ہوں اور دین کی واضح بات ہے، صرف خدا رسول کو بعض غیب سے آگاہ کر دیتا تھا، اس کی دو قسمیں ہیں ایک صریح اور دوسرے مستطلا۔

② اس میں شک نہیں ہے اکثر احادیث کی معنار وایت ہوئی ہے جیسا کہ واضح ہے اور اس پر علماء کا اتفاق ہے اور اس پر صحاح کے راویوں کا ایک مختصر حدیث کے الفاظ میں اختلاف شہاد ہے اور بعض احادیث اور لاج ہے، اس بنا پر ہر راوی اس چیز کی روایت کرتا ہے کہ جو وہ سمجھتا ہے

۱۔ تفسیر القرآن الحکیم ج ۱ ص ۵۰۲-۵۰۴،

اور اکثر اس کے سمجھنے میں خطا واقع ہوتی ہے کیونکہ یہ امود غیبی ہاتھ ہیں اور انشراپی سمجھی ہوئی بات کی اکثر الفاظ سے تفسیر کرتا ہے،

اور جب خدا نے ان غیبی امود پر رسول ص کو مطلع نہیں کیا تھا کہ جن سے رسولؐ تفصیلی طور پر مطلع تھے اور ان میں سے بعض میں اجتہاد کرتے اور سمجھ جاتے اور بعض کو قرائن سے سمجھتے تھے جیسا کہ ابن جوزی و نووی کا قول ہے کہ رسولؐ اپنے ہمصر ابن صیاد یہودی کو دجال منظر سمجھتے تھے ایسے ہی اپنے زمانہ میں اس کے ظاہر ہونے کے معتقد تھے تو کیا یہ کوئی تعجب خیز بات ہے کہ یہ حدیث میں تعارض راویوں کے اپنے فہم کے مطابق مٹا حدیث بیان کرنے کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔

اسلام سے کھیلنے والوں، مسلمانوں کو تباہ کرنے اور ان کے ملک کو برباد کرنے والے زندیق یہود، فرس اور بدعت کاروں اسی طرح علوی، اموی اور عباسی تعصب رکھنے والوں نے بہت سے احادیث وضع کیں اور بعض مروی احادیث میں اپنی طرف سے بہت سی چیزیں ملا دیں اور اکثر احادیث روایت کے تقوے اور اصلاح کے اظہار کی وجہ سے رائج ہو گئیں بعض احادیث کے جعلی ہونے کا ظلم بھی نہ ہو سکا مگر جب اس کے گزرنے والے خد سے توبہ کی اور اس کا اعتراف کیا تو معلوم ہوا۔

استاد محمد عبدہؒ فرمایا کرتے تھے: صحیح اسلام وہ تھا جس پر صد اول اور فتنے سے پہلے کے لوگ ہیں، اور بعض صحابہ و تابعین ہر مسلم سے ہلکے ہر مسلم و من و صادق سے بھاریا نہیں کرتے ہیں اور اس میں بھی فرق نہیں کرتے کہ یہ حدیث اس نے رسولؐ سے سنی تھی یا کسی اور چھاپہ ان سے ایسی حدیث نہیں ملتی کہ جس میں کسی نے کہا ہو حدیثی یا خبری عن ابی...، مجھ سے اس نے یہ حدیث یا خبر رسولؐ سے نقل کر کے بیان کی یا قال رسول اللہؐ کہا ہو جیسا کہ دے محدثین کرتے تھے یہ ثابت ہے کہ بعض صحابہ ایک دوسرے اور تابعین سے روایت کرتے تھے یہاں تک کہ ابوبہار وغیرہ سے روایت کرتے تھے،

اور اہل سنت کا یہ قاعدہ ہے کہ تمام صحابہ علول ہیں لہذا اگر ان میں سزاوی کا نام بھول گیا تو اس سے سند کی محنت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، اکثر کا یہ قاعدہ ہے نہ کہ رائج ہے، رسول کے زمانہ میں منافقین تھے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے، اعراب میں سے جو لوگ آپ کے پاس منافق ہیں اور اہل مدینہ میں سے نفاق میں پکے ہیں آپ انہیں پہچانتے ہم جانتے ہیں، یہاں لفظ مرد و اولیہ کا مطلب یہ ہے کہ نفاق کو انہوں نے محکم فولادی بنا لیا ہے، یہاں تک ان کی پیشانیوں اور باتوں سے بھی اس کا اظہار نہیں ہوتا ہے اور خدائے متعال ان میں سے بعض کے بارے میں فرمایا: اے رسول اگر ہم چاہتے تو ان کا آپ سے تعارف کر دیتے تو آپ انھیں ان کی پیشانیوں سے پہچان لیتے اور ان کی باتوں سے پہچان لیں گے، لیکن امیرہ تو کعب الاحبار وغیرہ کی روایت اور وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس سے روایت کی ہے جیسے ابو ہریرہ و ابن عباس اور پھر بڑی تفسیریں کعب اور اس کے شاگرد سے ماخوذ چیزوں سے بھری پڑی ہیں، پھر ان صحابہ میں سے بعض تدلیس کرنے والے ہیں جیسے قتادہ اور بڑے مفسرین میں سے جیسے ابن جریر یہ نصاریٰ میں سے تھے،

ہر حدیث میں یا متن کے لحاظ سے خالی ہے یا روایت کے اعتبار سے خلل ہے یا وہ خلق میں سنن ائمہ کے خلاف ہے یا اصول دین کے برعکس ہے یا اس کے قطعی نصوص حیات کے خلاف ہے، اس لئے حدیث ظن اور ہے یقینی نہیں ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں پھر اگر کوئی کسی روایت کی تصدیق کرے اور اس میں مذکورہ اشکال نہ ہوں تو اصل یہ ہے کہ وہ سچا ہے اور اگر مذکورہ اشکال میں سے کسی کو ذرا بھی شک ہو یا شبہ کرنے والوں نے اس میں شبہ کیا ہے یا شک کرنے والوں نے اسے متن میں اشکال کیا ہے تو اسے اس چیز پر عمل کرنا چاہیئے جو کہ ہم نے بیان کی ہے اور وہ آیت کو موثق نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے یہ حدیث اسرائیلیات کی ذریعہ داخل ہوئی ہو یا متناہیان کرنے میں راوی سے خطا ہوگئی ہو یا ہماری بیان کردہ چیزوں میں سے کوئی اور اس میں پائی جاتی ہو اور اگر ان میں سے کوئی چیز بھی حدیث میں نہ پائی جائے تو وہ متواتر ہے تو پھر صداقت رسول میں شبہ کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یقینی طور پر معلوم ہے اور نہ اس کے علاوہ یقینی چیزوں میں

شبہ کرنا صحیح نہیں ہے،
یہ جامع کلام ہم نے اس لئے نقل کیا ہے تاکہ تحقیق حدیث کی طرف لوگوں کی راہنمائی
ہو سکے، نہ کہ قیامت کے علائم سے متعلق احادیث کی جگہ پر اس چینر کی طرف جو کہ رسول ﷺ
کی طرف منسوب ہے،
اس فصل کو ہم بعض مناقض احادیث بیان کر کے ختم کرتے ہیں،



متناقض احادیث

مسلمان نہیں جانتے کہ کس پر عمل کریں

بخاری نے عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: میری امت کے بہترین لوگ میری صدی والے ہیں پھر ان کے بعد ولے اور ان کے بعد ولے ہیں،
عمران کہتے ہیں کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ میں آپؐ کی صدی کے بعد دو تین صدیوں کو شمار کروں پھر تمہارے بعد ولے شاید ہوں گے لیکن ان کی گواہی نہیں سنی جائے گی خیانت کریں گے امین نہیں ہوں گے انھیں ڈرا یا جائے گا لیکن وہ اسے اہمیت نہیں دیں گے،
عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: بہترین افراد میری صدی کے ہیں پھر ان کے بعد ولے ہیں پھر ان کے بعد ایک قوم آئے گی کہ ان میں سے ایک کی گواہی اس کی امانت داری پر مقدم ہوگی اور امانت داری اس کی شہادت سے سابق ہوگی،
ابن جریر عثمانی لکھتے ہیں :

صفت ابنیؑ میں یہ رسولؐ کا قول نقل ہو چکا ہے کہ مجھے نیا آدمی بہترین صدی میں مبعوث کیا گیا ہے اور احمد کے نزدیک بریدہ کا روایت میں ہے اس امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن میں مجھے

مبسوٹ کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ بعثت اور صحابہ میں سے آخری آدمی کے مرنے کے درمیان کم و بیش ایک سو بیس سال کا فاصلہ ہے اور اگر آپ کی وفات کے بعد کی مدت مراد لی جائے تو ۹۰ یا ساٹھ ستر سال ہوتے ہیں اور اگر تابعین کے زمانہ کا اعتبار دوسری صدی کے بالکل ابتداء سے کیا جائے تو اس کی مدت ستر یا اسی سال ہے اگر یہ کہا جائے کہ علامہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تابعین میں سے آخری شخص جس کی بات کو مانا جاتا ہے وہ مسیح تک زندہ رہا ہے اور اس وقت بدعتوں کا حکم کھلا ظہور ہوا، اسی زمانہ میں معتزلہ نے زبان کھولی، فلاسفوں نے سراسیمہ اور علامہ کو یہ کہنے پر مجبور کیا گیا کہ قرآن مخلوق ہے حالات بالکل ہی بدل گئے اور اس وقت سے آج تک اصلاح نہ ہو سکی اور رسول کے اس قول کی صداقت سامنے آگئی کہ پھر وہ کھٹ کھٹا جھوٹ بولیں گے یہاں تک اقوال و افعال اور معتقدات میں بھی جھوٹ شامل ہو جائے گا خدا ہی سے مدد طلب کی جاسکتی ہے،

اس حدیث کا اقتضاء یہ ہے کہ صحابہ تابعین سے افضل اور تابعین تبع تابعین سے افضل ہیں ابن عبدالبر اس حدیث سے میری امت کی مثال بارش کی سی ہے، نہیں معلوم کہ اس کا اول افضل ہے یا آخر، یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے ایسے طرق ہیں جو کہ اسے محبت کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں، ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمن بن جبر کی حدیث سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: مسیح کو ضرور ایسی اقوام ملیں گی جو تمہاری ہی مثل یا تم سے بہتر ہوں گی اور ابو داؤد و ترمذی ابویہ کی حدیث سے روایت کی ہے: ایسے دن آئیں گے جن میں غل کرنے والے کا اجر چپاس کے برابر ہو گا کہا گیا: اے اللہ کے رسول ان میں سے یا ہم سے؟

فرمایا: بلکہ تم میں سے آپ نے اس کو مثال میں بیان فرمایا: میری امت کی مثال بارش جیسی ہے، احمد و دارمی اور طبرانی نے ابو جہو کی حدیث سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: عبیدہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول یا ہم میں سے کوئی ایک افضل ہے، ہم آپ کے ساتھ اسلام لائے آپ کے ہم رکاب ہو کر جہاں کیا! فرمایا: تمہارے بعد ایک قوم آئے گی جو مجھ پر ایمان لائے گی حالانکہ اس نے مجھے نہیں دیکھا ہے، اس حدیث کی سند حسن ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار

دیلے۔

اس کے بعد ابن عبدالبر کا کلام ہے کہ ان کے کلام کا مقتضایہ ہے کہ صحابہ کے بعد کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو کہ بعض صحابہ سے افضل ہوں گے، قرطبی نے اس کی تصریح کی ہے: لیکن عبدالبر نے مطلق طور پر تمام صحابہ کے لئے نہیں کہا ہے بلکہ انہوں نے صریح طور پر بدری اور حدیبیہ والوں کو مستثنیٰ کیا ہے اس سلسلہ میں ابن حجر نے بھی بہت کچھ لکھا ہے، اس کا مطالعہ فرمائیں،

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ رسول کی صدی ہی میں بہت بڑے بڑے فتنے رونما ہوئے مثلاً فتنہ عثمان اور جو مسلمانوں پر لائیں نازل ہوئی ہیں، جیسے امویوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں اسلام میں قاعدہ شیعہ داخل کر دیا، اس صدی میں رونما ہونے والے واقعات کو تاریخ نے ثبت کیا ہے ہم انہیں بیان کر کے اپنے کلام کو طول نہیں دینا چاہتے،

اس کے لئے ہم اس صحیح حدیث کو ترجیح دیتے ہیں جو روح رسالت محمدی کے مطابق ہے اور وہ حدیث یہ ہے: میری امت کی مثال بارش کی سی ہے نہیں معلوم کہ اس میں اول افضل ہے یا آخر،

متناقض احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے جن سے کتابیں تالیف کی جاسکتی ہیں،

تدوین حدیث

تدوین قرآن

کتابت حدیث کے موضوع سے بحث کرنے سے قبل مناسب ہے کہ تاریخ جمع قرآن اور اس کی کتابت کے بارے میں مختصر بحث کی جائے اور یہ بیان کیا جائے کہ اس چیز کو رسولؐ اور آپؐ کے بعد آپؐ کے صحابہ نے اس کتاب کی کتابت کو کتنی اہمیت دی ہے اور اس کی جمع آوری اور اسکے حفظ میں کتنی جدوجہد کی ہے کہ جس سے انہوں نے اسے کا حقہ انجلم دیا یہاں تک کہ طول تاریخ میں لوگوں کے ہاتھوں میں اپنی سچی صورت میں پہنچتی رہی اور اس سے وہ ایسے صحیح تواتر کی مستحق قرار پائی کہ جس میں انسان شک نہیں کر سکتا ہے اور نہ اس میں کوئی اختلاف کر سکتا ہے اور مذہبی اختلافات کے باوجود مشرق و مغرب کے مسلمانوں نے اس یقین کامل کے ساتھ لیا ہے اور ان میں سے اس میں کسی کو شک نہیں ہے،

اگر رسولؐ نے کتابت حدیث کو اتنی ہی اہمیت دی ہوتی جتنی قرآن کی کتابت کو دی تھی اور آپؐ کے بعد صحابہ بھی اس کی کتابت کا اہتمام کرتے تو یقیناً کل احادیث رسولؐ لفظی اور معنوی تواتر کے ساتھ آتیں اور پھر اس کی صحیح، حسن، ضعیف وغیرہ کی تقسیم نہ ہوتی اور ان اسلام کا

نام نہ ہوتا جو کہ رسولؐ اور صحابہ کے زمانہ میں معروف نہیں تھے بلکہ بعد میں ایجاد کئے گئے ہیں اور اس سے حدیث کی حقیقت کے بارے میں ہونے والا اختلاف ختم ہو جاتا اور حدیث کی صحت سے بحث کا بار علماء کے کندھوں پر نہ رہتا اور نہ علوم حدیث کے موضوع کی کتاب نویسی کی ضرورت نہ ہوتی اور نہ ہی عدالت و ضبط اور جرح و تعدیل کے لحاظ سے روایت کے حالات سے بحث کی جاتی اور فقہاء دین ایک ہی راستہ پر چلتے اور اس کی اصل کے بارے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہوتا مگر فہم و ادراک میں کیونکہ سب کی کل سلیس قرآن کی طرح متواتر ہوئیں تو پھر وہ اس چیز پر عمل نہ کرتے جس کو ظن غالب کا نام دیا ہے اسی سے اختلاف کے دروازے کھلے ہیں اور مسلمانوں کی صفوں میں درار پیدا ہوتی ہے اور اسی نے امت کو اس طرح مذاہب و فرق میں تقسیم کر دیا ہے کہ آج تک وہ متحد نہیں ہو سکے ہیں اور ایسے ہی رہیں گے اور احادیث علماء نحو اور رجال لغت و بلاغت کا اہم مصادر قرار پائیں،

عہد رسولؐ میں قرآن کی کتابت کی کیا کیفیت تھی؟

جب رسولؐ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپؐ فوراً کاتبوں کو حکم دیتے تھے کہ اسے میرے نطق ہی کے ساتھ قلم بند کرو آپؐ قرآن کو یاد کرنے میں اتنا اہتمام کرتے تھے کہ وہ ایسے ہی پہونچے جیسے آپؐ پڑنا بل ہوئی ہے، آپؐ دقت سے زبان کو حرکت دیتے جب وحی حاصل کرتے تاکہ اس کا کوئی لفظ چھوٹ نہ جائے، چنانچہ بخاری وغیرہ نے اس آیت ”لا تحرك بلسانک ...“ کی تفسیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے رسولؐ تنزیل کا شدت سے اہتمام کرتے تھے اور زبان و لبوں پر اسے جاری رکھتے تاکہ کچھ چھوٹ نہ جائے آپؐ اسے حفظ کرنا چاہتے تھے خدا نے یہ آیت نازل فرمائی آپؐ غلبت میں تلاوت قرآن کیلئے زبان کو حرکت نہ دیجئے اس کے جمع کرنے اور پڑھونے کی ذمہ داری ہماری ہے اور فرماتا ہے کہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اسے آپؐ کے سینے میں جمع کریں اور پھر اسے پڑھوائیں اور اسے اس وقت

پڑھو ایس گے جب آپ پر نازل کریں گے اسی کا اتباع کرو، اسے سنو اور خاموشی کے ساتھ پھر اسکے بیان کرنے کی بھی ہماری ذمہ داری ہے یہی آپ کی زبان سے بیان کر لیں گے ..

رسول خدا اپنے اصحاب کو قرآن کے حفظ و ضبط کرنے پر ابھارتے تھے اور شب و روز اس کی تلاوت کی مداومت کی تشویق کرتے تھے اسی طرح قرآن کو نماز میں اور بغیر اسکے پڑھنے پر ابھارتے تھے اسی لئے حفاظ کی کثرت تھی اور ان میں سے بعض تو خود ہی یا رسول ص کے حکم سے نازل ہونے والی آیات کو لکھ لیا کرتے تھے، ان میں سے بعض کو تھوڑا قرآن حفظ تھا کچھ کو زیادہ حفظ تھا اور چند کو پورا قرآن حفظ تھا،

کاتبان وحی

کاتبان وحی، جیسا کہ علماء نے بیان کیا ہے، ”خلفاء اربعہ اور سعید بن العاص وغیرہ تھے اسی طرح علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ ان میں زید بن ثابت زیادہ لکھنے والے اور مشہور تھے اگرچہ مکہ میں بنی مکیلے سب سے پہلے قریش میں سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے لکھا تھا یہ بعد میں کافر ہو گیا تھا اور فتح مکہ کے روز پھر مسلمان ہو گیا تھا اور مدینہ میں سب سے پہلے ابی بن کعب اور زید بن ثابت نے لکھا تھا،

زمیر بن العولم اور جہم بن الصلت اموال صدقہ کو لکھتے اور خلیفہ کجھوروں کا تخمینہ لکھتے تھے، مغیرہ بن شعبہ اور حصین بن نمیر معاملات اور فرض وغیرہ رقم کرتے تھے،

جمع قرآن اور اس کا سبب

رسول نے فضا کی جبکہ قرآن کی چیز میں جمع نہیں تھا، عہد رسول میں سینوں میں تھا

متفرق چیزوں میں مرقوم تھا، اور جب ابو بکر خلیفہ ہوئے اور مرتدین سے گھمسان کی جنگ ہوئی تو اس میں بہت سے صحابہ قتل ہو گئے تو صحابہ کی موت سے عرکو قرآن کے ضائع ہونے کا خوف ہوا تو وہ ابو بکر کے پاس گئے اور ان سے کہا: یا مامک جنگ میں بہت سے صحابہ رسول اکرم آگئے ہیں مجھے خوف ہے کہ وہ سب ہی نہ کام آجائیں جبکہ وہ حاملان قرآن ہیں کہیں قرآن ضائع یا فراموشی کی نظر نہ ہو جائے اگر اسے جمع کر لیا جائے یا لکھ لیا جائے تو کیسا ہے؟ پہلے تو ابو بکر اس تشویش میں پڑ گئے لیکن دونوں کے تبادلہ خیال کے بعد ایک شخص کے ذریعہ زید بن ثابت کو بلوایا اور ان سے کہا: مجھے عمر نے ایک چیز کی دعوت دی میں نے انکار کر دیا تم کاتب وحی ہو اگر تم ساتھ دو تو میں تم دونوں کا اتباع کروں اسی طرح اس کام کیلئے زید بھی تیار نہ ہوئے اور کہا: اس کام کو ہم پر گئے جس کو رسولؐ نے نہ کیا؟ عمر نے کہا: اور تم اس کام کو انجام دیتے تو پھر کیا نقصان تھا؟ پس خدا نے اس کے لئے میرا سیدہ کشادہ کر دیا اُمیرِ مہاجرین ہو گئی جو عمر کی تھی، پھر پورے قرآن کو کھجور کی لکڑیوں، پتھروں، چمڑے کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کیا گیا،

اس کام کو ابو بکر نے زید کے سپرد کیا تھا کیونکہ وہ کاتبان وحی میں سے تھے اور قرآن کے حافظ تھے اور جمع کرنے میں قرآن کے متفرق صحف کو یک جا کرنا تھا تاکہ یہ صحف ایک مصحف ہو جائے،

قرآن کی جمع آوری کا ارادہ

جب قرآن کی جمع آوری اور اس کی تدوین پر اتفاق ہو گیا تو عمر لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور کہا:

جس نے رسولؐ سے قرآن کی کوئی آیت اخذ کی ہے وہ اسے پیش کرے، ابو بکر نے غرار زید سے کہا: تم دونوں مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو شخص بھی قرآن کی کوئی آیت دو گواہوں کے

ساتھ پیش کرے اسے لکھ لو اور آپ جانتے ہیں کہ کسی سے رسولؐ کی کوئی حدیث بھی اس وقت تک قبول نہیں کرتے تھے جب تک دو گواہینہیں کہتے تھے کہ ہم دونوں نے بھی یہ حدیث رسولؐ سے سنا ہے پھر انہوں نے بلالؓ کے ذمہ یہ کام کیا کہ وہ مدینہ کے اطراف میں یہ نذر کریں کہ جس کے پاس ایسا کلمہ ہو کہ پیر کتاب خدا میں سے کچھ لکھا ہو وہ اسے جامع مسجد میں لیکر آئے اور کتابوں کے سپرد کر دے۔

ابو شامہ کہتے ہیں: اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ عین وہی چیز لکھی جائے جو رسولؐ کے سامنے لکھی جا چکی تھی اس سلسلہ میں وہ صرف حفظ پر اکتفا نہیں کرتے تھے، ہاں لے سورہ توبہ کے آخری حصے کے بارے میں زید نے کہا تھا: مجھے یہ اس صورت کے علاوہ نہیں دیتا اب ہوا یعنی مکتوب نہیں ملا کیونکہ زید حفظ ہی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ مکتوب کی شرط تھی۔

ابن وحب نے اپنی موطاء میں مالک سے، ابن شہاب، ابن سالم، بن عبد اللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ابو بکرؓ نے کاغذ پر قرآن جمع کیا تھا، اس طرح ابو بکر وہ پہلے شخص ہیں جس نے صحف میں قرآن جمع کیا ہے اور یہ پہلا جمع شدہ ہے۔

یہ تھی وہ چیز جو اس مختصر کتاب میں ہم نے قرآن کی کتابت کے موضوع پر پیش کی اس کی تفصیل سے ہم نے اعراض کیا ہے اور صرف وہی چیز بیان کی ہے جو اس اہم موضوع کے بارے میں آئی ہے کہ جس کے بارے میں بہت سی روایتیں موجود ہیں، اس سلسلے میں روایات کا کلام مختلف ہے لیکن یہ ہمارا نہ مقصد ہے اور نہ موضوع ہے،

تو قاری یہ چاہتا ہے کہ ان تمام چیزوں سے واقف ہو جائے جو کہ اس سلسلہ میں بیان ہوئی ہیں تو وہ سب سوطی کی کتاب الاتقان، جزائری کی کتاب التبیان، اور علامہ محقق سید ابوالقاسم الموسوی الخوئی کی البیان فی تفسیر القرآن کے جزو اول کا مطالعہ کریں،

اس اہم موضوع کو صرف یہی کتاب واضح کر دے گی کیونکہ جلیل القدر مؤلف نے کما حقہ تحقیق کی ہے اور تفصیلی طور پر بحث کی ہے، دوسری کئی ایسی کتاب نہیں ملے گی ہر سال کیلئے اس کا مطالعہ

ضروری ہے تاکہ اس سے علم و معرفت حاصل ہو سکے ،

ایک عجیب بات جو حیرت انگیز ہے

نہایت عجیب امور میں سے ایک جو کہ حیرت انگیز ہے وہ یہ بات ہے کہ جن لوگوں کے سپرد قرآن کی جمع آوری اور اس کی کتابت کا کام کیا گیا تھا ان کے ساتھ علامہ نے علی رضی اللہ عنہ کا نام عہد ابوبکر و عہد عثمان میں ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ان لوگوں کا نام بیان کیا ہے جو کہ علم و فقہ میں آپ کے کہیں پیچھے تھے، تو کیا اس سلسلے میں علیؑ کوئی نیک کام انجام نہیں دے سکتے تھے؟ یا ان پر اعتماد نہیں تھا؟ یا علم ان لوگوں میں سے تھے جن سے مشورہ کرنا یا اس کام میں شریک کرنا صحیح نہیں تھا؟

عقل و منطق تو اس بات کا اقتضا کرتی ہیں کہ سب سے پہلے یہ ہم حضرت علیؑ کے سپرد کی جاتی اس میں شریک ہونے والوں میں آپ سب سے اعظم تھے اس لئے کہ آپ ایسے صفات کے حامل تھے کہ جو صحابہ میں سے کسی کو میسر نہیں ہوئے تھے، رسولؐ نے اپنی آنکھوں کے سامنے آپ کی تربیت کی تھی اور طویل زمانہ تک آپ کے سایہ عاطفت میں رہے اور وحی اول روز سے اس کا سلسلہ ختم ہونے تک کو آپ نے مشاہدہ کیا ہے اور ان سے کوئی آیت نہیں چھوٹی ہے، جب اس اہم کام کی انھیں دعوت نہیں دی جائے تو پھر کسے دی جائے گی؟

دوبارہ عہد عثمان میں

جو مصحف عہد ابوبکر میں لکھا گیا تھا وہ ان ہی کے پاس رہا اور جب انہوں نے اپنی راہ لی تو پھر عمرؓ کی خلافت تک ان کے پاس رہا، مرنے سے پہلے انہوں نے اپنی بیٹی حفصہ کے سپرد کر دیا، ان سے

عثمان نے طلب کیا تاکہ اس سے ان مصاحف کی تطبیق کی جائے جو ان کے عہد میں لکھے گئے تھے،

عہد عثمان میں قرآن کی کتابت

عمر کا انتقال ہوا اور عثمان کے ہاتھ میں خلافت کی باگ ڈور آئی اور مسلمانوں کے امر میں انقلاب پیدا ہو گیا، یہاں تک قرأت قرآن میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہو گیا، ابن ابی داؤد نے اپنی قلابہ سے مصاحف میں روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: عہد عثمان میں ایک معلم ایک شخص کی قرأت کی تعلیم دیتا تو دوسرا دوسرے کی قرأت سکھاتا تھا ایک مرتبہ دو غلاموں میں آپس میں ملاقات ہوئی ان کے درمیان قرأت کے سلسلے میں اختلاف ہو گیا تو وہ معلمین کے پاس گئے انہوں نے ایک دوسرے کو کافر کہنا شروع کر دیا، قضیہ کی عثمان کو خبر ملی تو انہوں نے خطبہ دیتے ہوئے کہا: تم میرے پاس رہ کر اختلاف کرتے ہو تو دور دراز کے شہروں میں اور زیادہ اختلاف ہوگا، بخاری نے اس سے روایت کی ہے کہ حذیفہ بن یمان عثمان کے پاس پہنچے یہ اہل شام کے ساتھ آرمینہ کو فتح کرنے اور اہل عراق کے ساتھ آذربائیجان کو فتح کرنے کے لئے جنگ کر رہے تھے، حذیفہ قرأت میں ان کے اختلاف سے ڈرے اور عثمان سے کہا: اے امیر المؤمنین اس امت کی خبر لیجئے قبل اس کے کہ وہ یہود و نصاریٰ کی مانند کتاب میں اختلاف کرے، حذیفہ نے یہ بیان کیا کہ میں نے حص کے لوگوں کو دیکھا ہے وہ گمان یہ کرتے ہیں کہ ان کی قرأت دوسروں سے بہتر ہے اور انہوں نے مقدار سے قرآن لیا ہے اور میں نے اہل دمشق کو دیکھا ہے ان کا خیال ہے کہ ان کی قرأت دوسروں سے بہتر ہے وہ ابی بن کعب کی قرأت کے مطابق پڑھتے ہیں، میں نے اہل کوفہ کو دیکھا ہے وہ بھی ایسی ہی بات کہتے ہیں وہ ابو موسیٰ کی قرأت کے مطابق پڑھتے ہیں اور ان کے مصحف کو، باب القلوب، کہتے ہیں، اور عمارہ بن غزیہ کی روایت میں ہے جس کو ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے

حذیفہ غزوہ سے نوٹے تو اپنے گھر جانے سے قبل عثمان کے پاس پہنچے اور کہا: اے امیر المؤمنین لوگوں کی خبر لیجئے کہا: کیا ہوا؟ حذیفہ نے کہا: میں آرمینہ کی جنگ میں تھا وہاں شام واپس آئے ابی بن کعب کی قرائت کے مطابق ”قرآن“ پڑھ رہے تھے اس طرح کہ اہل عراق اس سے قن نہیں ہیں اور اہل عراق عبداللہ ابن مسعود کی قرائت پڑھتے ہیں اور اس طرح کہ اہل شام نے وہ چیز سنی بھی نہیں ہے اس سے ایک دوسرے کوافرگردانتے ہیں، جب پورے قضیہ کی عثمان کو خبر ملی اور انہوں نے حالات بگڑتے دیکھے تو ایک شخص کو حصہ بنت عمر کے پاس بھیجا اور کہلوا یا کہ ہمارے پاس صحف بھیج دو ہم مختلف مصاحف میں اس کی نسخہ برداری کریں گے اسکے بعد واپس آپ کے پاس بھیج دیں گے، چنانچہ حصہ نے ان کے پاس بھیج دیا، عثمان نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمن بن الحارث بن ہشلم نے مصاحف میں اس کی نسخہ برداری کی اور عثمان نے قریش کے تین قبیلوں سے کہا جب تمہارے اور زید بن ثابت کے درمیان قرآن کی کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو اسے قریش کی زبان میں تحریر کرنا کیونکہ قرآن ان ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جب قرآن کے وہ متعدد نسخے تیار کر چکے تو عثمان نے وہ مصحف حصہ کو بٹا دیا اور ان میں سے ہر جگہ ایک ایک مصحف بھیج دیا اور یہ حکم دیدیا کہ اس مصحف کے علاوہ ہر صحیفہ و مصحف کو جلا دیا جائے، حافظ ابن جریر لکھتے ہیں کہ یہ کام ۲۳ھ کے اواخر یا ۲۵ھ کے اوائل میں انجام پایا تھا،

ابوبکر و عثمان کے جمع کرنے میں فرق

ابن ابی بنیہ وغیرہ کا قول ہے: ابوبکر و عثمان کے جمع کردہ میں ایک فرق ہے، ابوبکر نے اس خوف سے جمع کیا تھا کہ کہیں حافظوں کے ضائع ہونے سے قرآن ضائع نہ ہو جائے کیونکہ وہ ایک جگہ جمع نہیں تھا جسے رسولؐ نے انھیں تعلیم دیا تھا اسکے مطابق ابوبکر نے اس کے سورتوں کی آیات

کو مصاحف میں جمع کیا اور عثمانؓ اس وقت جمع کیا تھا جب قرأت کے سلسلہ میں اختلاف کی کثرت ہو گئی تھی اور ہر ایک اپنی اپنی زبان میں پڑھنے لگا تھا، اس سے ایک دوسرے کو خطا وار ٹھہرانے لگے تھے، انہیں تشویش لاحق ہوئی مگر کہیں اس سلسلے میں بات نہ بڑھ جائے لہذا انہوں نے ان مصاحف کو ایک مصحف میں لکھ دیا جس میں اس کے تمام سودے جمع کئے اور تمام زبانوں کی قریش کی زبان میں سمیٹ دیا اس دلیل کے ساتھ کہ قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا ہے، اگرچہ پہلے اس کی قریش کی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں قرأت ہوتی تھی اس کا سبب یہ تھا کہ ابتدائے امر میں مسرور حرج پیش نہ آئے عثمان نے سوچا اب اس کی ضرورت نہیں ہے لہذا ایک زبان محدود کر دیا،

عثمان نے دنیا بھر میں کتنے مصاحف بھیجے

ان مصاحف کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے جن کے لکھنے کا عثمان نے حکم دیا تھا مشہور یہ ہے کہ وہ پانچ تھے ان میں سے چار دوسرے شہروں میں بھیج دئے تھے اور ایک اپنے پاس رکھ لیا تھا،

یہ اس کا لب لباب ہے جو کہ ہم نے اس بحث سے متعلق جمع کیا ہے، یہاں پیش کرنا ہم نے مناسب سمجھا ہو سکتا ہے خدائے متعال اس بحث کی نشرو اشاعت کے اسباب فراہم کر دے کہ جو کہ ہم نے اس اہم سے متعلق الگ کتاب کے فراہم کیا ہے، مسلمان خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھائیں،

لمحہ بھر

یہاں میں لمحہ بھر کے لئے ٹھہر کر اس حیرت کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جو کہ

بحث میں نقل ہونے والی احادیث اور ان کے بے پناہ تناقض سے مجھ پر طاری ہوئی ہے، ایک خبر میں ہے: اس جمع کے سلسلے میں عمر نے ابوبکر سے درخواست کی تھی، دوسری خبر میں ہے: قرآن عہد ابوبکر میں جمع نہیں ہوا بلکہ یہ کام عمر نے انجام دیا ہے، تیسری روایت میں ہے: عمر قرآن کے جمع ہونے سے پہلے ہی قتل ہو گئے تھے، عثمان نے اس کام کو تکمیل تک پہنچایا ہے اور بہت سی احادیث ہیں جن میں یہ تناقض موجود ہے یہاں ان کے نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اگر ہم ان مشہور احادیث کو نقل کرتے ہیں جن کو بخاری نے نقل کیا ہے جن کا مفہوم یہ ہے کہ جمع قرآن کے لئے عرس اس وقت گھمٹا ہوا ابوبکر کے پاس گئے جب انہوں نے پیام کی جنگ میں قتل و خونریزی دیکھی، اس میں سیکڑوں حافظان قرآن مجاہد قتل ہو گئے تھے اور اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو قرآن ضائع اور فراموش ہو جائے گا۔

اگر ہم اس خبر کو لیتے تو اس سے یہ واضح ہوتا کہ اس عہد میں صرف صحابہ حافظ قرآن تھے اگر وہ مرجئے یا قتل ہو جاتے تو قرآن ضائع اور فراموش ہو جاتا کوئی دوسرا ایسا ذریعہ نہیں تھا جس سے طول تاریخ میں قرآن کی حفاظت کی جاسکتی کیونکہ صحابہ ہی اس کا مادہ و کاتب تھے، اس سے قبل علماء نے مؤثق احادیث میں یہ بیان کیا ہے جس سے عقل مطمئن ہوتی ہے اور علم اس کی تائید کرتا ہے اور وہ یہ کہ رسول قرآن کی ہر آیت کو اس کے نزول ہی کے وقت چڑے کے گڑے پتھر اور درخت کی پھال وغیرہ پر لکھ لیتے تھے اس کام کے لئے آپ نے کاتب مقرر کئے تھے کہ جن کے اسماء تاریخ میں محفوظ ہیں تو رسول کا جمع کیا ہوا وہ نسخہ کہاں گیا کہ جس میں کوئی شک نہیں کر سکتا اور نہ انسان کو شبہ ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اس کی حفاظت کی خدانے اپنے اس کلام میں ذمہ داری لی ہے

» انا نحن نزلنا الذکر وانا نحن نعتون « اور خدا کے اس قول میں » ان علینا جمہ وقرآنہ «

یہ قیمتی نسخہ جو کہ قرآن کی صحیح و حقیقی تصویر کا حامل ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا اگر موجود ہوتا تو وہ اس سے مستغنی ہو جاتے جو کہ مشقت کے بعد حاصل ہوا تھا اور ہر زمانہ اور شہر میں وہی نسخہ قرآن کا مرجع اول ہوتا، عثمان کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے لکھوائے ہوئے مصاحف کو

شہروں میں تقسیم کرنے سے پہلے اس نسخہ سے مطابقت کرتے، انہوں نے قرآن مجید کی کتابت اور حفظ میں اتنی زیادہ تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، کہ کوئی اس میں شک نہیں کر سکتا ہے اور نہ کسی کے دل میں شبہ پیدا ہو سکتا ہے لیکن اس کے باوجود اس عظیم امر کے بارے میں چند چیزیں پیدا ہوئیں کہ جنکو انہوں نے مشکلات کا نام دیا ہے ہم یہاں ان میں بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں تاکہ کوئی یہ اعتراض نہ کر سکے کہ ہم نے کسی چیز سے غفلت کی ہے کہ روایت وغیرہ میں سے جس کا جاننا ہماری کتاب کے قارئین کیلئے ضروری تھا کیونکہ ہر جگہ نئی نعلبہ کا اثر ہے،

علامہ طاہر الخازنی اپنی کتاب "التیان" میں تو اتر قرآن ضروری ہونے اور اس سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، یہاں تو اتر قرآن کے ضروری ہونے کے بارے میں چند مشکلیں ہیں ہم یہاں انہیں ان کے جواب کے ساتھ سپرد قلم کر رہے ہیں،

پہلی مشکل

ابن مسعود سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ سورہ فاتحہ اور معوذتین کا انکار کرتے تھے اسی کے ساتھ اس کے ان سے نقل ہونے کی بہت سے علامتیں تردید کی ہیں، نووی شرح مہذب میں لکھتے ہیں: مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ معوذتین اور فاتحہ قرآن کا جز ہیں اور جو ان کا منکر ہے وہ کافر ہے اور ابن مسعود سے نقل ہونے والا قول باطل ہے، صحیح نہیں ہے، ابن حزم اپنی کتاب "کتاب الفتح المعلى" میں لکھتے ہیں یہ ابن مسعود پر جھوٹ باندھا گیا، جھٹی ہے، ان سے قرأت عام صحیح طور پر نقل ہوئی ہے اور اس قرأت میں معوذتین موجود ہیں، شرح بخاری میں ابن حجر لکھتے ہیں: ابن مسعود سے صحیح طور پر اس کی تردید نقل ہوئی ہے

احمد اور ابن حیان نے ان سے روایت کی ہے کہ وہ معوذتین کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے پھر اس سلسلہ کی ان تمام روایات کو نقل کرنے کے بعد کہ جن کا مفہوم یہ ہے کہ ابن مسعود اپنے مصاحف میں معوذتین لکھتے ہیں جس نے یہ کہا ہے کہ یہ ابن مسعود پر جھوٹ باندھا گیا ہے تو یہ باطل ہے اور ان صحیح روایات پر اعتراض کیا ہے جو مستند نہیں ہے اور کہا ہے کہ وہ قابل قبول نہیں ہیں، مشکل قرآن میں ابن قتیبہ لکھتے ہیں: ابن مسعود کا گمان ہے کہ معوذتین قرآن کا جز نہیں ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ کو دکھا تھا کہ رسول اللہ ان کا حسین کے لئے تعویذ بناتے تھے، سودہ اپنے ظن ہی پر قائم رہے، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس سلسلے میں واقع تک پہنچ گئے تھے اور مہاجرین انصار سے غلطی ہوئی تھی، وہی یہ بات کہ انہوں نے اپنے مصحف میں انہیں نقل نہیں کیا ہے تو یہ ان کے گمان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ "معوذتین" معاذ اللہ قرآن نہیں ہیں، لیکن ان کا یہ مسلک ہے کہ شکر و نسیان اور کئی زیادتی کے خوف سے قرآن دو تختوں کے درمیان لکھا اور جمع کیا گیا تھا اور انکا یہ خیال ہے کہ پورا قرآن سورہ حمد میں سمٹا ہوا ہے اور سورہ حمد کا سیکھنا ہر شخص پر واجب ہے، لیکن ابن مسعود کے بارے میں ابی بن کعب سے جو یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے مصحف میں "الخلع والنخذ" نام کے دوسرے مزید لکھ رکھے تھے اور ان ہی کو قنوت میں پڑھتے تھے اس سے شکل کھڑی ہوتی ہے اور وہ یہ ہیں اللھم انا نستعینک ونستغفرک ونشئ علیک الخیر ولا نکفرک ونخلع ونشترک من یفجرک، اللھم ایاک نعبد و ایاک نستعین ونسجد و ایاک نسعی ونخذ نخشی عذابک و نرجو رحمتک ان عذابک بالکفار ملحق "۔

قاضی نے "الانتصار" میں اس کا ذکر کیا ہے: کہتے ہیں:

جو قنوت مردی ہے: اسے ابی بن کعب نے اپنے مصحف میں لکھا ہے لیکن اس کے قرآن ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ وہ ایک قسم کی دعا ہے، اور اگر وہ قرآن ہوتا تو قرآن کی طریقہ سے نقل ہوتا اور اس کے صحیح ہونے کا علم حاصل ہوتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس قنوت کا بعض حصہ قرآن رہا ہو پھر نسخہ ہو گیا ہو اور دعا کیلئے مباح کر دیا گیا ہو اور اس کلام میں مخلوط ہو گیا ہو جو قرآن نہیں ہے،

ابن ابی کعب سے مروی ہے کہ یہ انہوں نے اپنے مصحف میں لکھا ہے اور اپنے اس مصحف میں کبھی وہ قرآن کے علاوہ دعا اور تاول قرآن لکھتے تھے،

دوسری مشکل

زید بن ثابت سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے مصحف میں جمع قرآن کے بارے میں کہا: سب سے پہلے عہدِ بوکر میں قرآن کی جمع آوری کی گئی، میں نے قرآن کا تتبع کیا، اسے ٹکڑوں، کثاف درخت کی چھالوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کیا یہاں تک کہ اگر مجھے سورہ توبہ کی دو آیتیں ابلی خذیمہ کے پاس ملیں تو ان کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں ملیں تھیں۔ "قد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم" ان ہی سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: "جب ہم نے قرآن کو مختلف نسخوں میں لکھا تو سورہ احزاب کی ایک آیت نہ ملی جس کی میں نے رسول کو تلاوت کرتے ہوئے سنا تھا۔ وہ کسی کے پاس نہ مل سکی مگر خذیمہ انصاری کے پاس مل گئی کہ جن کی شہادت کو رسول نے دو آدمیوں کی شہادت "گوہی" کے برابر قرار دیا ہے۔ "من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ" یہ واقعہ دوسری بار جمع کرنے کا ہے جو کہ عہدِ عثمان میں انجام پایا تھا، اگرچہ تسکین کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں مذکورہ خبر اگرچہ صحیحین میں نقل ہوئی ہے لیکن صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا اقتضاء یہ ہے کہ مذکورہ تینوں آیات بغیر تواتر کے ثابت ہوئی ہیں اور یہ مذکورہ دلیل کے اقتضاء کے خلاف ہے، بعض کہتے ہیں مذکورہ خبر کا اقتضاء یہ نہیں ہے کہ مذکورہ بغیر تواتر کے ثابت ہوئی ہیں، ممکن ہے زید نے اپنے اس کلام "کہ میرے غلام کے علاوہ دوسرے کے پاس نہیں پائی ہیں" سے یہ مراد لی ہو کہ میں نے کسی اور کے پاس مکتوب صورت میں نہیں پائی ہیں اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ آیات کسی اور کے حافط میں بھی نہیں تھیں بعض کا قول ہے کہ مذکورہ دلیل کا مفہوم صرف یہ ہے کہ قرآن علم اور طریقہ سے نقل ہوا ہے اور علم کبھی تواتر کے بغیر بھی حاصل ہو جاتا ہے کبھی اخبار آحاد سے بھی علم حاصل ہوتا

ہے یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ خبر کے ساتھ مفید علم قرآن ہوں، اس بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں: بعید نہیں ہے کہ قرآن تو اتر کے بغیر بھی نقل ہوا ہو جیسا کہ مذکورین آیات نقل ہوئی ہیں کیونکہ اصل مقصد علم کا حصول ہے خواہ وہ کسی طریقہ سے ہو اور وہ مذکورہ پہلے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، یہ قول قوی اوستین ہے اس پر ایسا کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا ہے جو کہ افراط و تفریط کرنے والے پر ہوتا ہے،

تیسری شکل

بخاری نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے اس بن مالک سے پوچھا: عہد رسول میں کس شخص نے قرآن مجید جمع کیا تھا؟ کہا چار اشخاص اور ابو زید نے، ابی بن کعب، ہمام بن حیل، زید بن ثابت نے اور وہ چاروں انصار میں سے تھے، میں نے معلوم کیا کہ ابو زید کون ہے؟ کہا: احمد اور ثابت کے طریق سے اس سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: رسولؐ نے وفات پائی تو اس وقت صرف چار اشخاص، ابوذر دار، معاذ بن حیل، زید بن ثابت اور ابو زید، نے قرآن جمع کیا، اس سے قتادہ کی حدیث کی دو طرح سے مخالفت ہوتی ہے، ایک تو صریح طور پر قرآن کی جمع آوری کے کام کو چار اشخاص میں منحصر کیا گیا ہے اور دوسرے ابی بن کعب کی جگہ ابوذر دار کا نام ہے اور ائمہ کی ایک جماعت نے حصر کا انکار کیا ہے، اور مازری کہتے ہیں: اس کے قول کا لازم یہ نہیں ہے کہ قرآن کو صرف ان چار آدمیوں کے علاوہ کسی نے جمع نہیں کیا ہے، ممکن ہے حقیقت میں ایسا ہی ہو لیکن اس کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ ان چار کے علاوہ کسی نے قرآن جمع کیا ہو ورنہ محابہ کی اتنی کثرت اور شہروں میں ان کے متفرق ہونے کے ساتھ جمع کرنے والوں کا کیسے احصاء کیا جاسکتا ہے یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب کسی نے ہر ایک سے انفرادی طور پر ملاقات کی ہو اور ہر ایک نے اسے یہ بتایا ہو کہ اس نے عہد رسولؐ میں مکمل طور پر قرآن نہیں جمع کیا تھا، ماڈنا ایسا نہیں ہوتا ہے۔

نسائی نے صحیح سند کے ذریعہ عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں نے قرآن جمع کیا، اور شہب اس کی تلاوت کرتا تھا، رسول کو اس کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا: ہر مہینے میں اس کی تلاوت کیا کرو،

ابن ابی داؤد نے سند حسن کے ذریعہ محمد بن کعب انقرطی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول کے عہد میں انصار میں سے پانچ اشخاص، معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، بلال بن کعب ابو درداء اور ابو ایوب انصاری نے قرآن جمع کیا تھا،

اسماعیلی نے انس کی دونوں حدیثوں پر جو کہ مختلف ہونے کے باوجود صحیح ہیں، ابن ابی افرہنہ کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں مختلف ہیں، متباین ہونے کے باوجود صحیح نہیں ہو سکتی ہیں بلکہ ان میں سے ایک صحیح ہے، بہنقی کا مقیدہ ہے کہ ابو درداء کے بجائے ابی بن کعب صحیح ہے، داؤدی کہتے ہیں: میں نے ابو داؤد کا ذکر نہیں دیکھا ہے پہلی روایت صحیح ہے دوسری روایت روات نے منہا نقل کی ہے، اور اس میں تو ہم سے حصر کا اضافہ کیا ہے اور اسماء بھول گئے لہذا ابی بن کعب کے نام کو ابی درداء کے نام سے بدل دیا، جو شخص بالمنی روایت میں غور کرے گا وہ اسے بعید نہیں سمجھے گا، روایت کا اثر ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ خطرناک منزل تک پہنچتا ہے یہاں تک آپ یہ سمجھیں گے کہ قرآن میں نقص اور اعراب کی غلطی ہے جیسا کہ سنت کی کتابوں میں نقل ہوا ہے اگر ہم چاہیں تو ان سب کو یہاں پیش کرتے لیکن اس سے بحث طویل ہو جائے گی لیکن انہوں نے قرآن میں نقص کے سلسلے میں جو کچھ کہا ہے اس سے ہم دو مثالیں نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں اور انہیں ہم سنت کی عام کتب سے نقل نہیں کی ہیں بلکہ بخاری و مسلم نے ان کی روایت کی ہے،

بخاری وغیرہ نے عمر بن خطاب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے منبر سے کہا: بے شک اللہ نے محمد کو حق کے ساتھ نبی مبعوث کیا اور ان پر کتاب نازل کی اس میں آیت رجم بھی نازل کی تھی اور آنحضرتؐ نے یہیں بڑھائی سمجھائی اور حفظ کرائی تھی، رسولؐ رجم کرتے تھے اور آپؐ کے بعد ہم بھی رجم کرتے تھے، مجھے ڈر ہے کہ اگر زیادہ زمانہ گزر گیا تو کہیں کوئی یہ نہ کہے: ہم نے تو قرآن میں

آیت رجم نہیں دیکھی اور اس طرح خدا کے نازل کردہ فریضہ سے گمراہ ہو جائے اور کتاب خدا کی رو سے مرد و عورتوں میں سے جو بھی زنا کرے اسے سنگسار کرنا واجب ہے، اس کے بعد ہم اس چیمبر کو پڑھتے تھے جو کہ کتاب خدا میں پڑھی جاتی ہے، اپنے آباد سے اعراض نہ کرو کیونکہ تمہیں اپنے آباد سے اعراض کرنے سے منع کیا گیا ہے،

مسلم نے ابو الاسود سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ابو موسیٰ اشعری کو اہل بصرہ کے قاریوں کے پاس بھیجا گیا تو ان کے پاس تین سو قاریوں نے قرآن کی تلاوت کی، ابو موسیٰ نے کہا: تم اہل بصرہ کے بہترین افراد اور ان کے قاری ہو، تمہیں بھی امید فریب نہ دیں کہ تمہارے قلوب ایسے ہی سخت ہو جائیں گے جیسے تم سے پہلے والوں کے ہو گئے تھے، ہم لیک سورہ پڑھا کرتے تھے جسے طول اور شدت میں ہم سورہ توبہ سے تشبیہ دیا کرتے تھے، ہم نے اسے بھلا دیا مگر یہ کہ اس کا کچھ حصہ یاد رہ گیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: اگر ابن آدم کے لئے مال کی دو دیوا ہوتی تو وہ تیسری دلوں کی حرص کرتا، ابن آدم کا پیٹ نہیں بھرتا مگر خاک سے اسی طرح ایک اور سورہ کی تلاوت کرتے اور اسے سجات میں کسی سورہ سے تشبیہ دیتے تھے اسے بھی ہم نے فراموش کر دیا مگر یہ یاد رہ گیا ہے: یا ایہذا الذین آمنوا لم تقولون مالا تفعلون، فکم کتب شہادۃ فی امتنا فکم فتننا لئن عننا لولم اقیامتہ

روز قیامت اس کے بارے میں پوچھا جائے گا جو ہم نے بیان کیا ہے، اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ روایت کے تغافل کو سمجھنے کیلئے کافی ہے یہاں تک کہ اس نے کتاب اول کتاب خدا میں بھی اپنا اثر دکھایا ہے، ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی ہے کہ روایت جو کہ قرآن میں نقص کو بیان کرتی ہے اور اسے مطاعن بیان کرتی ہے جبکہ خداوند عالم کا قول ہے، انا نحن نزلنا الذکر و انا نحن فاعلون ... ہم دونوں میں سے کسے صحیح تسلیم کریں؟

یہ عجیب چیز ہے ضروری ہے کہ صاحبان عقل اس میں غور کریں،

تدوین حدیث

تدوین حدیث کی کیفیت

ابتداء میں جب انہوں نے تدوین حدیث کا کام شروع کیا تو اسے اسی صورت پر تدوین کیا جس میں ان تک پہنچی تھی، ان میں سے ہر ایک نے اسے جمع کیا جو کہ روایت نے اسلئے کے ساتھ جمع کیا تھا، اسکے بعد ان روایت کے حالات کی تحقیق کی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کس کی روایت قبول اور کس کی رد کی جائے،

اگرچہ اس سلسلے میں انہوں نے بہت جاں فشانی کی تھی لیکن اصلی غرض تک نہیں پہنچ سکے اور نہ اس منزل یقین پر فائز ہو سکے کہ جس سے نفس کو سکون اور دل کو یہ اطمینان مل جائے اور اس سلسلے میں تک کی گنجائش نہ رہے کہ انہوں نے جو چیز تدوین کی ہے وہ وہی ہے جو رسولؐ نے فرمایا تھا، اور پھر وہ نفوس کے اندر چھپی ہوئی باتوں اور اس کے باطن کو کیسے دیکھ سکتے تھے کہ جس سے اس کی حقیقت سے مطلع ہو جاتے،

اسی لئے ان کی تمام کتابوں میں وہ چیزیں منقول ہوئی ہیں کہ جنہیں رسولؐ کی متواتر و معتبر حدیث کہا جاسکے بلکہ اس کے برعکس ایسی حدیث بھی نظر آتی ہے جو کہ روایت کی نظر میں صحیح ہے اور موضوع

صحابہ رسولؐ کے سنن کو مصحف میں جمع کرتے تھے جیسا کہ قرآن جمع کیا ہے کیونکہ سنن کی اشاعت ہوئی اور اس کا صحیح حصہ غلط حصے کی بہ نسبت مخفی رہا، چنانچہ اس کے اہل نے اس کے نقل کرنے کو اس کے حفظ کرنے والوں پر چھوڑ دیا اور قرآن کو اس طرح انہوں نے نہیں چھوڑا جتنا اس کے الفاظ کمی و زیادتی سے محفوظ نہیں ہیں جیسا کہ خدا نے اپنی کتاب اس بدیع نظم کے ذریعہ محفوظ رکھا کہ جس نے مخلوق کو اس کا جواب لانے سے عاجز کر دیا، چنانچہ قرآن کی جمع آوری میں ان کا جماع ہے اور سنن کے حروف اور ہجو ہجو رسولؐ کے کلام کے نقل کرنے کے سلسلے میں ان کے درمیان اختلاف ہے لہذا جو چیز ان کے درمیان مختلف فیہ ہے اس کی تدوین صحیح نہیں ہوئی،

ایسے ہی روایت حدیث کا سلسلہ جاری رہا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے حافظ نے اس سلسلے میں جو کمر دارا کیا ہے وہ کیا صحابہ کے پورے زمانہ میں اور تابعین کے ابتدائی عہد میں نہ حدیث لکھی گئی اور نہ اس کی تدوین ہوئی اور تابعین کے آخری زمانہ میں ”جیسا کہ علماء کا قول ہے“ اس کی تدوین ہوئی، ہر وہی لکھتے ہیں صحابہ حدیث لکھتے تھے نہ تابعین وہ اسے نفی طور پر بیان کرتے اور حافظ سے حاصل کرتے تھے مگر کتاب الصدقات اور وہ مختصر چیز سے محقق انتہائی تحقیق کے بعد واقف ہوتا ہے کہ علماء کی تیزی سے موت حدیث کے فقدان کا خوف ہوا تو عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر حزی کو حکم دیا اور لکھا: تمہیں جو حدیث یا سنت ملے اسے قلم بند کرو،

مالک موطا میں فرماتے ہیں: عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو لکھا: دیکھو! تمہیں جو بھی رسولؐ کی حدیث و سنن ملے اسے میرے لئے قلم بند کرو کہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کی موت کا خوف ہے اور انھیں ”ابوبکر کو“ تاکید کی میرے لئے وہ سب کچھ لکھ لینا جو کہ عمرہ بنت عبدالرحمن انصاری ”یہ عائشہ اور قاسم بن محمد بن ابی بکر کی شاگرد تھی“ کے پاس ہے،

عمر بن عبد العزیز کی حکومت کا زمانہ، پہلی صدی ہجری کے بالکل آخر میں تھا، خیال کیا جاتا ہے کہ جب عمر بن عبد العزیز کا انتقال ہوا تو ابن حزم نے کتابت حدیث سے دست کشی اختیار کر لی تھی خصوصاً جب عمر بن عبد العزیز کے بعد اسلحہ میں یزید بن عبد الملک ولی بنا اور انہیں معزول کر دیا تو اس وقت ابو بکر ابن حزم خود اور ان کے ساتھ لکھنے والے اس کام سے منصرف ہو گئے تھے اور تدوین حدیث کی تحریک میں ہشام بن عبد الملک کے خلیفہ بنے ۵۰ھ تک میں سستی اور ٹھہراؤ آگیا، پھر اس سلسلے میں ابن شہاب الزہری، بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھیں تدوین حدیث پر مجبور کیا گیا کیونکہ وہ حدیث لکھنے سے کراہیت کرتے تھے ”بعد میں واضح ہو جائیگا“، لیکن یہ کراہت نہ صرف دیر پا ثابت ہوئی بلکہ رضا میں بدل گئی اور ابن شہاب ہشام کا مقرب ترین آدمی بن گیا اسکے ساتھ حج کیا اور ہشام انھیں اپنے بچوں کا معلم مقرر کر دیا یہاں تک ہشام سے ایک سال قبل انتقال کیا اور ہشام نے ۱۱۵ھ میں دنیا سے کوچ کیا، اس کی موت سے بنی امیہ کی خلافت کی چوبیس ہل گئیں اور اس میں زلزل پیدا ہو گیا۔

اس کے بعد تدوین کا کام زہری کے بعد ولے طبقہ نے عباسیوں کی ترغیب سے شروع

کیا:

ابن شہاب زہری کو حدیث کا پہلا تدوین کرنے والا قرار دیا گیا ہے اس کا سبب شاید

یہ ہے کہ اس سے بنی امیہ نے کام لیا تھا،

تذکرۃ الجہانہ میں آیا ہے کہ خالد بن معدان الحمصی نے ستر صحابہ سے ملاقات کی وہ حدیث

لکھتے تھے اور ان کی بہت سی تصنیفات ہیں لیکن حدیث کی کتابوں میں ان تصنیفات کا ذکر نہیں ہے ابن

معدان نے ۱۱۵ھ میں انتقال کیا،

حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے؟ جب یہ معلوم ہو چکا کہ صحابہ اور ان کے

بعد ولے طبقہ، تابعین کے زمانہ میں آثار رسول مکتوبوں میں مدون نہیں تھے اور نہ مرتب تھے کیونکہ انھیں آثار نویسی سے منع کیا گیا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں مرقوم ہے پھر تابعین کے آخری زمانہ

میں آئندہ بنی ہوئی تدوین اور احادیث کے باب باب کرنے کی تحریک شروع کی جبکہ اس وقت علماء شہروں میں پھیل چکے تھے اور خوارج و روافض کی بدعتیں شروع ہو چکی تھیں...

بخاری اور ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

رسول کے کسی بھی صحابی کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد نہیں ہیں مگر عبداللہ بن عمرو کو مجھ سے زیادہ یاد ہیں کہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا، لیکن صحیفہ میں پانی جانے والی حدیثوں کو حدیثین تسلیم نہیں کرتے اور نہ انھیں صحیح روایت کا عالم مانتے ہیں مگر یہ کہ انہوں نے یہ حدیث کی ہو کہ انہوں نے اس کے بیان کرنے والے سے یہ سنا ہے، محدثین اسے وجاہد کہتے ہیں،

علامہ شیخ مصطفیٰ عبدالرزاق: جس چیز نے تدوین حدیث کی ضرورت کا احساس پیدا کیا وہ حدیث کی روایت کا عام ہونا اور بعض راویوں کا کم ثقہ ہونا اور رسول سے نقل ہونے والی حدیث میں مذہبی اور سیاسی اسباب کی بنا پر جھوٹ شامل ہو جانا تھا، لیکن سنن کی پہلی تدوین صحیح معنی میں سلسلہ اولہ سلسلہ ہس ہوئی ہے

انہوں نے زبردستی حدیث کی تدوین کی

جب انہیں حدیث کی تدوین کا حکم دیا گیا تھا تو انہوں نے اسے بکراہت قبول کیا تھا کیونکہ ان سے پہلے صحابہ نے حدیث کی تدوین نہیں کی تھی اس لئے تدوین حدیث کو گناہ سمجھتے تھے، مسمرن زہری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ہم علم لکھنے سے کراہت کرتے تھے یہاں تک کہ ہم کو اس پر حکام نے مجبور کیا تو ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ اس سے کسی بھی مسلمان کو منع نہ کریں۔ زہری کہتے ہیں: مجھ سے بادشاہوں نے لکھنے کا حکم دیا تو میں نے لکھ دیا مجھ کو خدا سے

شرم آئی کہ اسے بادشاہ لکھیں اور میں دوسروں کے لئے نہ لکھوں ۱
اس کی وجہ یہ تھی کہ صدر اسلام میں مسلمانوں کی ساری کوششیں قرآن لکھنے میں صرف ہوئی
تھیں لیکن حدیث کو وہ اپنے حافظہ پر اعتماد کرتے ہوئے ایک دوسرے سے روایتاً نقل کرتے تھے،

عہد بنی امیہ کی تدوین

علماء نے بنی امیہ کے عہد کو منظم و صحیح تصنیف کا عہد نہیں جانا بلکہ کیونکہ انھیں زمانہ
کی کوئی جامع اور باب والی کتاب نہیں ملتی ہے ان کے زمانہ کے جو آثار علماء کو ملے ہیں وہ مجموعے ہیں
جن میں کسی ایک علم سے بحث نہیں ہوئی ہے بلکہ ان میں حدیث، فقہ، نحو، لغت، اور اخبار وغیرہ
درج ہیں،

استاد احمد سکندری اپنی کتاب تاریخ آداب اللغۃ العربیہ میں لکھتے ہیں: بنی امیہ کا زمانہ ختم
ہو گیا اور اس میں نحو کے قواعد، بعض احادیث اور تفسیر کے بارے میں بعض فقیہ صحابہ کے اقوال کے
علاوہ کچھ تدوین نہ ہو سکا، روایت ہے کہ خالد بن یزید فلک و کیمیا کے بارے میں ایک کتاب لکھی
ہے اور معاویہ نے ضحاک سے عبید بن ساریہ کو بلایا، اس نے اس کی خواہش پر کتاب "الملوک و
الانخبار الماضیہ" لکھی، اس موضوع پر وہب بن منہ، زہری اور موسیٰ بن عقبہ نے بھی کتاب
لکھی ہے مگر یہ تمام چیزیں تاریخ علوم اور اس کی تصنیف کے محققین کو مطمئن نہیں کر سکیں اور انہوں
نے بنی امیہ کے عہد کو تصنیف کا عہد تسلیم نہیں کیا ہے کیونکہ اس زمانہ میں کوئی جامع باب اور مفصل
کتاب نہیں تحریر ہوئی جو کچھ تصنیف ہوا وہ مجموعے ہیں ۲

۱۔ جامع بیان العلم و فضلہ مولفہ ابن عبد البر ج ۱ ص ۷۷۔

۲۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ مولفہ اسکندری ص ۷۲۔

احیاء العلوم میں غزالی لکھتے ہیں: کتب و تصانیف نئی چیزیں ہیں صحابہ اور تابعین کے ابتدائی زمانہ میں ان کا نام و نشان بھی نہیں تھا بلکہ ۱۳۰ھ کے بعد اور تمام صحابہ و بزرگ تابعین کے انتقال اور سعید بن مسیب "متوفی ۱۵۰ھ" اور حسن "متوفی ۱۸۰ھ" اور منتخب تابعین کے بعد وجود پائی ہیں، اولین مسلمان تو حدیث لکھنے تصنیف کتب سے گراہیت کرتے تھے کیسے ایسا نہ ہو کہ لوگ حفظ قرآن اور اس میں غور و فکر کو چھوڑ کر اسی میں مشغول ہو جائیں، وہ کہتے تھے ایسے ہی حفظ کرو جس طرح ہم حفظ کرتے تھے ۱۔

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تدوین حدیث کا سلسلہ بنی امید کے آخری زمانہ میں شروع ہوا، اس کا طریقہ غیر مرتب تھا جو ملتا تھا اسے جمع کیا جاتا تھا، ابواب و فصول میں منقسم نہیں تھا، شاید تدوین کا یہ کلام اس پہنچ پر جاری رہا، ان کے زمانہ میں علمی مجالس میں اس کی تدوین نہیں ہوتی تھی کیونکہ کسی مخصوص علم کے مختص نہیں تھے، ایک مجلس متعدد علوم پر مشتمل ہوتی تھی عطاء کہتے ہیں: میں ابن عباس کی مجلس سے زیادہ مہتمم باشان مجلس نہیں دیکھی اور نہ ہی ان سے بڑا فقیہ اور بارعب آدمی دیکھا ہے قرآن دالے ان سے سوال کرتے، اہل عرب ان سے پوچھتے، شعراء ان سے دریافت کرتے اور ہر ایک انہیں اس فن کا ماہر پاتا، عمر بن دینار کہتے ہیں: میں نے ابن عباس کی مجلس جیسی مجلس نہیں دیکھی کہ ان میں ہر اچھائی، حلال و حرام، تفسیر قرآن و شعرا و عربیت ہے یہ تھا تدوین کا اولین طریقہ لیکن ان کی ہم تک ایسی کوئی کتاب نہیں پہنچی ہے،

بنی عباس کے زمانہ میں

سکندری لکھتے ہیں:

نبی عباس کے زمانہ میں علماء صحف میں مرقوم چیزوں کی اصلاح اور سینوں میں محفوظ اشیاء کی تدوین اور اس کی ترتیب و تبویب اور اس سے کتاب کی تصنیف کی طرف مائل ہوئے، اس زمانہ میں تصنیف کی طرف علماء کے مائل ہونے کے قوی اسباب میں سے ایک اس کام پر خلیفہ ابو جعفر منصور کا ابھارنا تھا اور ائمہ فقہاء کو حدیث و فقہ کی جمع آوری کی رغبت دینا تھا منصور نے بخل کے باوجود اس سلسلے میں بہت پیسہ خرچ کیا، علماء کا کہنا ہے کہ اس نے اسلامی علوم کو محکم کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے سران و فارس کے علماء مترجمین کو فارسی اور یونانی سے طب، سیاست، حکمت، ہیئت، نجوم، آداب اور منطق وغیرہ کا عربی میں ترجمہ کرنے پر ابھارا اس لحاظ سے وہ پہلا حاکم تھا جس نے دیگر زبانوں سے عربی میں ترجمہ کر لیا مگر حدیث کی تدوین و جمع آوری پر اس کی خاص توجہ تھی، اسکے بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ: کیا دنیا کی کوئی لذت ایسی ہے جس سے وہ آشنانہ ہو؟ کہا: ایک حصلت، ثانی لگئی ہے، میں قبہ خانہ میں بیٹھا ہوں اور میرے پاس حدیث کا جمع ہو اس وقت اس نے مالک بن انس کی طرف اشارہ کیا کہ وہ موطا لکھیں،

صولی کہتے ہیں: منصور حدیث و انساب کا سب سے بڑا عالم تھا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ منصور کے زمانہ میں رجال حدیث کی کثرت تھی اور اس میں بھی حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ علماء آثار رسول مکی جبجو کے بارے میں سنجیدہ ہو گئے تھے اور اس کی تدوین و جمع آوری کی طرف راغب تھے، چنانچہ عربین عبدالعزیز نے کہا ہے: بادشاہ کی مثال بازار کی سی ہے جہاں ہر شخص اپنی چیز کو پیش کرتا ہے اگر نیک ہے تو اپنی نیکیوں کو لاتا ہے اگر فاجر ہے تو اپنے فجور کے ساتھ آتا ہے، ابن تغری بردی ^{۳۳۳ھ} کے حوادث کے ذیل میں لکھتے ہیں: ذہبی کہتے ہیں: علماء اسلام نے ^{۳۳۳ھ} میں حدیث نقد اور تفسیر کی تدوین کا کام شروع کیا مکہ میں ابن جریر ^{۳۳۳ھ} نے کچھ کتابیں تصنیف کیں،

۱۔ تاریخ آداب اللغة العربیہ مؤلف سکنذی ص ۲،

۲۔ یعنی عبدالملک بن عبدالزبیر بن جریر

سعید بن ابی عروبہ «متوفی ۱۵۱ھ» نے تصنیف کی اور حمار بن سلمہ «متوفی ۱۶۷ھ» وغیرہ نے بصرہ میں تصنیف کی اور کوفہ میں ابو حنیفہ نے فقہ ورائے میں تصنیف کی ۱۵۱ھ میں انتقال کیا، اوزاعی نے شام میں تصنیف کی «۱۵۶ یا ۱۵۷ھ میں انتقال کیا» مدینہ میں مالک نے موطا لکھی، «۱۶۱ھ میں انتقال کیا» ابن اسحاق نے مغازی لکھی «۱۵۱ھ میں انتقال کیا» یمن میں عمر نے تصنیف کی «۱۵۳ھ میں انتقال کیا» کوفہ میں سفیان ثوری نے کتاب الجامع لکھی «۱۶۱ھ میں انتقال کیا» مختصر تہذیب کے بعد شام ناپائیدار ہو گیا، لیث بن سعد نے تصنیف کی ۱۷۵ھ اور عبد اللہ بن لہیعہ، پھر ابن مبارک ۱۸۱ھ، قاضی ابویوسف، بیہقیب ۱۸۲ھ، اور ابن وہب ۱۹۷ھ میں علم کے باب بندی اور تدوین کا اثر ہو گئی اور عربی تاریخ اور لغت کی تاریخ مرتب ہو گئیں اس سے قبل تمام علماء جو کہ روایت میں ائمہ تھے، اپنے حافظہ سے بیان کرتے تھے اور غیر مرتب صحیفہ سے روایت کرتے تھے۔

اور چونکہ ان سب کا ایک ہی زمانہ ہے لہذا قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پہلے کس نے تدوین کی بعض نے کہا ہے: سب سے پہلے سعید بن ابی عروبہ نے تصنیف کی ہے کچھ کہتے ہیں: ابن جریر نے لکھی ہے، چند کہتے ہیں کہ ربیع بن صبح مقدم ہیں بعض کہتے ہیں: حماد بن سلمہ سابق ہیں، اور ابن جریر کہتے ہیں: سب سے پہلے جس نے اسے جمع کیا وہ ربیع بن صبح اور سعید بن ابی عروبہ ہیں یہاں تک کہ تیسرا بڑے لوگوں کا طبقہ اٹھ کھڑا ہوا انہوں نے احکام کی تدوین کی مالک نے موطا لکھی اور اس میں اہل جانا کی حدیث جمع کی اور اس میں صحابہ کے اقوال اور تابعین وغیرہ کے فتوے مخلوط کر دیئے اور حافظ ابن جریر عراقی لکھتے ہیں: ان سب کا ایک زمانہ تھا: نہیں معلوم کون سابق تھا ان کے بعد ان کے زمانہ میں بہت سے لوگوں نے انہیں کے طریقہ پر کام کیا یہاں تک بعض ائمہ نے یہ مناسب سمجھا کہ حدیث رسول کو علیحدہ جمع کیا جائے اور یہ سب پہلی صدی ہجری کے اواخر اور دوسرے کے اوائل میں ہوا ہے اگرچہ ان مجموعوں میں سے موطا و مالک کے علاوہ ہمارے

پاس کوئی کتاب نہیں پہنچی ہے، اسی طرح اس زمانہ میں جو تدوین ہوئی ہے اس میں صحابہ کے اقوال تابعین اور ان کے بعد والوں کے فتوے مخلوط ہو گئے ہیں جیسا کہ ابن حجر نے کہا ہے اس پر دو ابتدائی صدیوں پر غل ہوتا رہا ہے، یہ ہے تدوین کا دوسرا طریقہ،

پہلی دو صدیوں کے بعد

پہلی دو صدیوں کے بعد تدوین حدیث کا دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا اور وہ یہ کہ رسولؐ کی حدیث کو جدا گانہ طور پر جمع کیا جائے کہ پہلے اس میں غیر حدیث چیز بھی مخلوط ہو گئی تھی لہذا عبداللہ بن موسیٰ غنیؒ کو ۲۱۲ھ میں سند لکھی پھر سعد بن مسرہد بصریؒ نے ۲۲۸ھ میں سند لکھی ۲۲۹ھ میں حمیدی وغیرہ نے سند تحریر کی،

اس کے بعد ان کے راہ پر امام احمدؒ ۲۴۱ھ اور اسحاق بن راہویہؒ ۲۳۷ھ وغیرہ کا مزن ہوئے لیکن اگر ان مسانید میں صرف حدیث جمع کی گئی ہوتی اور ان میں حدیث کے علاوہ صحابہ وغیرہ کے اقوال مخلوط نہ ہوتے، ان میں وہ غلط صحیح جمع ہے جو اس زمانہ میں روایت کے سیلاب میں بہہ آیا ہے اس زمانہ تک حدیث کی تقسیم نہیں پہچانی گئی تھی جو کہ صحیح، حسن اور ضعیف کی صورت میں ہوتی ہے اور اسی لئے ان مسانید کو سنن کا درجہ حاصل نہیں ہو سکا ہے اور نہ مطلق طور سے ان سے احتجاج کیا جاسکتا ہے، عنقریب ہم ان مسانید اور مشہور کتابوں کے درمیان ان کی منزلت سے بحث کریں گے،

تدوین کا کام اسی نہج پر جاری رہا یہاں تک کہ بخاری کا طبقہ ظاہر ہوا اس نے تدوین کا دوسرا طریقہ اختیار کیا، تدوین ایسا جدید مرحلہ میں داخل ہوئی یہ نتیجہ کا دور ہے،



تاخیر سے ندوین کا نتیجہ

جب رسولؐ کی احادیث کی آپ کے مہدی میں ندوین نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی آپ کے صحابہ نے اسے قرآن کی طرح قلم بند کیا تھا تو ہر کج فکر کیلئے رسولؐ سے روایت کا باب وسیع ہو گیا چنانچہ جو چاہا روایت کے پیرایہ میں پیش کر دیا،

اگر صدر اسلام کے مسلمان یا ان کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے جو کہ حقیقت میں ایک طبقہ کے افراد تھے اور عدل و کمال و سیرت میں مساوی تھے اگر وہ روایت ان ہی میں محدود ہوتی کہ جن پر صحیح معنوں میں صحابہ کا اطلاق کیا گیا ہے اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں روایت کی جانے والی چیزوں کو رشتہ تحریر میں لایا گیا ہوتا تو ممکن تھا کہ وہی چیزیں نقل ہوتیں جو رسولؐ نے فرمائی تھیں ان میں کمی ہوتی نہ زیادتی اور ساری احادیث صحیح آتی ان میں شک نہ ہوتا اور پھر امت بھی انھیں راضی برضا تسلیم کرتی جیسا کہ اس سے پہلے اس نے قرآن کو قبول کیا تھا اور سلف سے خلف تک اپنے اصلی لفظ و معانی کے ساتھ پہنچتیں اور اس میں مسلم و غیر مسلم کوئی اختلاف نہ کرتا امت اس کی روشنی میں راہ طے کرتی اور اس کی ہدایت سے استفادہ کرتی مذاہب و فرق میں تقسیم نہ ہوتی جیسا کہ خدائے متعال اپنی کتاب میں فرماتا ہے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ اندازی نہ کرو۔

بے شک جن لوگوں نے دین میں اختلاف کیا اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں ان سے آپ کا سروکار نہیں ہے لیکن ہر زمانہ میں لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں، اور بشر کی طبیعتیں بدلتی نہیں ہیں اور نہ ان کے غرائز میں تغیر ہوتا ہے، خواہشوں میں تبدیلی نہیں آتی ہے اور صحابہ و تابعین بھی انسان ہی تھے مہم بھی نہیں تھے، یہی اللہ کی خلقت میں اس کی سنت ہے اور اس کی سنت میں نہیں تبدیلی نہیں ملے گی،

آپ کے بے یہ جان نہ سنا کافی ہے کہ رسولؐ کا بھی انتقال ہی ہوا تھا اور صحابہ کے درمیان آپ کی تدفین سے پہلے ہی اختلافات شروع ہو گئے پھر رسولؐ کے بہت سے صحابہ مرتد ہو گئے

تھے اگر ابو بکر کی مستقل مزاجی اور عمر کی خود راہی نہ ہوتی اور اصحاب خیاران کی مدد نہ کرتے تو اسلام کا پورا جز سے اکھڑ جاتا۔

اسی نے ابو بکر عرار علیؓ جیسے بزرگ صحابہ بڑے بڑے صحابہ کی روایت کردہ حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ وہ ایک گواہ لاتا جو یہ گواہی دیتا کہ اس راوی کے ساتھ اس نے بھی یہ حدیث رسولؐ سے سنی تھی یا بیان کرنے والا صحابی یہ قسم کھانا کہ اس نے رسولؐ سے یہ حدیث لی ہے اگر وہ سب خطا اور جھوٹ سے بری ہوتے ”جیسا کہ علماء کہتے ہیں“ تو اصحاب کبار کے زمانہ میں ہر روایت کرنے والے کی روایت قبول کی جاتی، جبکہ دین اپنے عنوان پر تھا اور نشانیاں ظاہر تھیں اور ابھی تک ان کے قلوب میں نور نبوت جلوہ گر تھا،

جو شخص تاریخ اسلام کی کاغذ تحقیق کرنا چاہتا ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ قبل از اسلام عرب کے حالات کا باعموم اور زمانہ جاہلیت میں بنی ہاشم بنی امیہ کے حالات کا بالخصوص مطالعہ کرے اور پھر ان کا زمانہ اسلام میں دیکھے اور عبداللہ بن عثمان سے صحابہ کے درمیان کی نزاع، علیؓ و معاویہ کے درمیان ہونے والی جنگ ان دونوں کے لشکر میں اکثر صحابہ تھے اور پھر امویوں اور عباسیوں کے درمیان اسی طرح رسولؐ اور یہود کے مابین کے حالات اور دیگر اہل ادیان کے دلوں میں کیا بغض و عناد تھا، مذکورہ تمام باتیں محقق کی نظروں کے سامنے ہونی چاہئیں،

حقیقت ہے کہ جو شخص صحیح تاریخ اسلام سے واقف ہونا چاہتا ہے اگر وہ مذکورہ تمام چیزوں پر حاوی ہے تو اس پر بعید ترین آفاق روشن ہو جائیں گے، ایسے انوار اس کے سامنے جلوہ گر ہوں گے جو اس کے حوادث کی صحیح تحلیل اور وقائع کی صحیح تحلیل کرنے کی ہدایت کریں گے کیونکہ تمام چیزوں کا تاریخ اسلام کی تشکیل میں اور داستان و اساطیر میں سے جو تفسیر قرآن میں اور احادیث میں داخل کر دیا گیا ہے اس کا بہت بڑا اثر ہے،

تاریخ آپ کو بتائے گی کہ رسولؐ ابھی اپنے رفیق اعلیٰ سے ملحق بھی نہیں ہوئے تھے کہ بنی ہاشم سے جو بنی امیہ کے دلوں میں دشمنی تھی اس کا اظہار ہونے لگا اس زمانہ میں انہوں نے اسلام

کی نقاب چہرے پر ڈال لی اور خلافت کا مطالبہ کرنے پر بنی ہاشم کو اکسیا کہ فتنہ برپا کریں، لیکن علیؑ کی دو بین نگاہوں نے ان کے منصوبے کو نقش بر آب کر دیا لہذا وہ خاموش بیٹھ گئے لیکن موقع کی تلاش میں رہے، چنانچہ عثمان کی خلافت سے جب حکومت ان کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے اپنے دل میں چھپی باتوں کا اظہار شروع کیا، عثمان اموی تھے، امویوں نے بہت ہی ہوشیاری سے اپنے نظریہ کو نافذ کیا یہاں تک کہ عہد عثمان میں ساری حکومت پر ان کا تسلط ہو گیا اور عثمان کی حکومت کے آخری برسوں میں خلافت عادلہ سے ہٹ کر حکومت طمع کی جانے والی بادشاہت میں تبدیل ہو گئی، اور جب عثمان کے انتقال کے بعد تفرقہ پڑ گیا اور فتنہ کی آگ بھڑک اٹھی اور لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے تو ہر فریق نے اپنی پارٹی کو مضبوط کرنے کیلئے مادی و معنوی اور قولی و سرائی کا استعمال کیا یہ ہاشمیوں کا ناصریہ نوہ امویوں کا مددگار،

ہر ایک گروہ نے اپنے مسلک کو محکم کرنے کے لئے رسولؐ سے نقل ہونے والی دلیلوں کو اپنے کیلئے بہترین اسلحہ و مددگار سمجھا، لہذا سب نے احادیث کی روایت کرنا خصوصاً فضائل میں، اور انہیں رسولؐ کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا، جیسا کہ آپ اس سے قبل حدیث کے اسباب میں ملاحظہ کر چکے ہیں یہ کام انہوں نے اس کیلئے کیا کہ وہ سب رسولؐ کی شخصیت کو الہامی سمجھتے تھے اور آپ کا مرتبہ ان کے درمیان سب سے زیادہ بلند تھا لیکن زیادہ تر کتابیں بنی امیہ کی طرف سے بنی ہاشم کے خلاف لکھی گئیں کیونکہ ان کے ہاتھ میں طاقت و قوت تھی اور بنی ہاشم کے پاس نہ مال تھا نہ حکومت و طاقت،

دوسری طرف روایت سازی میں اس کا بہت بڑا اثر تھا روایت کی توسیع کا اصل مقصد لوگوں کے بہترین دینی عقائد کو برباد کرنا اور ان میں وہ چیزیں داخل کرنا جن کا دین سے تعلق نہیں تھا اور اس میں ایسے احکام و دستورات شامل کرنا تھا جو دینی عقائد کی صورت مسخ کر دیں، ایسا کرنے والے وہ یہود و نصاریٰ تھے جنہوں نے اسلام کی نقاب چہرہ پر ڈال لی تھی اور مکہ و فریب سے جو اسرائیلیات و مسیحیات چاہے عرب کے نئے دین میں داخل کر دیئے جیسا کہ آپ گزشتہ

صفحات میں ملاحظہ کر چکے ہیں انہوں نے لوگوں کے درمیان جھوٹ اور جعلی حدیث پھیلانا شروع کر دی تھی اور رسولؐ سے روایت کرنے میں لوگوں کی اتنی جرأت بڑھ گئی تھی کہ بقول ابن عباس کے ”وہ ہر نرم و سخت اور مطیع و معسرش پر رسولؐ ہو گئے تھے، قرآن وہ ہے کہ جس کے لئے رسولؐ نے کاتب معین کئے تھے جو کہ وحی کی ساعت ہی میں اسے لکھ لیتے تھے اور دوبارہ عہد ابوبکرؓ میں لکھا گیا پھر بہت سے صحابہ حفظ کرتے تھے اور دوسری طرف خدا نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، ارشاد ہے انا نحن وانا الذکر وانا الی فطین“ پھر بھی قرآن کی قرات کے سلسلے میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہو گیا یہاں تک کہ ایک دوسرے کو کافر کہنے لگے اور اختلاف رسولؐ کی وفات کو سین سال گزرنے سے پہلے ہی واقع ہو گیا تھا اور اتنا شدید تھا کہ عثمان مصحف میں صحیح صحت میں قرآن کی نسخہ برداری کرانے اور انھیں شہروں میں بھیجنے کے لئے مجبور ہوئے اور یہ حکم دیا مختلف قرات والے قرآن کو نذر آتش کر دیا جائے جب قرآن کا یہ حال ہوا تو حدیث کا کیا حال ہو گا جو کہ عہد رسولؐ میں لکھی گئی تھی اور نہ زمانہ ابوبکرؓ میں اور نہ عصر عثمانؓ میں وہ تدوین کی قید سے آزاد تھے، مختلف خواہشوں نے چھار کھاتھا مختلف اغراض کو ان کے دیو پورا کرتے تھے۔

انھیں وجوہ کی بنا پر صحیح احادیث کی معرفت دشوار تھی اور رواۃ کی ضمیروں کی معرفت کی تحقیق اس سے بھی دشوار تھی اور جب یہ معلوم ہو گیا تو واضح ہوا کہ تاخیر سے حدیث کی تدوین میں بہت زیادہ نقصان ہے کیونکہ اس سے روایت کا دامن وسیع ہو گا اور صحیح حدیثوں میں جعلی حدیث مل جائے گی اور عرصہ دراز تک صحیح و جعلی حدیث کو جدا نہیں کیا جاسکے گا،

تدوین حدیث شیعوں کی نظر میں

تدوین حدیث کے بارے میں آپ اہلسنت کا نظریہ ملاحظہ کر چکے ہیں بحث کی تکمیل کے لئے

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ تدوین حدیث کی تاریخ کو شیعوں کے نقطہ نظر سے پیش کریں تاکہ ہر طریقہ سے بحث کامل ہو جائے،

شیعوں کا مسلک ہے کہ سب سے پہلے جس نے حدیث کی جمع آوری کی اور اس کی ترویج کی وہ رسولؐ کے غلام ابو رافع تھے۔ ان کی کتاب السنن، احکام اور قصایا ہیں، نیز شیعہ کہتے ہیں: حدیث کی جمع آوری اور اس کی باب بندی میں کوئی بھی ان پر مقدم نہیں ہے۔

عظیم عالم محمد بن آل کاشف الغطاء بخفی اپنی کتاب "المطالعات والمراجعات" لکھتے ہیں: جس نے سب سے پہلے حدیث کی تدوین کی وہ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے کاتب اور آپؐ کے بیت المال کے خازن ابن ابی رافع ہیں، بلکہ حق یہ ہے کہ سب سے پہلے خود امیر المومنینؑ نے حدیث کی تدوین کی تھی جیسا کہ صحیحین میں مذکورہ خبر صحیفہ اس بات پر دلالت کر رہی ہے،

علم حدیث کی ابتداء

یہ بات ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ اگر رسولؐ کی احادیث کو آپؐ کی زبان سے نکلتے وقت ہی قلم بند کر لیا جاتا اور ہر زمانہ میں اس نوشتہ کی حفاظت کی جاتی تو لوگ اسے قرآن کی طرح قبول کرتے نہ اس کی صحت کی بحث میں پڑتے اور نہ اس کی حقیقت کی چھان بین کرتے لیکن رسالتاب کے زمانہ میں اس کی تدوین ہوئی اور نہ اصحاب کے زمانہ میں، بلکہ وہ روایت کے ذریعہ سے آئی ہے اسی نے علمائے

ابو رافع رسولؐ کے غلام تھے ان کا نام اسلم تھا پہلے وہ عباس بن عبد المطلب کے غلام تھے انہوں نے رسولؐ کو جھک دیا تھا، انہوں نے ہی رسولؐ کے لئے کھڑی کا بنر بنایا، رسولؐ نے اپنی کنیز سلمیٰ کا ابو رافع سے نکاح کر دیا سخاوان سے علمائے کاتب عبید اللہ بن ابی رافع پیدا ہوئے،

۱۔ الشیوخ وفنون الاسلام ص ۲۶ و ۲۸، مولف میر حسن صدر مطبع المرفان صدر ۱۳۳۵ھ۔

اس کی تحقیق ضروری سمجھی تاکہ صحیح اور جعلی گوڑھی ہوئی حدیث کو پہچان لیا جائے،

علم حدیث کا موجد

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ۱: اصطلاح کے سلسلے میں سب سے پہلے قاضی ابو محمد راہزکی نے تصنیف کی اور المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، تحریر کی لیکن وہ مقام چیمز کا احاطہ نہ کر سکے پھر حکم ابو عبد اللہ نیشاپوری متوفی ۳۸۵ھ نے قلم اٹھایا مگر وہ مرتب و درست نہ کر سکے ان دونوں کے بعد ابو نعیم اصفہانی آئے انہوں نے اپنی کتاب میں کچھ چیزیں جمع کیں اور بہت سی محقق کیلے مچھوڑ گئے۔ پھر خطیب بغدادی ۴۵۳ھ آئے انہوں نے اپنی مشہور کتاب کی تالیف کی اور اسکے فنون کو سنو الالہا لوگوں نے اسی پر عمل کیا اور ان ہی کے راستے پر گامزن ہوئے چنانچہ ان میں سے بعض مختصر کتاب رقم کی جیسے نووی نے تقریب کسی نے منظم کیا جیسے عراقی ۸۰۶ھ

علم حدیث کا مطلب

ابن خلدون اپنے مقدمہ کی ”علوم حدیث“ والی فصل میں لکھتے ہیں ۲: علم حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسانید میں غور کیا جائے اور ان احادیث کی معرفت حاصل کی جائے جو تمام شرائط اور کامل سند کے ساتھ آئی ہیں اور جن پر عمل کرنا واجب ہے اور اخبار رسول میں

۱۔ تدویب الراوی ص ۱۹

۲۔ متوفی ۳۹۰ھ راہز مرنندس کے شہرہوں میں سے ایک شہر ہے ان کی کتاب المحدث الفاصل بین الراوی والواعی،

کا ایک نسخہ مصر کے دارالکتب میں موجود ہے، ص ۲۸

سے جس کے صادق ہونے کا ظن غالب ہو اس پر عمل کرنا واجب ہے تو اس طریقہ میں اجتہاد ہونا چاہیئے جس سے وہ ظن حاصل ہوتا ہے اور طریق عادل و ضابطہ روایت حدیث کی معرفت ہے۔۔۔
خطبہ مسلم کی شرح میں نووی لکھتے ہیں :

علم حدیث کا مقصد متون کے معانی اور علم الاسناد کی تحقیق ہے اور معلل و علت حدیث کے معانی و ضعیف سے عبارت ہے جو کہ بظاہر سالم ہونے کے باوجود حدیث کے ضعیف ہونے کا اقتضاء کرتی ہیں : کبھی متن میں جھول و اضطراب ہوتا ہے اور کبھی اسناد میں، علم حدیث کا مقصد صرف سننا، سنانا اور لکھ لینا ہی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد غور کرنا، اہل معرفت سے رجوع کرنا محققین کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہے،

سند اور متن حدیث

سند کے معنی لغت میں دیوار وغیرہ سے ٹیک لگانے اور اعتماد کرنے کے ہیں لیکن محدثین کی اصطلاح میں متن حدیث کے طریق کو سند کہتے ہیں اسے سند اس لئے کہا گیا ہے کہ حفاظ صحت حدیث وغیرہ میں اسی طریق پر اعتماد کرتے ہیں، کبھی طریق کو وجہ بھی کہا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے ”ہذا حدیث لایعرف الا من ہذا الوجہ“ اور متن کے معنی لغت میں ریڑھ کی ہڈی اور زمین سے لگ کر بلند ہونے والی چیز کے ہیں، لیکن عرف میں متن اس چیز کو کہتے ہیں جس پر سند منتهی ہوتی ہے اس کی مثال یحییٰ کا یہ قول ہے : اخبرنا ملک من نافع من عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ قال : لا یبع بعضکم علی یبع بعضی کا یہ قول ہے : پس سند حدیث روایت ہیں اور متن حدیث لا یبع بعضکم... ہے ۔

حدیث کس سے لی جائے

اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ صرف اس حدیث کو قبول کیا جائے جس کے روایت

عدالت و ضبط کی صفت سے متصف ہوں اور عدالت روایت میں رکن اعظم ہے،
 لیکن صرف عدالت کافی نہیں ہے عدالت کی صفت کے سلسلے میں علماء کے درمیان شدید
 اختلاف ہے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ عدالت رسم کی معرفت دشوار ہے چہ جائیکہ حدیث، اس سلسلے
 میں بہت بحث کی ہے اس کے متعلق انہوں نے جو کچھ کہا ہے اسکو بیان کر کے ہم اپنے کلام کو طول نہیں
 دینا چاہتے روایت میں ضابطہ کی انہوں نے یہ تعریف کی ہے کہ ضابطہ وہ ہے جس سے روایت میں
 بہت کم غلطی ہوتی ہے اور غیر ضابطہ وہ ہے جس سے زیادہ غلطی ہوتی ہے خواہ ایسا استدلال کی وجہ سے
 ہو یا جدوجہد میں کوتاہی کے سبب، علماء نے ضابطہ کیلئے بہت سے صفات وضع کئے ہیں انہیں ہم
 نظر انداز کرتے ہیں کیونکہ عدالت و ضبط میں سے ہر ایک بلند میاں اور پست مراتب میں اور بعض
 کی ترکیب سے حدیث کے قوی و ضعیف مراتب حاصل ہوتے ہیں ۱۲

تقد وہ ہے جس میں عدالت و ضبط دونوں صفتیں جمع ہوں اور ہر وہ چیز کہ جس کی حافظ
 نے روایت کی ہے صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ ممکن ہے کہ بعض موقعوں پر اس سے لغزش ہو گئی ہو اور ایسے ہی
 یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ جو بھی غیر حافظ نے بیان کی ہے وہ غلط ہے کیونکہ بہت سے موقعوں پر اس کی
 بات صحیح ہوتی ہے اور عاقل وہ ہے جو دونوں کی صحیح بات کو قبول کرتا ہے،

خبر اور اس کی قسمیں

جیسا کہ علماء نے تعریف کی ہے حدیث عبارت ہے رسول کے اقوال و افعال سے واضح

۱۔ در حقیقت وہاوی ضابطہ ہے جو سنی ہوئی چیز کو ہو بہو بیان کر دے اس میں رد و بدل نہ کرے جیسے سنا ہے اسے نقل
 و منبا بیان کرے،

۲۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں: غلطی سے اکثر لوگ محفوظ نہیں ہیں بلکہ محارب میں سے بھی بعض کبھی غلطی ہو جاتی تھی،

۳۔ توجہ النظر ص ۷۷،

افضل از انكه كه مستحقين را بدهد، و اگر كرامت او به كس نرسيد، اين بزرگوارتر است

۱۹۹۹

-۱- نمبر لکھو، ۹۔ ان کے لیے اور کچھ اور کچھ تہہ

وہی کہ جس نے اسے پہنچا دیا وہی ہے جس نے اسے پہنچا دیا

[illegible][illegible][illegible]

وہاں سے آکر اپنے گھر پہنچے اور اپنے گھر کے دروازے پر دستک دیا۔

۱۹۰۱ء یو ایس ایمیر کیلئے منتخب، جس نے: ختم کر کے تہہ کی طرف سے لکھ کر؟ تو، بہ

مکتبہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

وَأَمَّا الْفُلُ فَأُرْسِلَتْ بِرَحْمَةٍ مِنَّا لِيُبَيِّنَ مَا بَيْنَ أَيْمَانِهِ سِرَابٍ

۱۰۰

کریا ایک تہ، ایم او، اس کے لئے ہے، "تجربہ کار" ہے، سب سے پہلے، اس کے لئے ہے

[illegible]

ॐ नमो भगवते वासुदेवाय ॥ ॐ नमो भगवते वासुदेवाय ॥ ॐ नमो भगवते वासुदेवाय ॥

ترجمہ: "ایک ہی چیز ہے، کیا تمہیں: حقیقی حقیقت، کی بجائے ایک اور چیز؟"

پہلے، اس کا رخ شمال مغرب کی طرف

سید الشہداء حضرت علیؑ کے لئے ہے جس کا نام ہے حضرت علیؑ کے لئے ہے جس کا نام ہے حضرت علیؑ کے لئے ہے

[illegible]

اخبار آحاد میں بھی ایسی چیز ہوتی ہے جس سے نفس مطمئن ہو جاتا ہے،
 جبہو کا قول ہے: اخبار آحاد قطعاً مفید علم ہے جبکہ وہ بخاری و مسلم میں بیان ہوئی ہو یا
 اور اگر امت ان دونوں کو قبول کرتی ہے تو پھر ان "بخاری و مسلم" میں جو چیزیں بیان ہوئی ہیں
 ان پر عمل کرنا بہتر ہے کیونکہ امت کو ہر اس خبر کو قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ جسکے صادق ہونے کا ظن غالب
 ہو، اس سے یہ سمجھ میں نہ آتا کہ جو کچھ دونوں میں ہے وہ نفس الامر میں قطعی طور پر موجود ہیں، جیسے فاضل اس
 بات پر مامور ہے کہ وہ اشخاص کی گواہی "یر فیصلہ کرے جو بظاہر عادل ہے حالانکہ یہ احتمال ہے کہ اس
 نے واقع ہونے والے وہم کی وجہ سے واقع کے خلاف گواہی دی ہو اگرچہ وہ نفس الامر میں عادل ہے یا
 اس جھوٹ کی وجہ سے جو اس سے لوگوں کے سامنے صادر نہیں ہوتا ہے، یہ تھا جمہور کا نظریہ،
 اور اخبار آحاد کے بارے میں بہت سے علماء نے کہا ہے آحاد پر عمل کیا جاتا ہے اور شریعت
 نہیں لی جاتی ہے کہ اسے رسولؐ نے بیان کیا تھا،
 ابن عبدالبر اور اس کی جماعت نے کہا ہے: یہ قول جمہور کے اہل علم و نظر کہ ان میں
 سے بعض نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ اگر اس کے ساتھ قرینہ بھی ہو تو بھی مفید علم نہیں ہے،
 رازی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے: خبر واحد صرف مفید ظن ہے،
 اور کتاب معالم اصول الدین میں لکھتے ہیں کہ: وہ غنا صدراتہ کہ جن پر وہ نقلی براہین متل
 ہوتے ہیں جو کہ منہجی علی الروایات ہیں، جب یہ ثابت ہو گیا تو معلوم ہو گیا کہ نقلی دلائل ظنی اور عقلی قطعی
 ہیں اور ظن قطع کا معارض نہیں ہو سکتا ہے،
 ابن الصلاح کہتے ہیں: متواتر سے علم الاثر میں بحث نہیں ہوتی ہے،
 اور توجہ بہ النظر میں جزائی کہتے ہیں: ابن الصلاح نے جو یہ کہا ہے کہ متواتر سے
 علم الاثر میں بحث نہیں ہوتی ہے تو اس میں کسی کو شک کی گنجائش نہیں ہے،
 بعض علماء نے کہا ہے: متواتر میں علم الاسناد کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ علم الاسناد وہ علم ہے
 کہ جس میں حدیث کی صحت و ضعف سے بحث کی جاتی ہے، جیسے اس کے روایت کے صفات ان

کے ادا کرنے صیغوں سے بحث ہوتی ہے تاکہ اس پر عمل کیا جاسکے یا اسے چھوڑ دیا جائے،
 علماء ہی کا قول ہے: متواتر سے علم الیقین حاصل ہوتا ہے خواہ غیر برابر بلکہ کفار ہی
 سے وارد ہوئی ہو خبر متواتر میں دونوں اطراف ”طبقہ اولیٰ و طبقہ آخر اور اوسط“ کا برابر ہونا ضروری
 ہے برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ کثرت میں دونوں برابر ہوں نہ کہ عدد میں برابر ہونا مراد ہے
 کہ ہر طبقہ میں اتنے ہی راوی ہوں کیونکہ عدد کے اختلاف سے کوئی مضرت نہیں ہے کیونکہ ہر طبقہ میں عدد
 کی کثرت ہے مثلاً ایک طبقہ میں ہزار ہیں اور دوسرا نو سو ہے اور تیسرا عدد ۱۹۰۰ ہیں،

ابن الصلاح اور ان کے مخالفین

تقریب میں نووی لکھتے ہیں: جب علماء یہ کہتے ہیں یہ صحیح ہے متفق علیہ ہے تو ان کا
 مقصد شیخین کا اتفاق ہوتا ہے، ابن الصلاح لکھتے ہیں جو حدیث شیخین نے یا ان میں سے کسی ایک
 نے روایت کی ہے اس کا صحیح ہونا یقینی ہے اور اس میں علم قطعی موجود ہے محققین نے ان کی مخالفت
 کی ہے، اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ غیر از متواتر مفید ظن ہے،

نووی نے اپنی شرح مسلم میں لکھا ہے: کہ یہ وہ چیز ہے جو ان جگہوں پر ابن الصلاح نے
 محققین کے برخلاف بیان کی ہیں، اکثر علماء کا کہنا ہے کہ: صحیحین ”بخاری و مسلم“ کی وہ حدیثیں جو متواتر
 نہیں ہیں وہ مفید ظن ہیں کیونکہ وہ آحاد ہیں، اور آحاد قانون کے مطابق مفید ظن ہیں اور اس سلسلے
 میں بخاری و مسلم اور دوسروں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، حکومت قبول کرتی ہے اس سے
 ہماری سمجھ میں صرف یہ بات آتی ہے کہ جو کچھ صحیحین میں ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے... اور جو کچھ ان
 میں مرقوم ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے اس پر علماء کا اجماع ضروری نہیں ہے کیونکہ اس پر علماء کا اجماع
 ہے کہ وہ یقیناً رسول کا کلام ہے،

رد کرنے والوں نے ابن الصلاح اور ان کے طرفداروں پر بہت اعتراض کئے اور ان کے

خلاف رکرنے والوں نے جو کچھ ان کے خلاف کہا ہے وہ یہ ہے کہ ابن الصلاح نے جمہور کے علماء کے کلام و اصول کی مخالفت کی ہے کیونکہ جمہور کا مسلک یہ ہے: اخبار آحاد مفید علم نہیں ہیں ان سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے، جبکہ ابن الصلاح کا مسلک یہ ہے کہ جو اخبار آحاد صحیحین میں ہیں وہ بلا استثنیٰ مفید علم ہیں اگر وہ اسی پر اکتفاء کرتے تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ شاید علم سے ان کی مراد ظن قوی ہے، اس سے ابن الصلاح اور ان کے مخالفین کے درمیان شدید اختلاف نہ ہوتا لیکن انہوں نے مزید علم کو یقین و یقین سے متصف کر دیا تو دونوں کے درمیان صلح کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی، واضح رہے کہ علماء کرام و اصول کی مخالفت آسان کام نہیں ہے، یہاں بعض محققین کا نظریہ یہ بھی ہے کہ اخبار آحاد قرائن کے ساتھ مفید علم ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ قرائن خبر کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں یا نہیں نظام، امام الحرمین اور غزالی کہتے ہیں کہ دلالت کرتے ہیں اور باقی انکار کرتے ہیں؛

حدیث متواتر میں نہیں ہے

نوازرمی اپنی کتاب ”شروط الامانہ النختہ“ میں تحریر فرماتے ہیں،
حدیث واحد یا تواتر کی قسم سے ہے یا آحاد کی قسم سے ہے اور حدیث میں تواتر کا اثبات بہت مشکل چیز ہے خصوصاً اس شخص کیلئے جو کہ متواتر کی تحدید میں عدد کو معتبر نہیں سمجھتا ہے وہی آحاد تو اکثر فقہاء کے نزدیک یہ عمل کا موجب تو ہے مگر علم کا نہیں،
امام شاطبی اپنی کتاب ”الاعتصام“ کے پہلے حصے میں خبر واحد سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: علم تکلیف و فرائض اسی پر مبنی ہیں کیونکہ امر تو مکلف پر صرف کتاب خلا یا اس کے

۱۔ اس بحث کی تفصیل کے شائق، جزائری کی کتاب ”توجیہ النظر“ کا مطالعہ فرمائیں جس سے ہم نے یہ بات نقل کی ہے

رسولؐ کی سنت سے عائد ہوتا ہے اور جو ان دونوں کی شاخیں ہوتی ہیں وہ ان ہی دونوں کی طرف لوٹتی ہیں اگر سنت کی طرف سے ولد ہوئی ہے تو سنت کا زیادہ حصہ آحاد کے ذریعہ نقل ہوا ہے بلکہ پھر ہی رسولؐ سے متواتر حدیث کا سراغ بہت دشوار ہوتا ہے،

ابن حبان استیٰ کہتے ہیں: لیکن اخبار تو کل کے کل آحاد ہیں کیونکہ رسولؐ سے ایسی کوئی خبر نہیں ملتی ہے کہ جس کے دو عادل راوی ہوں کہ ان میں سے ایک نے دو عادلوں سے نقل کی ہو اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے دو عادلوں سے نقل کی ہو اور ایسے ہی رسولؐ پر سلسلہ متبہی ہوا ہو پس جب یہ چیز محال و باطل ہے تو ثابت ہوا کہ اخبار سب ہی آحاد ہیں۔

امام نووی اپنی تقریب میں لکھتے ہیں :

متواتر: جو کہ فقہ و اصول فقہ میں مشہور ہے، محدثین نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے وہ بہت ہی نادر ہیں، ان کی روایات میں اس کا سراغ لگانا مشکل ہے، اور بعض محدثین نے سنت میں حدیث "من کذب علی" حدیث حوضؐ اور دوسری چند حدیثوں کو چھوڑ کر متواتر لفظی کا انکار کیا ہے،

آحاد حدیثیں

ہم بتا چکے کہ حدیث کی دو قسمیں ہیں: متواتر و آحاد، دونوں کی تعریف و حکم بھی بیان کر چکے ہیں: اب ہم حدیث آحاد کی تقسیم کے سلسلے میں محدثین کی اصطلاحات اور جس علم حدیث کے موضوع سے تعلق ہوگا اور جو ہمارے موضوع سے متصل ہوگی اسے بیان کر کے اپنی بحث کو ختم کرتے ہیں،

۱۔ شروط الارواح، مولفہ خوارزمی ص ۴۲ ۲۔ ص ۳۱ ۳۔ حدیث یہ ہے: حوضی بن عدنان

ان کان البقاء مادة اشد بياضاً من اللبن واطل من العسل واکوابه عدد نجوم السماء، من شرب منه شرب من علم

نفس الامر کے لحاظ سے حدیث صحیح ہے یا صحیح نہیں ہے صحیح وہ ہے کہ جس کے صحیح ہونے کی نسبت رسول کی طرف ہوا اور غیر صحیح وہ ہے جس کی صحت ثابت نہ ہو لیکن محدثین نے حدیث کو صحیح، حسن اور ضعیف میں تقسیم کیا ہے اس میں ان کی مراد وہ حدیث ہے جو طریق احاد سے مروی ہے، یہی متواتر تو وہ تقسیم سے خارج ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

صحیح

صحیح حدیث: جیسا کہ علماء نے بیان کیا ہے وہ ہے جسے اول سے آخر تک عادل و ضابطہ نے اپنے ہی جیسے نقل کیا ہو اور اس میں ضعیف و شذوذ نہ ہو،
تقریب میں نووی فرماتے ہیں: صحیح وہ ہے کہ جس کی سند شذوذ و علت کے بغیر و عدول و ضابطوں سے متصل ہو جب صحیح کہا جائے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں نہ کہ

يُظَاهَرُ بَعْدَهَا أَوَّلُ النَّاسِ وَرَوَّاهُ عَلَيْهِ الْفُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِينَ الْأَشْعَبُ رُوِّيًا النَّاسَ ثِيَابًا الَّذِينَ لَا يَنْكُحُونَ
الْمَنْهَاتِ وَلَا تَقْتَضِحُ لَحْمُ السُّدُودِ، بِذَلِكَ تَمَثَّلُ الْمَتَوَاتِرُ عِنْدَهُمْ،

۱۔ حدیث کی اور بھی قسمیں ہیں جنہیں ہم نے بیان نہیں کیا ہے کیونکہ یہ فن حدیث کے مباحث ہیں، سب سے پہلے جس نے حدیث کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے وہ ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۵۵ھ ہیں ان سے قبل یہ تقسیم کسی سے نقل نہیں ہوئی تھی ابو عیسیٰ نے اس تقسیم سے اپنا مقصد بھی بیان کیا ہے کہتے ہیں: حسن وہ ہے جس کے متعدد طرق ہوں اور کوئی کذب سے متہم نہ ہو اور نہ شاذ ہو یہ صحیح کے علاوہ ہے، صحیح کے ناظروں کی عدالت و ضبط کو آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، ضعیف وہ ہے کہ جس کے ناظر کذب سے متہم ہوں اور کم حافظ ہوں اس کے بعد ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے -

وہ مقطوع بہ ہے اور جب غیر صحیح کہا جائے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہیں ہمارا نظریہ یہ ہے کہ صحیح کی اسناد کے بارے میں یہ یقین ضروری نہیں ہے کہ اس کی اسناد مطلق طور پر صحیح ہیں، اور جب علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ صحیح متفق علیہ ہے تو ان کی مراد شیخین کا اتفاق ہوتا ہے، اس کی جامع ترین تعریف یہ ہے: **انظر دوی علی وجہ تسکین الیہ النفس مع السلامة من الشذوذ والعلۃ**۔

جر جانی اپنی تعریفات میں لکھتے ہیں:

صحیح حدیث وہ ہے کہ جس کے لفظ رکاکت سے اور معنی آیات یا خبر متواتر یا اجماع کی مخالفت سے محفوظ ہوں اور اس کے راوی عادل ہوں اس کے مقابلہ میں سقیم ہے، صحیح کے مراتب بھی ان اوصاف کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتے ہیں جو کہ صحیح کا اقتضاء کرتے ہیں کیونکہ جب وہ اس طعن غالب کا مفید ہوں گے کہ جس پر صحت کا دارومدار ہے، تو اس کا اقتضاء ہے کہ مراتب صحیح بھی ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں، اور جب حدیث کے روایت عدالت و ضبط اور ان تمام صفات کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوں گے جو کہ ترجیح کا سبب ہوتے ہیں تو وہ دوسرے کی نسبت زیادہ صحیح ہوگی اور جب علماء نے اسانید کے درجات متفاوت کر دیئے ہیں تو انہوں نے روایت و شہروں کے درجات مقرر کر دیئے چنانچہ انہوں نے میرے کے روایت کو بصرہ کے روایت پر فوقیت دی اور شہام کے روایت کو بصرہ کے روایت سے کم درجہ کا شمار کیا، صحیح کی بھی قسمیں کی ہیں جو کہ ان کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں،

حسن

رجال حدیث کے درمیان حدیث حسن کے بارے میں شدید اختلاف ہے اس کی تعریف کے بارے میں انہوں نے برکچہ فرمایا ہے اس میں سے کچھ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں،

خطابی کہتے ہیں: حسن وہ ہے جس کا منبع معلوم اور رجال مشہور ہوں اکثر حدیث کا دارو مدار اسی پر ہے اور اسی کو اکثر علماء قبول کرتے ہیں اور عام فقہاء اس پر عمل کرتے ہیں، ابن الصلاح کہتے ہیں کہ اس کی دو قسمیں ہیں اول وہ جس کی اسناد پاک ہو اس کی اہلیت متحقق نہ ہو اور غافل کثیر الخطائیں اور نہ اس سے ایسا فعل سرزد ہوا ہو جو فسق کا سبب ہو،

(۷) اسکے راوی صدق و امانت میں مشہور ہوں اور حفظ و اتقان کی کمی کے باعث درجہ صحیح نہ پہنچی ہو، حسن احتجاج میں صحیح کی مانند ہے اگرچہ قوت میں اسکے پائے کی نہیں ہے،

ضعیف ضعیف وہ ہے کہ جس میں صحیح کی صفت ہو نہ حسن کی صحیح کی طرح اس کے ضعف میں تفاوت ہوتا ہے، شرح مسلم میں نووی لکھتے ہیں: موضوع مطلوب، شاذ، منکر اور مضطرب وغیرہ جو کہ علم حدیث بیان ہوئی ہیں حسن کی قسمیں ہیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاسکتا ہے جبکہ ائمہ کبار نے اس سے منع کیا ہے ادا اب الشرعیہ میں ابن مفلح لکھتے ہیں: امام احمد سے کچھ چیزیں نقل ہوئی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ فضائل و مستحبات میں ضعیف حدیث پر عمل نہیں کیا جاسکتا عمل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ نفس کو ثواب کی اور مخالفت میں عذاب کی امید ہو اور اس کی مثال اسرائیلیات کے دیرے ترغیب و ترسیت وغیرہ ہیں ان حکم شرعی کا اثبات کرنا جائز نہیں ہے، قاضی ابوبکر ابن العربی لکھتے ہیں کہ ضعیف احادیث پر مطلق طور پر عمل نہیں کیا جاسکتا، » مجلہ المنارج ۳۱ ص ۱۲۸ «

متعدد طرق: علامہ سید رشید رضا کہتے ہیں،

بعض احادیث » یہاں تک کہ جن کی سند بھی صحیح نہیں ہے « کے بارے میں محدثین کہتے ہیں: ان کے متعدد طرق انھیں قوی بنا دیتے ہیں، یہ محدثین کا قاعدہ ہے چنانچہ اپنی کتاب میں اس کی طرف اشارہ » بھی « نہیں کیا ہے اور نہ ہی سنت رسولؐ سے ثابت ہے، یہ نظری مسئلہ ہے مطرود نہیں ہے، تعدد طرق کے مسئلہ کا ایسے ہی باطل ہونا شرعی اعتبار سے یقینی ہے جیسے غرائیق کے مسئلہ کا یا اس کا نقلی طور پر باطل ہونا یقینی ہے لہذا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ

ممکن ہے کہ ان سب طرق نے باطل پر اجتماع کیا ہو، صحیح حدیث کیلئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ نفس الامر میں مقطوع بہ ہو،

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

اور جب علماء یہ کہتے ہیں کہ حدیث صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس حدیث کی سند مذکورہ تمام اوصاف سے متصف ہے اور اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ نفس الامر میں مقطوع بہ ہو،

اور یہ ان اخبار میں سے نہیں ہے کہ جن کو قبول کرنے پر امت کا اتفاق ہو اور اسی طرح جب علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے تو اس کا مطلب نہیں ہوتا کہ وہ نفس الامر میں جھوٹی ہے، ممکن ہے وہ نفس الامر میں صادق ہو بلکہ علماء کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی اسناد مذکورہ شرط کی بنا پر صحیح نہیں ہے، ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے: کسی حدیث کے بارے میں علماء کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور متن صحیح نہیں ہے یا اس کی اسناد صحیح نہیں ہے متن صحیح ہے، یا اسناد مجہول اور متن مجہول ہے یا اسناد صحیح ہے اور متن بھی صحیح ہے یا اسناد ضعیف ہے اور متن ضعیف ہے۔

زین العزاقی، متوفی ۸۸۵ھ نے اپنی کتاب الفید میں تحریر کیا ہے:

اہل حدیث کہتے ہیں: ”یہ حدیث صحیح ہے: تو اس سے“ ظاہری اسناد پر عمل کرتے ہماری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ ”ان کی مراد وہ ہے جو نفس الامر میں جس کی صحت کا یقین نہ ہو کیونکہ ثقہ سے بھی خطا و نسیان ہو سکتا ہے، یہ ہے وہ صحیح جس پر اکثر اہل علم کا اتفاق ہے برخلاف اس شخص کو جو یہ کہتا ہے کہ خبر واحد علم ظاہر کا سبب ہوتی ہے... اور ایسے ہی محدثین اس قول کا مقصد کہ ”حدیث ضعیف ہے“ یہ ہے کہ اس میں ہمیں صحت کے شرائط نہیں ملے

ہیں نہ کہ وہ نفس الامر میں جھوٹی ہے کیونکہ کذاب بھی سچ بول سکتا ہے اور کثیر الخطا کی بات بھی صحیح ہو سکتی ہے، پھر کہتے ہیں: اگر کسی چیز کی اصل صحیح ہے تو اس کا لازم یہ نہیں ہے کہ وہ صحیح ہے، اور سمجھانے اپنی کتاب قواعد، میں بیان کیا ہے کہ صحیح صرف ثقات کی روایت ہی سے نہیں پہچانی جاسکتی ہے بلکہ فہم و معرفت، کثرت، سماع اور مذاکرہ سے پہچانی جاتی ہے،

علماء کہتے ہیں کہ کسی حدیث کی صحت اس بات کا موجب نہیں بنتی ہے کہ وہ نفس الامر میں یقینی ہے کیونکہ ثقہ سے بھی بھول چوک ہو سکتی ہے،

نوی نے تقریب میں اکثر علماء و محققین کی طرف نسبت دی ہے کہ وہ کہتے ہیں: جو حدیث متواتر نہیں ہے اس سے ظن حاصل ہوتا ہے، اور شرح مسلم میں مرقوم ہے: کیونکہ یہ مفید ظن ہو آحاد کی خاصیت ہے اس سلسلے میں شیخین وغیرہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، محدثین متن کے غلط ہونے کی پروا نہیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب سند صحیح ہے تو متن بھی صحیح ہے،

۱. چنانچه که میفرمود: "وَلَا تَقْرَأُوا الْقُرْآنَ حَتَّى يَخْرُجَ الْغَيْثُ" (و قرآن را نخوانید تا باران نبارد).
 ۲. و چنانچه که میفرمود: "وَلَا تَقْرَأُوا الْقُرْآنَ حَتَّى يَخْرُجَ الْغَيْثُ" (و قرآن را نخوانید تا باران نبارد).
 ۳. و چنانچه که میفرمود: "وَلَا تَقْرَأُوا الْقُرْآنَ حَتَّى يَخْرُجَ الْغَيْثُ" (و قرآن را نخوانید تا باران نبارد).
 ۴. و چنانچه که میفرمود: "وَلَا تَقْرَأُوا الْقُرْآنَ حَتَّى يَخْرُجَ الْغَيْثُ" (و قرآن را نخوانید تا باران نبارد).
 ۵. و چنانچه که میفرمود: "وَلَا تَقْرَأُوا الْقُرْآنَ حَتَّى يَخْرُجَ الْغَيْثُ" (و قرآن را نخوانید تا باران نبارد).
 ۶. و چنانچه که میفرمود: "وَلَا تَقْرَأُوا الْقُرْآنَ حَتَّى يَخْرُجَ الْغَيْثُ" (و قرآن را نخوانید تا باران نبارد).
 ۷. و چنانچه که میفرمود: "وَلَا تَقْرَأُوا الْقُرْآنَ حَتَّى يَخْرُجَ الْغَيْثُ" (و قرآن را نخوانید تا باران نبارد).
 ۸. و چنانچه که میفرمود: "وَلَا تَقْرَأُوا الْقُرْآنَ حَتَّى يَخْرُجَ الْغَيْثُ" (و قرآن را نخوانید تا باران نبارد).
 ۹. و چنانچه که میفرمود: "وَلَا تَقْرَأُوا الْقُرْآنَ حَتَّى يَخْرُجَ الْغَيْثُ" (و قرآن را نخوانید تا باران نبارد).
 ۱۰. و چنانچه که میفرمود: "وَلَا تَقْرَأُوا الْقُرْآنَ حَتَّى يَخْرُجَ الْغَيْثُ" (و قرآن را نخوانید تا باران نبارد).

۱۹۱۹

بھی امیں بہت چھوٹا سا سر ہوتا ہے، اور جب علماء جرح و تعدیل نے روایت کے احوال سے اس لئے بحث شروع کی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے کسی کی روایت قبول کی جاسکتی ہے اور کسی کی نہیں، تو وہ اپنی پوری کوشش کے باوجود اس مقصد تک نہیں پہنچ سکے کہ جس تک رسائی ضروری تھی، اور جس چیز کی وہ تحقیق کرنا چاہتے تھے اس میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ انہوں نے اپنی انسانی طاقت کے مطابق بحث و تحقیق کی اور روایت کے ظاہری حالات سے آگے نہ بڑھ سکے لہذا اس سلسلے میں ان کی سمرزش نہیں کی جاسکتی کیونکہ لوگوں کے باطن اور ان کے بھیدوں کا سراغ لگانا محال ہے، اس سلسلے میں وزیر میانی روض الباسم میں لکھتے ہیں :

<http://fb.com/ranajabirabbas>

احتراز ممکن نہیں ہے اور عادل معصوم نہیں ہیں بلکہ عصمت رسولؐ بھی عام حالات میں وہم سے باز نہیں رکھتی ہے صرف تبلیغ وحی کے وقت باز رکھتی ہے اور بعض فرائض میں رسولؐ سے بھی وہم ہوا ہے، چنانچہ آپؐ سے ذوالہدین نے کہا: آپؐ نے غارِ قصر پڑھی ہے یا بھل گئے ہیں؟ ۱۔

اسی لیے حدیث کی ہر کتاب میں صحیح اور غیر صحیح بلکہ جعلی حدیثیں بھی موجود ہیں اور اس سے کوئی بھی کتاب یہاں تک کہ بخاری و مسلم کہ جن کو صحیح کہا جاتا ہے ان چندوں سے خالی نہیں ہے ان۔۔۔ بخاری و مسلم۔۔۔ کو بھی ناقذین نے نشانہ بنایا ہے،

جب ان کتابوں کا یہ درجہ ہے کہ ان میں متواتر یقینی احادیث نہیں ہیں بلکہ احادیث ہیں کہ جن سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے اور فقہاء اصولیین اور علماء کلام نے انہیں قبول نہیں کیا ہے اور نہ ان احکام کے پابند ہوئے ہیں،

اسی طرح علماء نحو انہوں نے بھی لغت کو نحو میں ان احادیث کو بطور مثال پیش نہیں کیا ہے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ احادیث صحیح اور متواتر نہیں ہیں اور اس صورت میں نہیں آئی ہیں جس میں رسولؐ نے فرمایا تھا بلکہ یہ بالعمی روایت کے درپہ آئی ہیں، اس سلسلے میں ان حجتوں میں سے ایک حدیث زو جہکھا بما معک، یہ آٹھ صیغوں میں آئی ہیں جبکہ یہ دو کلموں سے زیادہ نہیں ہے،

یہ تھی وہ چیز جسے ہم علماء کے اقوال کو نقل کرنے سے قبل پیش کرنا چاہتے ہیں :
ابن الصلاح کہتے ہیں :

جب علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ اس کی اسناد منکوحہ تمام اصناف سے متصل ہے اس کے شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ وہ نفس الامر میں آوے اور ہو،

اپنی شرح الفیہ میں عراقی اس سلسلے میں تاکید کرتے ہیں :

جب محدثین ایہ کہتے ہیں کہ : حدیث صحیح ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ

نفس الامر میں اس کی صحت یقینی نہیں ہے کیونکہ ثقہ سے بھی خطا و نسیان سرزد ہو سکتا ہے ،
سماعی اپنی قواطع میں کہتے ہیں : صحیح حدیث صرف ثقات کی روایت ہی سے
نہیں پہچانی جاتی ہے بلکہ فہم و معرفت ، کثرت اور مذاکرہ سے پہچانی جاتی ہے ،
حاکم کہتے ہیں : کتنی حدیث ایسی ہیں کہ جن کی اسناد میں ایک ہی ثقہ ہوتا ہے اور
وہ بہت سی کمزوریوں میں مثلاً :

عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں : حدیث کی معرفت الہام ہے اگر آپ کسی عالم سے
یہ کہیں کہ فلاں حدیث ضعیف ہے تو یہ کہاں سے ثابت ہے ؟ تو اس کے پاس جت نہ ہو ،
یہ تھیں وہ چند باتیں جو کہ علمائے اس حدیث کے بارے میں بیان کی ہیں جسکو انہوں نے
صحیح قرار دیا ہے ، دیکھئے ان احادیث کی کیا حیثیت ہے جو کہ ان کے نزدیک صحیح نہیں ہیں اور جنہیں
انہوں نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے ،

ان تمام باتوں کے باوجود وہ شخص کیا کرے گا جو کہ صحیح حدیث سے قرار دیتا ہے جس سے
نفس کو سکون اور دل کو اطمینان حاصل ہو جائے اور وہ کسی راہ پر گامزن ہو کر صحیح کو غیر صحیح سے جدا کرے گا
جب اس کے سامنے یہ اور ایسے ہی حیرت و شک میں مبتلا کر دینے والے قوال آئیں گے ؛ کس حدیث
کو قبول کرے گا اور کس کو رد کرے گا ؟ خصوصاً جب وہ ابن الصلاح کے آئمہ سے نقل کردہ فتاویٰ اور
اضاف حدیث سے مطلع ہو گا وہ کہتے ہیں :

حدیث کے بارے میں آئمہ کہتے ہیں :

- ① وہ حدیث جس کی اسناد و متن صحیح نہیں ہے ،
- ② یا جس کی اسناد صحیح نہیں ہے لیکن متن صحیح ہے ،
- ③ یا اسناد بھی مہول ہے اور متن بھی ،
- ④ یا اسناد بھی صحیح ہے اور متن بھی ،
- ⑤ یا اسناد بھی ہے اور یا متن بھی ضعیف ہے ،

یہ ہیں حدیث کی پانچ قسمیں ان میں ہر محقق الجھتا ہے اور اس سے گلو خلاصی کی کوئی راہ نہیں پاتا ہے کیونکہ علماء نے ان کی تعریف و حدود بیان نہیں کی ہیں اور نہ ان اصناف کے درمیان فرق قائم کیا ہے اور نہ ان پر پرکھنے کی کوئی مقرر کی ہے کہ جس سے لوگ ان سے واقف ہو سکتے، کبھی تو سند کی ان میں سے صحیح تک ہدایت ہو جاتی ہے لیکن اس پر عمل کرنے پر اس کا دل نہیں مانتا کیونکہ علماء کہہ چکے ہیں کہ حدیث کے صحیح ہونے کا یہ لازم نہیں ہے کہ نفس الامر میں بھی وہ یقینی ہے کیونکہ ثقہ سے خطا و نسیان کا امکان ہے، یہ ایک سرسری جائزہ تھا اس سلسلے میں ہم مزید بحث کو طویل نہیں دنیا چاہتے ہیں اس کے بعد ہم خدا سے ہی دعا کرتے ہیں،
اللهم ادرکنا برحمتک وھینئ لنا من امرنا رشد،

حدیث کی قسمیں

علماء نے حدیث کی بہت سی قسمیں قرار دی ہیں اور اس سلسلے میں کتابیں لکھی ہیں اور چونکہ ہماری ————— جیسا کہ پہلے بھی کہہ چکے ہیں ————— بحث فنی لحاظ سے اس علم سے نہیں ہے بلکہ ہم صرف تاریخ حدیث لکھیں گے لیکن ہم نے ان قسموں کی طرف اشارہ کرنا بھی مناسب سمجھا جو ہمارے موضوع کے سلسلے میں مفید ہیں کیونکہ ان سے روایت کے اختلاف کی معرفت ہوگی اور ان میں ہونے والے یہ تغیر و تبدل کا پتہ لگا،

مضطرب

ابن الصلاح کہتے ہیں: مضطرب وہ حدیث ہے جس کی روایت مختلف ہو،

بعض راوی ایک ہنج سے روایت کریں اور بعض دوسرے ہنج سے اور تیسرا طبقہ اور طریقہ سے... اور یہ اضطراب کبھی متن حدیث میں اور کبھی اسناد میں واقع ہوتا ہے اور کبھی یہ اضطراب ایک راوی سے واقع ہوتا ہے اور کبھی ایک جماعت سے حدیث کا اضطراب ضعیف ہونے کا سبب ہے کیونکہ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حدیث صحیح طرح ضبط نہیں ہوئی ہے، متن میں اضطراب کی مثال ابو بکر کی حدیث ہے انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول میں آپ کو بوڑھا دکھ رہا ہوں! فرمایا: مجھے سورہ ہود وغیرہ بوڑھا کر دیا ہے۔ یہ مضطرب ہے، کیونکہ یہ حدیث صرف ابواسحاق اسبی کے طریق سے مروی ہے اور اس حدیث کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے ان سے اس کی مرسل طریقہ سے روایت کی ہے، بعض نے ان سے موصول کے طریقہ سے روایت کی ہے اور بعض نے اس حدیث کو ابو بکر کی مسند سے قرار دیا ہے، اور بعض نے اسے سعدی مسند کہا ہے، کچھ نے عائشہ کی مسند بتایا ہے، اس حدیث میں دس طریقوں سے اختلاف ہے جنہیں دارقطنی نے قلم بند کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی اور جمع ممکن نہیں ہے۔

جزائری کہتے ہیں: اگر محدثین اس حدیث پر اضطراب کا حکم لگاتے ہیں کہ جس کے نفس متن میں اختلاف واقع ہو تو محدثین کی شان نہیں ہے بلکہ یہ کلم مجتہدین کا ہے ہاں محدثین یہ اس حدیث کو مضطرب کہہ سکتے ہیں جس کی اسناد میں اختلاف واقع ہو کیونکہ یہ ان ہی کا کام ہے۔

اور اس غماز میں اختلاف ہے جو کہ ذوالیہدین کے قصہ میں بیان ہوئی ہے۔

۱۔ ذوالیہدین کا قصہ صحیحین میں ابوبریرہ سے اس طرح مروی ہے کہ رسولؐ نے ہم لوگوں کے ساتھ ظہر یا عصر کی غازی پڑھی اور سلام پھیر دیا ذوالیہدین نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ آپ نے غماز قصر پڑھی ہے؟ رسولؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: کیا یہ سچ کہتا ہے؟ عرض کی ہاں تو آپ نے باقی ماندہ دو رکعت غماز پڑھی اور پھر دو سجدہ کئے۔

کیونکہ ایک مرتبہ راوی کو اس لحاظ سے شک ہوتا ہے کہ وہ نماز ظہر تھی یا نماز عصر، کبھی کہتا ہے وہ نماز ظہرین میں سے کوئی ایک نماز تھی یا ظہر تھی یا عصر، ایک مرتبہ یقین کے ساتھ ظہر کہتا ہے پھر یقین کے ساتھ عصر کہتا ہے پھر کہتا ہے ظن غالب یہ ہے کہ نماز عصر تھی، نسائی کی روایت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس ابو ہریرہ کی طرف سے شک ہوا ہے ان کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ رسولؐ نے نماز ظہرین میں سے ایک نماز اولیٰ، ابو ہریرہ کہتے ہیں: لیکن میں بھول گیا... بعض نے جمع کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ انہوں نے یہ کہا: یہ واقعہ دوبارہ رونما ہوا ہے اور بعض افراد نے اسی طرح جمع کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ہر روایت کو صحیح قرار دیا جاسکے کہ جس سے روایت کی طرف غلطی، سہو اور نسیان کی نسبت نہ دی جاسکے ان لوگوں نے روایات سے زیادہ روایات کو ترجیح دی ہے لہذا انہوں نے جمع کرنے کی پوری کوشش کر ڈالی،

علامہ جزائری کے اس قول کی مناسبت سے کہ محدثین نے متون پر زور نہیں دیا ہے، ہم یہاں علامہ رشید رضا کا قیمتی جملہ پیش کرتے ہیں جو کہ انہوں نے سورج کے غروب کے بعد جانے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے کہا تھا، یہ واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے، علماء حدیث متون کی غلطی پر بہت کم توجہ دیتے ہیں خصوصاً اس کے معنی و احکام پر ان کی پوری توجہ اسانید متون کے سیاق اور عبارات پر ہے اور اس کے مرفوع ہونے کے بارے میں اختلاف ہے جبکہ ممکن ہے کہ اس میں کچھ روایات کا کلام ہو جس کی رسولؐ کی طرف نسبت نہیں دی جاسکتی ہے، متون کی غلطی ان علماء پر آشکار ہوتی ہیں جو کہ اصول و فروع دین وغیرہ میں ان کی شرح کی تحقیق کرتے ہیں اگر وہ محدثین میں سے نہ ہوتے تو اس سلسلے میں اصول محدثین کی طرف رجوع کرتے، جیسے ان دس قول پر اگر سند صحیح ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نفس الامر واقع میں متن بھی ضرور صحیح ہے اور سند کے صحیح نہ ہونے کا اقتضاد یہ نہیں ہے کہ واقع اور نفس الامر میں وہ گڑھی گئی ہے،

اور ان کا یہ قول ”وضع حدیث کی علامات میں سے یہ بھی ہے“ اگرچہ اس کی

سند بھی صحیح ہو، کہ وہ نص قرآن کے خلاف ہو، ایسے ہی بعض اصول عقائد کے خلاف ہو، ان اعمال کے خلاف ہو جن پر اجاع ہے اور دونوں میں جمع کی کوئی صورت نہ ہو، اسی لئے علماء نے ابوہریرہ کی اس حدیث کو کہ جسکو مسلم نے نقل کیا ہے غلط قرار دیا ہے کہ زمین و آسمان سات روز میں خلق ہوئے ہیں،

شرح مسلم میں نووی کہتے ہیں: موضوع، مطلوب، شاذ، منکر اور مضطرب وغیرہ اس کی قسمیں ہیں جو کہ علم حدیث میں بیان ہو اے بعض علماء کا قول ہے کہ اس پر فضائل اعمال میں غل کیا جاسکتا ہے لیکن بزرگ اللہ نے اس سے منع کیا ہے، چنانچہ ادب شریعی میں ابن مفلح لکھتے ہیں:۔

امام احمد سے منقول ہے کہ فضائل اور مستحبات میں ضعیف حدیث پر عمل نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ کوئی چیز اس بات پر دلالت نہیں کرتی ہے، شیخ تقی الدین، ابن تیمیہ، کا کہنا ہے کہ ضعیف حدیث پر فضائل اعمال میں عمل نہیں کیا جاسکتا کہ علماء نے اس سے اعراض کیا ہے۔

ضعیف حدیث پر اس معنی میں عمل کرنا کہ نفس کو ثواب کی امید رہتی ہے یا عقاب سے ڈرتا ہے اور ترغیب و ترہیب کے سلسلے میں اس کی مثال اسرائیلیات، کلمات سلف، اقوال علماء، اور وقائع عالم وغیرہ سے آئی ہیں جس سے حکم شرعی کے استحباب وغیرہ استحباب حکم کا اثبات نہیں کیا جاسکتا ہے، لیکن انہیں ترغیب و ترہیب کے لئے ان جگہوں پر بیان کرنا جائز ہے جن کی شرعی دلیلوں سے تحقیق و تبیین کی جاسکتی ہے کہ ان میں نفع ہے نقصان نہیں ہے نفس الامر میں وہ خواہ حق ہوں یا باطل،

بعض بڑے علماء نے امام احمد کے قول ”کہ فضائل و مستحبات میں ضعیف حدیث پر

عل نہیں کیا جاسکتا ہے، ” پر حاشیہ لگایا ہے، خدا احمد پر رحم کرے وہ کتنے وسیع علم اور دقیق فہم کے مالک تھے، ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے بارے میں تو ان کا یہ قول ہے اور ایسی حدیثیں نقل کرنے میں تساہل سے کام لیا ہے کہ جن سے امت پر غلو اور اسلام کے منافی حرام عبادات کے دروازہ کھل گئے ہیں، یہاں تک بعض نے تو اس میں شعائر مقرر کر لئے ہیں اور کثرت و اجابت کی انجام دہی میں کوتاہی کرتے ہیں اور یہ چیزیں اسرائیلیات و خرافات کے قبول کرنے کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں ورنہ کتاب خدا اور سنت میں امت کیلئے یقینی عبادات و فضائل کی کمی نہیں ہے،

قاضی ابوبکر بن عربی مالکی کہتے ہیں: ضعیف احادیث پر بطور مطلق عمل نہیں کیا جاسکتا، یہی راہ صواب ہے! ۱

اور جب مخالفت قطعی کسی حکم کا سبب ہوگی تو ایسا یا تو اس وقت ہوگا جب حدیث تو صحیح ہو لیکن روایت نقد نہ ہونگے یا ان سے اس کے سیاق متن میں غلطی ہوئی ہوگی تو ضروری ہے کہ عقل و شعور کے اختلاف سے اس موضوع کو سمجھنے و سمجھانے میں بھی اختلاف ہوگا، چنانچہ جو لوگ یہ نہیں جانتے کہ سورج کہہ راض سے غائب نہیں ہوا ہے اور اس کے تمام باشندوں سے گھٹنے یا منٹ بھر کیلئے بھی غائب نہیں ہوتا ہے انھیں ابو ذر کی حدیث میں کوئی اشکال ہی نظر نہیں آتا کہ وہ غروب کے بعد کہاں ٹھہرتا ہے کیونکہ یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں جب سورج ان سے پوشیدہ ہو جاتا ہے تو سارے عالم سے چھپ جاتا ہے ۲

علامہ رشید کہتے ہیں: اگر روایات پر ان کے متن کے لحاظ سے بھی تنقید کی جاتی جیسا کہ سند کے اعتبار سے کی گئی تھی تو بہت سے متون اعتبار سے ساقط ہو گئے ہوتے ۳

۱۔ مجلہ المنار ج ۳۱ ص ۱۲۸،

۲۔ تفسیر المنار ۲۹ ص ۱۰، ۱۱،

۳۔ تفسیر المنار ج ۳ ص ۱۴۱،

مرحوم نبی پر سحر کئے جانے اور تحت عرش سوچ کے سجدہ کرنے والی آحادیہ شہ پر وارد ہونے والے اعتراضات سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

روایات کی بہت چیزیں کا حق تحقیق سے باز رکھتی ہیں ہاں وہ شخص تحقیق کر سکتا ہے جس نے اصنافِ علم کے قول کے سلسلہ میں اپنی عقل کو مستقل آزاد چھوڑ دیا ہو ، نیز لکھتے ہیں :

بے شک متون کے پر تنقید کا علم متکلمین و فقہاء کو محدثین سے زیادہ ہے اور وہ ان چیزوں کو بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں جو کہ اصول اعتقاد اور معقول کے موافق اور اس کے برخلاف ہیں ،

اس بات پر فریقین کا اتفاق ہے کہ مرفوع آحادیہ میں سے ہر اس حدیث کے متن کو صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا کہ جس کی سند صحیح ہو کیونکہ ممکن ہے کہ کسی راوی نے جان بوجھ کر یا بھولے سے خطا کی ہو اور اسی طرح ہر اس حدیث کے متن کو باطل نہیں کیا جاسکتا ہے کہ جس کی سند صحیح نہ ہو ، بلکہ علماء کہتے ہیں کہ کبھی واقع میں صحیح روایت کے لحاظ سے موضوع قرار پاتی ہے اور کبھی صحیح اسناد واقع میں موضوع ہوتی ہے ، ہمارا فرض اتنا ہے کہ ہم قواعد کی رعایت کرتے ہوئے ظواہر کو اختیار کریں جس کی سند صحیح تھی ہم اس کی روایت کو قبول کیا ، اور اسے متن میں قواعد اعتقاد اور عقلی دلائل سے بحث کی اور جو صحیح اسناد نہیں ہے ہم اسے حدیث نبوی نہیں کہہ سکتے ہیں اگرچہ اس کے معنی صحیح ہوں ۔

سید رشید نے جو کچھ کہا ہے اس کا لب لباب یہ ہے : علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سند کا صحیح و حسن ہونا اس بات کا اقتضاء نہیں کرتا ہے کہ حدیث بھی صحیح یا حسن ہے ، حاکم کہتے ہیں : کتنی ہی حدیث ہیں کہ جن کی سند میں صرف ایک ثقہ ہے وہ بھی معلول و اہل پس صحیح کو صرف اس کے راویوں کے ذریعہ نہیں پہچانا جاسکتا بلکہ اسے فہم و حفظ اور زیادہ سننے سے پہچانا جاسکتا ہے ،

ائمہ نقد میں سے دارقطنی وغیرہ نے متن سے متعلق چیزوں پر کماحقہ تنقید نہیں کی ہے اگرچہ اسناد پر سیر حاصل تنقید کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسناد سے متعلق تنقید کا مسئلہ بہت ہی نازک ہے اسے مشہور ائمہ حدیث ہی سمجھتے ہیں برخلاف متن کی تنقید کے مسئلہ کو شرعی علوم میں مشغول اور اصول و فروع کے محققین، مفسرین اور فقہاء اصولین میں سے بھی درک کرتے ہیں چنانچہ متن پر اکثر ائمہ حدیث نے تنقید کی ہے مگر اسناد پر تنقید کے سلسلے میں کچھ لکھنے والے بہت ہی کم ہیں، اسماعیل نے بخاری کی اس حدیث، ابراہیم روز قیامت اپنے بابا آئندہ سے ملاقات کریں گے جب کہ آرزو کے چہرے پر غبار پڑا ہوگا، کو لکھنے کے بعد جو کراہیوں نے ابوہریرہ سے نقل کی ہے لکھتے ہیں: اس حدیث کا صحیح ہونا اس لحاظ سے بعید معلوم ہوتا ہے کہ جناب ابراہیم جانتے تھے کہ خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے تو پھر ان کے باپ کو کیوں رسوا کریگا جبکہ جناب ابراہیم سے اس نے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں وعدہ خلافی نہیں کرتا ہوں اگرچہ سند کے لحاظ سے دارقطنی نے اس پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے، یہ حدیث ابراہیم بن طحمان نے ابن ابی ذئب سے انہوں نے سعید مقبری سے اور انہوں نے ابوہریرہ سے نقل کی ہے اور پھر اس سلسلے میں لکھتے ہیں ابراہیم بن طحمان کی حدیث پر بخاری نے اپنی تفسیر میں حاشہ لگایا ہے،

حدیث معلل

حدیث معلل، علوم حدیث کی اقسام میں سب سے زیادہ واضح و دقیق اور باریک ہے اس سے وہی شخص واقف ہو سکتا ہے جو کہ روشن دماغ و قاطع ہو اور اسانید و متون اور روایت کے اتوال سے بخوبی واقف ہو، حدیث معلل کو محدثین حدیث معلول کہتے ہیں وہ کہ جس کی علت معلوم ہو جائے لیکن اس کے صحیح میں نقص وارد کسے جبکہ حدیث کا ظاہر نقص سے محفوظ ہو اور یہ نقص اس اسناد میں سرایت کر جاتا ہے کہ جس کے رجال موثق ہوں اور بظاہر اس کے

صحیح ہونے کے شرائط مکمل ہو بلکہ کبھی حدیث کی اسناد میں اور کبھی متن میں علت واقع ہو جاتی ہے، اور اسناد میں واقع ہونے والی علت سے کبھی اسناد و متن دونوں کی صحت میں نقص وارد کرتی ہے،

متن کی علت و نقص کے بارے میں ہم ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں صرف مسلم نے انس سے حدیث نقل کی ہے کہ بلند آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھنا چاہیئے علماء نے کہا ہے کہ بلند آواز والا لفظ معلل ہے کیونکہ اکثر لوگوں نے اس کی روایت نہیں کی ہے بلکہ وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بغیر الحمد للہ رب العالمین پڑھتے تھے اس سلسلے میں بخاری و مسلم کا اتفاق ہے اور کہتے ہیں کہ مذکورہ لفظ کی بالمعنی روایت کی گئی ہے پس ان کے قول سے واضح ہو گیا کہ وہ قرأت کا آغاز الحمد سے کرتے تھے، بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے اس کے معنی یہ ہیں کہ جس سے وہ کسی سورہ کو پڑھنا شروع کرتے تھے وہ سورہ فاتحہ ہے اور اس میں بسم اللہ کا تذکرہ نہیں ہے اس سلسلے میں چند امور ہیں، انس سے منقول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کیا بسم اللہ سے آغاز کرنا چاہیئے انہوں نے اس سلسلے میں رسول ص سے کوئی چیز نقل نہیں ہوئی ہے،

اور کبھی اسم علت کا ان اسباب پر اطلاق ہوتا ہے جو حدیث میں نقص وارد کرتے ہیں اور انہیں صحیح سے ضعیف بنادیتے ہیں اور لفظ علت کا مقتضا کبھی عل کو مانع ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر علل حدیث کی کتابوں میں کذب و غفلت اور سوء فہم سے جرح ملتی ہے، ثقات کی احادیث میں علت کی کثرت ہو گئی ہے، وہ علت والی حدیث بیان کرتے رہے اور اس کے علم سے بیگانہ ہو گئے نتیجہ میں حدیث معلول ہو گئی اس سلسلے میں حفظ و فہم اور معرفت حجت ہے اور بس، عبد الرحمن بن مہدی کہتے ہیں: حدیث کی معرفت الہام ہے اگر آپ کسی عالم سے حدیث کی علت کے بارے میں پوچھیں: یہ کہاں سے بیان کی ہے تو یہ اس کے لئے حجت نہیں ہے،



مصحف و محرف

اس سے قبل ہم نے علامہ بطلیموس سے یہ نقل کیا تھا کہ امت میں جن چیزوں سے اختلاف پیدا ہوا ہے ان میں سے تصحیف بھی ہے، لیکن وہاں ہم نے تصحیف کے بارے میں بحث نہیں کی تھی اب ملاحظہ فرمائیں،

مصحف: وہ حدیث ہے کہ جس میں نقطہ کے بدل جانے سے عبارت و خط تو اپنی ہی حالت پر باقی رہے لیکن مفہوم بدل جائے جیسے یہ حدیث ”من صام رمضان و اتبوستنا من شوال“ نقطہ بدل جانے کی وجہ سے سنا شیئا ہو گیا، متن کی اسناد میں بھی تصحیف ہوئی ہے اسناد میں تصحیف کی مثال یہ ہے کہ بعض محدثین نے ابن مراحم کو ابن مزاحم کر دیا ہے، ابن الصلاح کہتے ہیں:

تصحیف شدہ احادیث کی اسناد اور متون کی معرفت بہت بڑا فن ہے، اس بار کو بڑے ماہر حفاظ ہی اٹھا سکتے ہیں اور وار قطنی انھیں میں سے ایک ہیں اس موضوع پر ان کی ایک گرانقدر تصنیف موجود ہے، ہم نے ابو عبد اللہ احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: خط و تصحیف سے کون بری نہیں ہے،

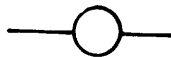
متن میں تصحیف کی مثال وہ حدیث ہے جو ابن لہیع نے موسیٰ بن عقبہ کی کتاب سے نقل کی ہے زید بن ثابت کہتے ہیں: ان رسول اللہ ﷺ احتم فی المسجد، میم کی جگہ ”ر“ اتھر تھ اس میں ابن لہیع نے تصحیف کی ہے۔

حدیث محرف کی قسمیں

مُحَرَّف وہ حدیث ہے کہ جس کے کلمات میں تغیر نہ ہوا ہو بلکہ شکل بدل گئی ہو اس کی مثال وہ چیز ہے جو بعض اعراب کے سامنے ملتا ہے، انہوں نے حدیث کی کتابوں میں سے بعض میں دیکھا کہ جب رسولؐ نماز پڑھتے تھے تو اپنے سامنے »عنزہ الحربہ عصا« رکھ لیتے تھے چنانچہ انہوں نے نون کو ساکن سمجھ لیا اور پھر اس حدیث کو جس طرح چاہا معنائ نقل کیا نتیجہ میں اس طرح نقل کیا ہے: کان ابنی اذا صلی نصب بین یدیه شاة! یعنی رسولؐ نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے بکری کھڑی کر لیتے تھے

مقلوب

وہ حدیث ہے جس میں تقدیم و تاخیر سے وجہ سے مفہوم بدل جائے جیسا کہ مسلم نے ابودرید سے روایت کی ہے کہ سات آدمیوں کو قیامت کے دن خدا اپنے عرش کے سایہ میں رکھے گا، حدیث تھی: ورجل تصدق بصدقہ اختاها حتی لا تعلم یمینہ ما تنفق شمالہ» یہ ایک راوی کی وجہ سے مقلوب ہو گئی ہے عبارت یہ تھی »حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ« جیسا کہ بخاری و مسلم میں وارد ہوا ہے، محدثین کی تصنیفات میں اس کی بہت سی مثال موجود ہیں،



حدیث کی مشہور کتابیں

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صحیح، حسن، اور ضعیف حدیث، "آحاد" کی قسمیں ہیں اور صحیح کے بارے میں علماء کے اقوال بھی پیش کئے تھے لیکن چونکہ اس سلسلے میں انہوں نے بہت کچھ کہا ہے اسلئے تمام اقوال کو یہاں بیان نہیں کیا جاسکتا ہے اور جب وہ یہ کہا ہے کہ جن مشہور کتابوں میں حدیث کی یہ قسمیں موجود ہیں وہ بخاری و مسلم، ابو داؤد، ترمذی، اور نسائی ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان میں سے ہر کتاب کے بارے میں کچھ بحث کریں اور افادیت کی خاطر مناسب ہے کہ ہم امام مالک کی موطا سے بحث کریں کیونکہ قرن ثانی میں لکھی جانے والی کتابوں میں سے یہی باقی رہ گئی ہے پھر اسکے مؤلف بھی صاحب منزلت اور مشہور مذاہب میں سے ان کا ایک مذہب ہے اور چونکہ بہت سے مسلمان امام احمد کی تقلید کرتے ہیں، ان کا ایک مذہب ہے اور ان کے مسند کی شہرت ہے لہذا اس مسند سے بحث کریں گے،

موطا سے ہم بحث کا آغاز کرتے ہیں کہ تالیف اور زمانہ کے لحاظ سے وہ سب

پر مقدم ہے۔

میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے، اس لئے کہ میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے،
 میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے، اس لئے کہ میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے،
 میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے، اس لئے کہ میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے،

میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے، اس لئے کہ میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے،
 میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے، اس لئے کہ میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے،
 میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے، اس لئے کہ میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے،
 میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے، اس لئے کہ میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے،
 میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے، اس لئے کہ میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے،

میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے، اس لئے کہ میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے،
 میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے، اس لئے کہ میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے،
 میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے، اس لئے کہ میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے،
 میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے، اس لئے کہ میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے،
 میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے، اس لئے کہ میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے،

میں نے اس کو اپنے لئے کر لیا ہے

سے ۵۰۰ اور رد کردیں، اور ابن ہباب کی روایت ہے: پھر مالک کتاب خدا اور سنت سے مطابقت کرتے رہے اور انہیں اخبار و آثار سے ملاتے رہے یہاں تک ان میں سے پانچ سو اور رد کردیں،

ابن فرجون نے مذہب فی معرفۃ اعیان المذہب کے دیباچہ میں لکھا ہے، عمیق زبیری کہتے ہیں: مالک نے موطاء میں تقریباً دس ہزار حدیثیں جمع کی تھیں پھر ہر سال اس پر نظر ڈالتے اور کچھ احادیث کو قلم زد کر دیتے تھے یہاں تک کہ یہ باقی بچی اگر کچھ دن اور زندہ رہتے تو پوری کتاب کو قلم زد کر دیتے۔

شرح زرقانی علی الموطاء میں ہے: مالک سال بہ سال اس کی تلخیص کرتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کیلئے اصلح اور دین میں نمونہ ہے۔

ابن ہباب لکھتے ہیں: مالک نے ایک لاکھ احادیث کی روایت کی ان میں سے دس ہزار موطاء میں جمع کیں پھر اس کی کتاب خدا اور سنت سے تطبیق اور آثار و اخبار سے اسکی مطابقت کرتے رہے یہاں تک کہ اس میں سے ۵۰۰ رد کردیں۔

الکلیا اللہ اس کہتے ہیں: موطاء مالک میں نو ہزار حدیث تھیں پھر ان کی تراش خراش کرتے رہے یہاں تک کہ پانچ سو ان میں رد کردیں۔

ابہری ابوبکر کہتے ہیں: مالک کی موطاء میں رسول اور صحابہ تابعین کے آثار ۱۷۲۰

ہیں ان میں سے ۶۰۰ حدیث سند ہیں، ۲۲۲ مرسل، ۶۱۳ موقوف، اور تابعین کے اقوال ۲۸۵ ہیں ہسیوطی نے اپنی تقریب میں ابن حزم سے نقل کیا ہے، میں نے موطاء کی حدیثوں اور جو کچھ سیفان بن عیینہ کی حدیث میں پسب کو شمار کیا تو دونوں میں مجھے ۵۰۰ کچھ سنسن ۳۰۰ مرسل

اور ان میں سے ستر سے زائد احادیث پر خود مالک نے عمل نہیں کیا ہے، بعض علماء نے کہا ہے: سب سے پہلے مالک نے صحیح تالیف کی لیکن وہ اپنی کتاب میں اس کے پابند نہ رہ سکے بلکہ اس میں مرسل، منقطع، بلاغت ایسی احادیث بھی داخل کر دیں، جیسا کہ حافظ ابن عبد البر نے بیان کیا ہے، پس موطا محض صحیح نہیں ہے،

ان کی روایات کا اختلاف

مالک سے مختلف روایات کی گئی تھیں چونکہ ترتیب ابواب کے لحاظ سے مختلف ہیں اور احادیث کے اعداد میں بھی مختلف ہیں یہاں تک کہ یہ روایات بیس نسخوں میں مرقوم ہیں بعض نے کہا ہے کہ بیس نسخوں میں ہیں، عبد العزیز دہلوی اپنی کتاب "بستان المحدثین" میں لکھتے ہیں "بلاد عرب میں آج کل موطاء کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں، سولہ نسخے شمار کئے ہیں اور ہر نسخے کا خاص راوی ہے، ابو القاسم بن محمد بن حسین شافعی کہتے ہیں:

مالک کی گیارہ موطات مشہور ہیں، وہ مثنیٰ میں ایک دوسرے سے قریب ہیں ان میں سے چار متعل ہیں، موطا یحییٰ بن یحییٰ، موطا ابن بکر، موطا ابی مصعب اور موطا ابن وہب پھر آخری دو کو ضعیف قرار دیا ہے، اور تقدیم و تاخیر کمی زیادتی اکبر و اکثر کے اعتبار سے روایات میں بہت زیادہ اختلاف ہے، ابی مصعب کی روایات ہیں: ابن حزم کہتے ہیں: تمام موطات میں ابی مصعب کی تقریباً سو روایات زیادہ ہیں، سیوطی لکھتے ہیں: محمد بن الحسن کی روایات میں تمام موطات کی بہ نسبت اضافہ

ڈاکٹر احمد امین نے اس اختلاف کے سبب کی تحلیل بیان کی ہے کہ یہ ہیں :
 مالک نے اپنے تالیف کردہ نسخہ پر توقف نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس میں رد و بدل کرتے
 رہے جیسا کہ ہم سے بتایا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ احادیث کی چھان بین کرتے اور ان میں سے جس کی محبت
 ثابت نہ ہوتی اسے حذف کر دیتے تھے پس جن لوگوں نے موطاء سنی تو انہوں نے مختلف زمانوں
 میں سنی اسی لئے موطاء کے نسخوں میں اختلاف ہے اور نسخے ہمارے پاس باقی رہ گئے ہیں یحییٰ بن الیشی
 کی روایت کی زرقانی شرح کی ہے، محمد بن حسن شیبانی ابو حنیفہ کے دوست کی روایت میں بہت
 سی ایسی چیزیں ہیں جو کہ یحییٰ کی روایت میں نہیں ہیں، مالک سے روایت کردہ چیزوں میں انہوں
 نے اپنی رائے بھی شامل کر دی ہے، اکثر کہتے ہیں، قال محمد

موطاء کی تالیف کا سبب و زمانہ

موطاء منصور کے آخری زمانہ ۷۵ھ میں تالیف کی گئی اور شافعی کے بقول اس کا
 سبب یہ تھا کہ ابو جعفر منصور جب مدینہ آیا تو اس نے مالک کے پاس ایک آدمی کو بھیجا اور ان سے
 کہا : عراق میں لوگوں میں اختلاف ہے لہذا لوگوں کیلئے ایک کتاب لکھئے ہم اس پر سب کو جمع کریں
 گے چنانچہ انہوں نے موطاء تالیف کی، اور شافعی کے غیر کی روایت میں ہے کہ منصور نے ان تمام
 باتوں کے علاوہ مالک سے کہا : اس میں ابن عباس کے شواہد سے، ابن عمر کی شدت سے اور ابن عمر
 کی نرمی سے پرہیز کیجئے، تو اس سے مالک نے کہا : اے امیر المومنین میرے صحیح نہیں ہے کہ ہم لوگوں کو اس
 آدمی کی رائے پر جمع کریں کہ جس سے غلط و صحیح افعال صادر ہوتے ہیں اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے
 ہیں، منصور حدیث اور اس کی تحقیق کو اہمیت دیتا تھا ابن عبد البر نے روایت کی ہے کہ

مدینہ میں سب سے پہلے جس نے موطاء کے معنی پر ایک کتاب لکھا اگرچہ اس پر اہل مدینہ کا اتفاق نہیں تھا، وہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن سلمہ ماجشون متوفی ۱۶۸ھ تھے، موطاء لکھنے سے قبل مالک نے اس میں غور کیا تھا،

مالک پر ابن معین کی تنقید

ابن معین کہتے ہیں: مالک محدث نہیں تھے، صاحب رائے تھے، لیث بن سعد کہتے ہیں: میں نے مالک کی موطاء سے ستر مسائل اخذ کئے اور وہ سب سنت رسول مکرم کے خلاف تھے،

مالک نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے، دارقطنی نے ایک باب اس عنوان کے تحت تالیف کیا ہے کہ جس میں موطاء وغیرہ کی احادیث کے بارے میں مالک کی مخالفت کی گئی ہے اس باب میں بیٹل سے زائد حدیثیں ہیں اور یہ دمشق کے محفوظات النظار میں موجود ہیں۔

بخاری اور ان کی کتاب

بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری فارسی ہیں، بخاری ۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے اور حدیث کی تلاش میں سفر کیا اور شہروں میں گشت کیا، اور حرم شریف میں اپنی کتاب کے ابواب نویسی کی ابتداء کی اور اس کی تصنیف کے سولہ سال بصرہ وغیرہ میں صرف کئے یہاں تک بخاری کامل ہو گئی، سمرقند کے قریب خرتیمک میں ۲۵۶ھ میں انتقال کیا،

ابن جریر نے فتح الباری کے ”ص ۱“ مقدمہ میں روایت کی ہے کہ ابو علی غسانی نے ان ”بخاری“ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں جب لاکھ احادیث میں سے صحیح کو نکالنا

بخاری سے اسما عیسیٰ نے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے اس کتاب میں صرف صحیح حدیثیں ہی جمع کی ہیں اور زیادہ صحیح چھوٹی گئی ہیں، نیز کہا: مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں حفظ ہیں اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں^۱، قارئین کو بخاری کے زمانہ میں حدیثوں کی یہ تعداد دھوکہ میں نہ ڈالیں کیونکہ امام احمد سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: سات لاکھ حدیثیں صحیح ہیں اور وہ ساری اس جوان «یعنی ذراعہ» کو یاد ہیں،

حافظ ابوبکر محمد بن عمر رازی کہتے ہیں: ابو ذراعہ کو سات لاکھ حدیثیں حفظ تھیں، اکتالیس ہزار صرف تفسیر میں یاد تھیں^۲۔

بخاری کی جمع آوری کا سبب

حافظ بن حجر اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں: جس چیز نے بخاری کو صحیح حدیث جمع کرنے کی ہمت دلائی اور اس سلسلے میں ان کے عزم و ارادہ کی تقویت کی وہ ان کے استاد فقہ و حدیث میں امیر المؤمنین اسحاق بن ابراہیم خنظلی المعروف بن راہویہ کا قول تھا، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری کہتے ہیں: ہم اسحاق بن راہویہ کے پاس تھے، انہوں نے کہا: اگر رسولؐ کی صحیح سنت کو تم ایک مختصر کتاب میں جمع کرتے؟ ان کی یہ بات میرے دل میں اتر گئی اور میں صحیح احادیث کی جمع آوری کا کام شروع کر دیا اور صحیح کو چھ لاکھ حدیثوں سے نکالا^۳۔

۱۔ مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۲۰۱،

۲۔ توجیہ النظر ص ۴،

۳۔ مقدمہ فتح الباری ص ۴،

بخاری مختار روایت کرتے تھے،

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب تاریخ بغداد میں روایت کی ہے انہوں نے ایک روز بخاری کے بارے میں گفتگو کی اور بخاری سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا: میں نے بہت سی حدیثیں بصرہ میں سنیں اور انھیں شام میں لکھا اور بہت سی حدیثیں شام میں سنیں اور انھیں مصر میں لکھا ان سے کہا گیا: اے ابو عبد اللہ کیا مکمل لکھیں؟ اس پر وہ خاموش ہو گئے!

بخارہ کے والی حیدر ابن جعفر کہتے ہیں کہ ایک روز مجھ سے محمد بن اسماعیل نے کہا: میں نے بہت سی حدیثیں بصرہ میں سنیں اور انھیں شام میں لکھا اور بہت سی شام میں سنیں اور انھیں مصر میں لکھا تو میں نے ان سے کہا: مکمل اے ابو عبد اللہ؟ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

محمد بن ازہر سجستانی لکھتے ہیں: میں سلیمان بن حرب کی مجلس میں رہتا تھا ہمارے ساتھ بخاری بھی ہوتے تھے وہ صرف سنتے تھے لکھتے نہیں تھے، بعض نے کہا: انہیں کیا ہو گیا ہے کہ لکھتے نہیں ہیں؟ راوی کہتا ہے کہ انہوں نے بخاری اپنے حافظے سے لکھ ڈالی۔
ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: بخاری کے نوادر میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مکمل حدیث کو ایک ہی سند سے دو فقراتوں میں روایت کرتے ہیں۔

۱۔ ج ۲ ص ۱۱،

۲۔ من ہدی الساری ج ۲ ص ۲۰۱،

۳۔ ایضاً ص ۱۹۴،

۴۔ فتح الباری ج ۱ ص ۱۸۶،

بخاری اپنی کتاب کا مسودہ صاف کرنے سے پہلے مگر گئے

ظاہر ہوتا ہے کہ بخاری اپنی کتاب کو فیئر کرنے سے پہلے مگر گئے چنانچہ ابن حجر فتح الباری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ابو اسحاق ابراہیم بن احمد المستملی نے کہا: میں نے کتاب بخاری کی اصل سے، جو کہ محدث بن یوسف فربری کے پاس تھی، نسخہ برداری کی تو مجھے اس میں بہت سی ناقص چیزیں نظر آئیں کچھ مکمل و صحیح، کچھ تراجم تھے جو بعد میں ناپید ہو گئے، کچھ احادیث تھیں جو واضح نہیں تھیں لہذا ہم نے بعض کا بعض میں اضافہ کر دیا ہے،

ابو الولید باجی کہتے ہیں: جو چیز دس قول کی صحت پر دلالت کرتی ہے وہ ابو اسحاق المستملی کی روایت اور ابو محمد سرخسی کی روایت، ابو ہاشم الکشمیہ کی روایت اور ابو زید مروزی کی روایت ہے، تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے مختلف ہیں اگرچہ سب نے ایک اصل سے نسخہ برداری کی تھی اور اس کا سبب یہ ہے کہ جس کو جو چیز جہاں سے ملی اسے لے لی کسی بھی جگہ رکھ دی پھر اسی میں اضافہ کر دیا اس سے یہ چیز واضح کرتی ہے کہ آپ کو دو اشخاص کے حالات متصل ملیں گے جب کہ ان دونوں کے درمیان کوئی حدیث نہیں ہے۔

ابن حجر فتح الباری کے جز ہفتم میں لکھتے ہیں: مجھے بخاری کے کسی نسخے میں عبد الرحمن بن عوف، سعید بن زید کے حالات زندگی نہیں ملے ہیں، جبکہ یہ دونوں عشرہ مشرہ میں سے ہیں اگرچہ سیرت نبویہ کے اوائل میں سعید بن زید کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کیا ہے، میرے خیال میں یہ کتاب بخاری کے نقل کرنے والوں کے تصرفات کا نتیجہ ہے جب کہ مکرر بیان ہو چکا ہے کہ بخاری اپنی کتاب کا مسودہ صاف کرنے سے پہلے ہی مگر گئے تھے، کیونکہ جس نے ان اسامہ کو بیان کیا ہے اس نے ان کی افضلیت سابقیت اور سن وغیرہ کو ملحوظ نہیں رکھا ترتیب میں یہی چیز تقدیم کا باعث ہوئی ہے اور جب ان میں سے کسی کی بھی رعایت نہ لگی گئی تو اس سے یہ بات سمجھیں گئی کہ بخاری نے ہر ایک کے علیحدہ

حالات لکھے تھے لہذا نقل کرنے والوں نے ایک کو دوسرے سے ضم کر دیا ،
بخاری " بزم خود " پہلے شخص ہیں جس نے غیر صحیح سے صحیح کو جدا کیا ہے ، اور اپنی
کتاب میں اسی حدیث کو رقم کیا ہے جو ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوئی ہے ، یہ اس وقت کی بات ہے جب
تدوین حدیث ان سے پہلے ہو چکی تھی " جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور جن کتابوں میں صحیح اور غیر صحیح میں
تمیز کے بغیر روایت کی گئی ہے ، جیسے مسند احمد وغیرہ " یا جن کتابوں میں رسول مکی احادیث کے
ساتھ صحابہ کے اقوال اور تابعین کے فتاویٰ شامل ہیں " جیسے مطاہرین ممالک " اسلئے بخاری کے
بارے میں کہتے ہیں کہ صحیح کے بارے میں وہ پہلی کتاب ہے ،

اس کے باوجود حفاظ نے ان کی ایک سو دس حدیثوں پر تنقید کی ہے ان احادیث میں
سے تیس ایسی ہیں جن کو مسلم نے بھی نقل کیا ہے اور اٹھتر ایسی ہیں جن کو صرف بخاری نے نقل کیا ہے
جن لوگوں سے تنہا بخاری نے روایت کی ہے ، مسلم نے نہیں ان کی تعداد ۴۳۰ سے کچھ زیادہ
ہے ان میں سے تیس کو ضعیف کہا گیا ہے اور جن لوگوں سے صرف مسلم نے روایت کی ہے بخاری نے نہیں ان
کی تعداد ۶۲۰ ہے ان میں سے ایک سو ساٹھ کو ضعیف کہا گیا ہے اور ان دونوں کی ۲۱۰ احادیث پر
تنقید ہوئی ہے جن میں سے انہی سے کچھ کم بخاری کی اور باقی مسلم کی ہیں ۷
جن احادیث پر دارقطنی نے تنقید کی ہے ان کے بارے میں ابن حجر کہتے ہیں ،

بخاری میں اشکالات

سید محمد رشید رضا تنقید شدہ احادیث کو پیش کرنے کے بعد کہتے ہیں :

۱۔ مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۸۱ ،

۷۔ ایضاً ج ۲ ص ۱۱۱ ،

اس سلسلے میں جب قاری حافظہ کے نظریہ کا مطالعہ کرے گا تو ساری احادیث فن و مصطلح حدیث کے لحاظ سے قابل تنقید نظر آئیں گی، لیکن جب قاری خود شرح فتح الباری کا مطالعہ کرے گا تو اس کے منہ میں بھی بہت سے اسکالات نظر آئیں گے یا وہ ایک دوسرے کے معارض ہوں گے،

اگرچہ مختلف چیزوں کو جمع کرنے اور مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کی ہے ان میں سے بعض سے قاری خوش ہوں گے

ڈاکٹر احمد امین ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد جن کے سلسلے میں بخاری پر تنقید کی گئی ہے، لکھتے ہیں :

بخاری نے ایسے لوگوں سے بھی روایت کی ہے کہ بوثقہ نہیں تھے، چنانچہ حفاظ نے بخاری کی تقریباً انتہی رجال کو ضعیف قرار دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ بہت بڑی خشک ہے، رجال کے اسرار کی معرفت ایک محال کام ہے جس سے واضح طور پر لغزش ہوئی ہو اس کے بارے میں تو حکم لگانا آسان ہے لیکن جس کے حالات مخفی ہوں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں؟ پھر رجال کے سلسلے میں علماء کے دریا شدید اختلاف ہے بعض ایک شخص کو مؤثق قرار دیتے ہیں دوسرے اسے جھوٹا ثابت کرتے ہیں، اس کے بہت سے اسباب ہیں، پھر فقہین میں جرح و تعذیل کے قواعد کے بارے میں اختلاف ہے ان میں سے بعض خارجی و متمزلی ایسے بدعت گزاروں کی حدیث کو رد کرتے ہیں اور بعض ان کی اس حدیث کو قبول کرتے ہیں کہ جب تک تعلق ان کی بدعت سے نہ ہو، بعض کہتے ہیں اگر حدیث کے ضمن میں ان کی کوئی غرض ہے تو ان کی روایت قبول نہیں کی جائے گی اور اگر کوئی ان کے لئے محرک نہ ہو تو اسے قبول کیا جائے گا، کچھ محدثین اس سلسلے میں شدت پسند ہیں وہ دنیا کی طرف راغب لوگوں سے روایت نہیں کرتے ہیں خواہ کہنے ہی سچے اور یاد رکھنے والے ہوں جبکہ بعض محدثین ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں شرط یہ ہے کہ وہ عادل و صادق ہوں،

بعض نے تو محدث کا مذاق تک اڑایا ہے جیسے کسی نے روایت کی ہے کہ بعض لوگ راستے

میں ہیمانی رکھ دیتے اور خود چھپ جاتے تھے چنانچہ جب کوئی راہ روا سے اٹھانے کے لئے جھکتا تو یہ چلتے وہ شرمندہ ہوتا اور یہ اس کا مذاق اڑا لیتے تھے، چنانچہ بعض محدثین نے ایسے فتوے دے کر جن کے ذریعہ لعل و جوہر سے مملوٹ شیشہ گر کو لک میں پسیدہ ہر سکیں اور جب شیشہ گر چننا تو شیشہ گر کو لک چھوڑ دی اور اس کے غصے کے سبب زبردستی خریدنا پڑی اسی لئے بعض محدثین نے جرح کی اور بعض نے اسے عادل قرار دیا اور

اس میں کوئی حرج نہ سمجھا، اور کبھی اسباب میں جن کے بیان سے طول ہو جائے گا،

اسی لئے لوگوں پر حکم لگانے کے سلسلے میں محدثین کے درمیان اختلاف ہے اور نتیجے میں راوی کی روایت قبول کرنے اور اس سے روایت لینے کے بارے میں بھی اختلاف ہے، شاید اس کی واضح مثال ابن عباس کا غلام عکرمہ ہے اس نے حدیث و تفسیر سے دنیا کو بھر دیا ہے بعض نے اس کی طرف جھوٹ کی نسبت دی ہے اور یہ کہا ہے کہ وہی نظریہ تھا جو توارج کا تھا وہ امر کے انعامات قبول کرتا تھا، محدثین نے اس کے جھوٹ کے بارے میں بہت سی چیزیں نقل کی ہیں جیسے لکھتے ہیں کہ سعید بن مسیب نے اپنے غلام برد سے کہا تم میرے اوپر ایسے جھوٹ نہ باندھنا جیسے عکرمہ نے ابن عباس پر جھوٹ باندھا ہے، بہت سی احادیث کے بارے میں سعید بن مسیب نے اس کی تکذیب کی ہے قاسم کہتے ہیں: عکرمہ کذاب ہے صبح کو ایک حدیث بیان کرتا ہے اور شام کو اس کی مخالفت کرتا ہے، ابن سعد کہتا ہے: عکرمہ ایک دریا تھا اس کے بارے میں لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے جب کہ اس کی حدیث سے جت قائم نہیں کی ہے اسی کے ساتھ بعض لوگ عکرمہ کو ثقہ قرار دیتے ہیں اور اسے عادل تسلیم کرتے ہیں ہر طریقہ اسے بڑا ثقہ سمجھتے ہیں چنانچہ موصوف نے اپنی تاریخ و تفسیر کو اس کے اقوال سے بھر دیا ہے اسی طرح احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور یحییٰ بن معین وغیرہ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اسی وجہ سے محدثین کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف ہے بخاری اسے صادق سمجھتے ہیں چنانچہ اپنی صحیح میں اس سے بہت سی روایات نقل کی ہیں، مسلم اسے جھوٹا سمجھتے ہیں لہذا اس سے حج کے بارے میں صرف ایک حدیث نقل کی ہے اور اس سلسلے میں اس پر اعتماد نہیں کیا ہے بلکہ اس کی تقویت کیلئے سعید بن جبیر کی حدیث نقل کی ہے لہذا اس شخص پر حکم لگانا بہت مشکل ہے کہ جس کے حالات پوشیدہ ہوں حدیث

کی کوئی بھی جامع کتاب ایسی نہیں ہے کہ جس کے رجال پر حکم لگانے کے سلسلے میں محدثین کے درمیان اختلاف نہ ہو،

بخاری احادیث اور منکر ...

سید رشید رضا، اس سوال کا جواب دیتے ہوئے جو کہ ان سے ہوا تھا فرماتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بخاری جامع صحیح کلی طور پر فن حدیث میں صحیح ترین کتاب ہے اور دیگر کتب حدیث کی بہ نسبت اسے صحیح کہنا مناسب ہے اور ایسے ہی صحیح مسلم بھی لیکن اس میں بھی شک نہیں ہے کہ احادیث کی بعض کتابوں میں ان دونوں سے زیادہ صحیح احادیث پائی جاتی ہے جبکہ انہوں نے بخاری وغیرہ کے روکتے ہوئے راوی سے روایت نہیں کی ہے، لاکھوں روایت شدہ احادیث سے اس بات کی تائید ہوتی ہے، انہوں نے جس چیز کی بھی نفی کی ہے وہ صحیح اور ثابت کو واضح کرنے کی غرض سے کی ہے یہ دعویٰ کہ بخاری کی احادیث میں موضوع احادیث ہیں، ”منا نقل ہوئی ہیں کہ جسکو علم روایت میں موضوع کہتے ہیں، تو یہ صحیح نہیں ہے اسے کوئی ثابت نہیں کر سکتا ہے ہاں چند ایسی حدیثیں بخاری میں موجود ہیں جن کے متون قابل گرفت ہیں، ان پر وہ علامتیں صادق آتی ہیں جو وضع کی ہیں جیسے بعض نے رسول پر سحر ہونے والی حدیث بیان کی ہے بعض علماء جیسے متقدمین سے امام جصاص اور متاخرین میں سے امام محمد عابد نے اس حدیث کا انکار کیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ حدیث خدا کے اس قول ”وقال الظالمون ان تبعتون الا رجلا مسحورا“ کے معارض ہے،

پھر بخاری میں ایسی احادیث ہیں جو عادات و غرائز سے تعلق رکھتی ہیں اصول و فروع دین سے ان کا ربط نہیں ہے جبکہ قاری ان چیزوں میں اچھی طرح غور کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ نہ ان کا تعلق اصول ایمان سے ہے اور نہ ارکان اسلام سے کہ جس سے مسلمان کا بخاری کی تمام احادیث پر ایمان لانا ضروری ہے خصوصاً جب حدیث جعلی ہو بلکہ کسی نے اسلام کے صحیح ہونے کے بارے میں

یہ شرط نہیں لگائی ہے اور نہ کہا ہے کہ اسلام کی تفصیلی معرفت وہی رکھتا ہے جو کہ صحیح بخاری سے مطلع ہے اور اس کی تمام چیزوں کا اقرار کرتا ہے، آپ کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ علم کے بعد کوئی مسلمان بھی ان احادیث میں سے کسی حدیث کا انکار نہیں کر سکتا ہے ہاں جب اسے ایسی دلیل مل جائے گی کہ جس سے حدیث کے متن و سند میں سقم ثابت ہوگا تو وہ اس کا انکار کرے گا پس جن علما نے بخاری کی بعض احادیث کی صحت کا انکار کیا ہے تو انہوں نے خواہ مخواہ نہیں کیا ہے بلکہ دلیلوں سے کیا ہے ان میں سے بعض صحیح اور چند غیر صحیح ہیں لیکن اس چیز کے بارے میں کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ یہ اسلام پر حملہ ہے۔

پھر خدا نے کسی مسلمان کو یہ رحمت نہیں دی ہے کہ وہ صحیح بخاری پڑھے اور اس کی ہر حدیث پر ایمان لائے خواہ وہ اس کی نظر میں صحیح ہو یا نہ ہو یا وہ اس بات کا اعتقاد رکھتا ہو کہ وہ اسلام کے منافی ہے،

سبحان اللہ!! کروڑوں حنفی مسلمان کہتے ہیں کہ رکوع میں جائے اور اس سے ستر اٹھاتے وقت شرعی لحاظ سے ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے لیکن بخاری نے اپنی صحیح وغیرہ میں دسیوں صحابہ سے سنی اسانید کے ذریعہ اس کی روایت کی ہے لہذا نہ ان کے لئے اس میں کوئی حرج ہے نہ گناہ کیونکہ یہ ان کے امام کے نزدیک صحیح نہیں ہے پھر وہ اس سلسلے میں بخاری کی اسانید سے بھی واقف نہیں تھے اور ان کا اہم مذہب جو بھی بخاری کا عالم بن جاتا ہے وہ اس کے صحیح ہونے کا معتقد ہو جاتا ہے اور پھر علم و عمل اور اسلام سے دفاع و تبلیغ میں ممتاز اس مسلمان کو کا فرق قرار دیتا ہے کہ جو کسی دلیل یا شبہ کی بنا پر بخاری کی اس روایت کو صحیح نہیں مانتا ہے جو کہ مجہول اور اسلام میں غیر معروف ہے یہ شخص عبد بن حنین ہے اور پھر اس کا متن اسلام کے عقائد، اس کی عبادات اور شریعت سے نہیں ہے نہ مسلمانوں نے اس پر عمل کرنے کو ضروری سمجھا ہے بلکہ تقلید کرنے والے مذاہب نے بھی اس پر عمل کیا ہے

بلکہ ان مذاہب کے پیروکاروں نے تو احادیث پر بھی عمل نہیں کیا ہے جو بخاری اور مسلم کے نزدیک صحیح ہیں، جنہیں صحابہ کبار نے نقل کیا ہے، محقق ابن قیم نے اپنی کتاب احکام الموقعین، اس سلسلہ میں سو سے زائد مثالیں پیش کی ہیں اور جس شخص کو اس میں کافر کہا گیا ہے وہ ڈاکٹر محمد توفیق صدیقی ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کتاب خدا کے بعد صحیح ترین کتاب ہے لیکن بخاری اور اس کے روایت معصوم نہیں ہیں اور نہ اس کی روایت میں ہر شک کرنے والا کافر ہے متاخرین کے عقلا کیلئے تکفیر کرنا کتنا آسان کام ہے، حسبن اللہ ونعم الوکیل۔

ابن توری کی کتاب "الانتصار" میں ہے صحیحین کی جن احادیث پر شافعی نے عمل نہیں کیا ہے ان کی

بخاری اور اہل شام

ذہبی نے ابو عمرو حمدان سے نقل کیا ہے: میں نے ابن عقدہ سے پوچھا کون بڑا حافظ تھا، بخاری یا مسلم؟ کہنے لگے محمد عالم تھے اور مسلم عالم ہیں، میں نے بار بار یہی سوال کیا تو کہا اہل شام کے بارے میں محمد بخاری سے ایک غلطی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ بخاری نے ان کی کتاب میں اس کا مطالعہ کیا اور اکثر جگہوں پر ایک کسی شخص کی کینیت لکھی اور کہیں اس کا نام رقم کیا انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ دو آدمی ہیں لیکن مسلم سے غلطی ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے مساند لکھی ہیں لیکن مقاطع و مرائیل کو نہیں لکھا ہے،

بخاری اور مسئلہ خلق قرآن

ابو عبد اللہ رحمہ اللہ حکم اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں: ۲۵ھ میں بخاری نیشاپور آئے تو لوگ ان سے حدیث سننے کیلئے ان کے پاس گئے ایک روز ایک شخص نے لفظ قرآن کے بارے میں سوال کیا تو کہا: ہمارے افعال مخلوق ہیں اور ہمارے الفاظ ہمارے افعال سے تعلق رکھتے ہیں، اس سے اختلاف پیدا ہو گیا تھوڑے دنوں بعد لوگوں نے محمد بن یحییٰ دھلی کو ان کے خلاف درغلا یا انہوں نے کہا: جس نے یہ بات کہی ہے وہ بدعتی ہے اور اس سے قطع تعلق کر لینا ضروری ہے چنانچہ اس کے بعد جو بھی بخاری کے پاس جاتا تھا اس پر تہمت لگائی جاتی تھی اس وجہ سے بخاری کے پاس وہی جاتا تھا جو ان کے مذہب کا پیروکار ہوتا تھا، اس طرح لوگ بخاری سے الگ ہو گئے ہاں مسلم بن حجاج اور احمد بن سلمہ سے ان کا ربط برقرار رہا دھلی نے کہا: آگاہ ہو جاؤ جو لفظ کا قائل ہے اس کے لئے ہماری مجلس میں آنا جائز نہیں ہے، مسلم نے اپنی رد اکو عمامہ پر کھینچا اور کھڑے ہو کر اپنے شاگردوں کو جمع کیا اس سے بخاری کو خطرہ لاحق ہوا لہذا وہ نیشاپور سے کوچ کر گئے۔

بخاری کی روایات کے تعدد میں اختلاف

فریری نے بخاری کی احادیث کی تعداد ابراہیم بن منقل نسفی سے دو سو زائد بیان کی ہے اور عراقی کہتے ہیں کہ نسفی نے حاد بن شاکر نسفی سے سو احادیث زائد بتائی ہیں۔

۱۔ بدی الساری ج ۲ ص ۳۳ و ۳۴،

۲۔ شروط اللہ الخ ص ۵۸،

حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ بخاری کا جو متن بلا تکرار ہے اس
لحاظ سے بخاری کی احادیث ۲۶۰۲ ہیں اور معلقہ متن میں ۱۵۹ ہیں کل تعداد ۲۷۶۱ ہے اور
شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ ان کی تعداد ۲۵۱۳ ہے ۱۔

jabir.abbas@yahoo.com

مسلم اور ان کی کتاب

ابوحنیفہ مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوریؒ میں پیدا ہوئے اور ۲۶۸ھ میں وفات پائی۔ ترتیب و جمع آوری میں انہوں نے بخاری کی پیروی کی اور استنباط کی طرف مائل نہ ہوئے ان کی کتاب آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کیونکہ انہوں نے ہر حدیث کا ایک موضوع مقرر کیا ہے وہیں اس کے طرق متعدد اسناد اور اس کے مختلف الفاظ بیان کر دیئے ہیں، وہ بخاری کے برخلاف معنار وایت نہیں کرتے ہیں اور نہ حدیث میں وہ صحابہ و تابعین کے اقوال شامل کرتے ہیں، ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے: مسلم نے اپنے ہی شہر میں اپنے بزرگوں کے سامنے اور بہت سے مشائخ کی حیات میں صحیح تصنیف کی، الفاظ کو محفوظ رکھا استنباط میں بخاری جیسا شیوہ اختیار نہیں کیا کہ ابواب میں حدیث کے ٹکڑے ٹکڑے بٹ جانا اس کا لازمہ ہے بلکہ مسلم تمام طرق کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے صرف احادیث پر اکتفاء کی ہے موقوفات کی طرف التفات نہیں کیا ہے ہاں کہیں کہیں ان کا ذکر آگیا ہے وہ بھی دوسروں کے اتباع میں نہ کہ مقصد کے تحت،

ان ہی سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے تین لاکھ مسموع حدیثوں پر مشتمل مسند تصنیف کی تھی لیکن ان کی کتاب کی حدیثوں کی تعداد چار ہزار ہے۔

شرح مسلم میں نووی فرماتے ہیں: مسلم کا یہ قول میں نے یہاں اپنی کتاب میں ہی

لکھا ہے جس پر اجماع ہے ”صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں ایسی بہت سی احادیث ہیں جن کی صحت کے بارے میں اختلاف ہے کیونکہ یہ اس سے نقل کی ہیں جس کی حدیث کے صحیح ہونے کے سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، ابن الصلاح نے بھی یہی کہا ہے،

سورۃ اخلاص کی تفسیر میں ابن تیمیہ لکھتے ہیں: مسلم نے جو یہ حدیث نقل کی ہے کہ زمین کی خلقت سینچر کے روز ہوئی ہے تو یہ ضعیف ہے اور اس پر نقص وارد کیا ہے، ائمہ حدیث بخاری وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ کعب الاحبار کا قول ہے، اور مسلم نے ایسی ہی دیگر احادیث بھی نقل کی ہیں کہ جن کا غلط ہونا واضح ہے مثلاً اسلام قبول کرتے وقت ابوسفیان نے یہ کہا: میں آپ سے ام حبیبہ کا عقد کرنا چاہتا ہوں جبکہ اس بات کو سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ رسولؐ نے ام حبیبہ سے ابوسفیان کے اسلام لانے سے بہت پہلے عقد کیا تھا، یا یہ کہ رسولؐ نے سورج گہن کی تین رکوع کے ساتھ نماز پڑھی تھی جبکہ صحیح یہ ہے کہ رسولؐ صرف ایک دفعہ دو رکوع کے ساتھ نماز پڑھی تھی،

جن احادیث کے سلسلے میں مسلم پر تنقید کی گئی ہے وہ ۱۳۲ ہیں اور ان کے ۱۱۰ رجال پر تنقید ہوئی ہے، حافظ ابو زرعہ رازی نے ”جبکہ ان کے سامنے کتاب مسلم کا ذکر ہوا“ کہا: لوگ وقت سے پہلے ہی آگے بڑھنا چاہتے ہیں لہذا وہ ایسی چیزیں یاد کرتے ہیں جس کے ذریعہ انہیں بڑھایا جائے، ایسی کتاب لکھتے ہیں جو ان سے پہلے کسی نے نہ لکھی ہو تاکہ وقت سے پہلے ہی بڑے بن جائیں،

ایک روز ایک شخص مسلم کی روایت کردہ کتاب صحیح ان کے پاس لایا وہ اسے دیکھنے لگے انہیں اسباب بن نصر کی حدیث نظر آئی، پھر موصوف قطن بن نسیس کی کتاب دیکھی اور کہا: یہ پہلی سے بلند ہے، قطن بن نسیس نے ثابت سے اور انہوں نے انس سے احادیث کا سلسلہ جوڑا ہے پھر غور کر کے کہنے لگے صحیح میں احمد بن عیسیٰ مصری سے روایت کی گئی ہے، پھر کہا: کیا وہ ان سے روایت کرتے ہیں اور محمد بن عثمان جیسوں کو نظر انداز کرتے ہیں اور بدعتی لوگوں کیلئے راستے کھوتے

ہیں کہ جب ان پر کسی حدیث سے جمت قلم کی جائے تو وہ یہ کہیں کہ یہ حدیث صحیح میں نہیں ہے
ابوزرہ اس کتاب کی بہت مذمت کرتے ہیں،

مسلم نے ابوزرہ سے جابر سے بہت سی معنی حدیثیں نقل کی ہیں، و حفاظ کہتے ہیں :
ابوزرہ محمد بن مسلم بن ندرس کی جابر کی حدیث میں تدیس کرتے تھے، جمت الوداع
کے بارے میں جابر و ابن عمر سے ایک دور وایتوں سے ایک حدیث نقل کی ہے ان روایتوں کے
بارے میں ابن حزم کہتے ہیں ان میں سے ایک یقیناً جھوٹی ہے،

حفاظ کہتے ہیں : جب مسلم اپنی کتاب صحیح مکمل کر چکے تو اسے ابوزرہ رازی کے پاس
لائے تو وہ اس کلام سے ناراض ہوئے اور کہا : تم نے اس کا نام صحیح رکھا ہے جبکہ بدعتی لوگوں کے لئے
اسے زیند بنا دیا تھا کیونکہ جب ان کے سامنے مخالف کوئی روایت پیش کرے گا تو وہ کہیں گے کہ
یہ صحیح میں نہیں ہے،

جب مسلم رے آئے تو ابو عبد اللہ محمد بن مسلم بن وارہ سے ملنے گئے تو وہ اس کتاب کے
سلسلے میں ان پر ناراض ہوئے اور ایسے ہی کلمات کہے جیسے ابوزرہ نے کہے تھے اس پر مسلم نے ان سے
معذرت کی اور کہا : میں نے یہ کتاب تالیف کی ہے اور یہ کہا یہ صحاح ہے یہ نہیں کہا کہ اس میں میں نے
کوئی ضعیف حدیث نقل نہیں کی ہے، لیکن اسے میں نے صحیح حدیث سے جمع کیا ہے تاکہ میرے
اور مجھ سے نقل کرنے والے کے پاس ایک مجموعہ محفوظ رہے اور اس کی صحت کے بارے میں شک نہ
کے۔

مسلم نے ان لوگوں سے بھی روایت لی ہے کہ جن سے بخاری نے اپنے نفس میں ابھرنے
والے شبہ کی وجہ سے روایت نہیں لی تھی ایسا نقل کرنے والے ائمہ کے حالات و مذاہب کے اختلاف

۱۔ شروط الاثر المفرد ص ۶۳ تا ۶۴، مؤلف حازمی،

۲۔ شروط الاثر المفرد، للقدسی ص ۱۰ و ۱۱،

کی وجہ سے ہوتا ہے چنانچہ جو راوی عبدالرحمن بن مہدی کے نزدیک ثقہ ہے وہ یحییٰ بن سعید قطان کے نزدیک ضعیف ہے اور جو موثر الذکر کے نزدیک ثقہ ہے وہ اہل الذکر کی نظروں میں ضعیف ہے جبکہ نقل میں تنقید میں یہ دونوں محور قطب سمجھے جاتے ہیں اور جو ان سے بخاری و مسلم پر تنقید کے سلسلے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں، بخاری و مسلم کے بارے میں بعض علماء کہتے ہیں:

محمد بن طاہر نے اپنی کتاب شروط الائمۃ الخس میں لکھا ہے، بخاری و مسلم دونوں نے اس راوی سے حدیث نقل کی ہے کہ جس کے بارے میں یہ اجماع ہے کہ اس نے مشہور صحابی سے نقل کیا ہے، عراقی اپنی کتاب شرح الغنیہ میں لکھتے ہیں: ابن طاہر کی بات صحیح نہیں ہے کیونکہ انسائی ایسے بہت سے راویوں کو ضعیف ثابت کیا ہے کہ جن سے بخاری و مسلم دونوں نے یا ان میں سے کسی ایک نے روایت لی ہے۔

بدراعتی کہتے ہیں: صحیح میں ایک جماعت ایسی ہے جس پر متقدمین نے تنقید کی ہے، اعلم الشامخ میں مقبلی لکھتے ہیں: صحیحین کے رجال میں بہت سے ایسے بھی ہیں جن کو ائمہ نے صریح طور پر مطعون کیا ہے اور ان کے بارے میں سخت انداز میں اظہار خیال کیا ہے اگرچہ ان دونوں کیلئے اپنے اجتہاد ہی پر عمل کرنا ضروری تھا،

ابن الصلاح کہتے ہیں: بخاری نے اس جماعت کے ذریعہ حجت قائم کی ہے کہ جس کو پہلے دوسرے مطعون کر چکے تھے جیسے ابن عباس کے غلام عکرمہ، اسماعیل بن ابی اویس، ماصم بن علی، عمرو بن مرزوق وغیرہ ایسے ہی مسلم نے سید بن سعید اور دیگر لوگوں سے حجت قائم کی ہے جبکہ ان کا مطعون ہونا مشہور تھا ایسا ہی ابو داؤد نے بھی کیا ہے۔

شیخ احمد محمد شاہ نے اپنی کتاب شرح الفیہ سیوطیہ میں لکھا ہے، صحیحین میں بہت سی احادیث تلمیس کرنے والوں سے نقل ہوئی ہیں یا اھریہ سب جانتے ہیں کہ تلمیس جرح کے اسباب

ما مقدم ابن الصلاح ص ۸۱، ما شرح الفیہ سیوطی ص ۳۶،

میں سے ایک ہے،
 شیخ محمد زاہد الکوثری کی کتاب شرح شروط الائمہ الخمسہ میں ابن الہمام سے نقل ہوا ہے
 کہ مسلم نے بہت سے افراد سے روایت کی ہے جو مخطوٹوں تھے ایسے ہی بخاری کی بھی ایک جماعت جرح
 سے محفوظ نہیں ہے، پس ان سے روایت لینے کے مسئلہ میں علماء کے اجتہاد کا دخل ہے ایسے ہی
 شرائط بھی ان کے اجتہاد کے رہیں منت ہیں کہ ایک شرط کو مقبر جانتا ہے دوسرا اسے اہمیت
 نہیں دیتا ہے ایک راوی کو ضعیف قرار دیتا ہے دوسرا اس کی توثیق کرتا ہے۔
 لیکن ان کے متون پر کسی نے اس لحاظ سے تنقید نہیں کی ہے کہ انہوں نے کتاب خلیات
 متواترہ کی مخالفت کی ہے کیونکہ اس کا تعلق متکلیف اور اصولین سے ہے۔

قاسمی کہتے ہیں کہ ارباب صحاح نے اہل رائے امام ابو یوسف امام محمد بن الحسن سے
 روایت نہیں لی ہیں ہاں اہل حدیث نے ان کے بارے میں نرم لہجہ اختیار کیا ہے جیسا کہ آپ میزان
 الاعتدال میں ملاحظہ کر سکتے ہیں ان دونوں کے آثار ان کے علمی شجر و وسعت کے شاہد ہیں بلکہ وہ اکثر حقا
 پر تقدم رکھتے ہیں۔ اسی طرح بخاری ائمہ اربعہ سے بھی روایت نہیں لی ہیں آپ کے سامنے
 اس سلسلے میں ایک قیمتی جلد پیش کیا جاتا ہے

علامہ عبدالحسین شرف الدین نے اپنی کتاب الفصول المہمہ فی تالیف الائمہ میں
 لکھا ہے: بخاری نے اپنی صحیح میں ائمہ اہل بیت بنوی سے حجت قائم نہیں کی ہے کیونکہ موصوف
 نے امام صادقؑ، امام کاظمؑ، امام رضاؑ، امام محمد تقیؑ، امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ سے
 روایت نہیں کی ہے جبکہ یہ ائمہ بخاری کے ہم عصر تھے اور نہ ہی حسن بن حسن، زید بن علی بن الحسینؑ سے
 روایت کی ہے، اسی طرح یحییٰ بن زید، نفس زکیہ محمد بن عبد اللہ اکامل بن الحسن الرضا بن الحسن
 السبط سے روایت کی زبان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ بن الحسن اور ان کے بھائی حسین انفتی

بن الحسن بن الحسن سے روایت کی ہے اور نہ ان کے بھائی ادریس بن عبداللہ اور محمد بن جعفر الصادقؑ
محمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن الحسن بن الحسن المعروف بہ ابن طباطبائی اور ان کے برادر قائم
الشرعی سے روایت کی ہے نہ ہی محمد بن زید بن علیؑ، محمد بن القاسم بن علی بن عمر الاشرف بن زین
العابدین صاحب الطائفان، نہ جو کہ بخاری کے معاصر تھے، نہ سے روایت کی ہے ایسے ثمرت طاہرہ
کے اور بہت سے سربراہ آوردہ افراد سے روایت نہیں کی ہے، مثلاً عبداللہ بن الحسن علی بن جعفر العریضی
وغیرہ سے روایت نہیں ملی ہے، سبط اکبر ابو محمد جو انان جنت کے سردار امام حسن مجتبیٰؑ سے حدیث نقل
کی ہے جبکہ اہلبیتؑ کے سخت ترین دشمن خوارج کے سربراہ و عمران بن حطان، نہ سے روایت کی ہے جو کہ
حضرت علیؑ پر ابن ملجم کی گولہ والی ضربت کے بارے میں کہتا تھا:

الایبلغ من ذی العرش رضوانا
اوفی البریۃ عند اللہ میزانا

یا ضربتہ من تقی ما اراد بھا
انی لا ذکرہ یوماً فاحبہ

صحیحین کی احادیث زیادہ صحیح ہیں

شرح ہدایہ میں امام کمال الدین فرماتے ہیں: جو شخص یہ کہتا ہے، صحیحین میں نقل ہونے والی
احادیث زیادہ صحیح ہیں اور پھر جو صرف بخاری نے نقل کی ہیں، پھر جو صرف مسلم نے نقل کی ہیں پھر وہ
حدیثیں زیادہ صحیح ہیں جو ان کی شرطوں پر مشتمل ہیں اس کے بعد وہ معتبر ہیں جو کسی ایک کی شرط پر مشتمل ہیں،
یہ حکم ہے اس سلسلے میں تقلید جائز نہیں ہے کیونکہ زیادہ صحیح ہونے کا معیار یہ ہے کہ بخاری و مسلم کی روایت
ان شرائط پر پوری اتریں جو کہ انہوں نے معتبر جاتی ہیں پس اگر یہ شرائط کسی حدیث کے راویوں میں پائی
جائیں تو یا اسے زیادہ صحیح نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ بخاری و مسلم میں نہیں ہے۔

الاستدک علی البخاری و مسلم

شرح مسلم میں نووی لکھتے ہیں: بعض لوگوں نے بخاری و مسلم سے کچھ حدیثیں جمع کی ہیں جن میں ان کی شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں لہذا دہ سے ساقط ہو جاتی ہیں کہ جس کے وہ پابند تھے، لہذا حافظ دارقطنی نے اس موضوع پر ایک کتاب الاستدراکات و التبع لکھی ہے اور ایسی دو سو حدیثیں ہیں،

ابو مسعود دمشقی نے بخاری و مسلم کی حدیثوں میں نقص نکالا ہے ایسے ہی علی الغسانی نے اپنی کتاب ”تقصید المہمل میں نقص وارد کیا ہے اور کہا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس کیلئے شیخان روایت کریں اسے بہت برا خزانہ مل گیا تو یہ زبردستی بڑا بنا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے،

بخاری نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے روز خندق فرمایا تھا کہ نماز عصر نہیں پڑھنی چاہیے مگر بنی قریظہ میں، ابن حجر کہتے ہیں: بخاری کے تمام نسخوں میں ایسے ہی آیا ہے جبکہ مسلم کے تمام نسخوں میں عصر کی بجائے ظہر ہے تعجب کی بات یہ ہے کہ دونوں کا شیخ ایک ہے اور شروع سے آخر تک سند بھی ایک ہے، ان دونوں نقطوں کے تغایر سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب بخاری و مسلم کے شیخ عبد اللہ بن محمد نے یہ حدیث بیان کی تھی تو دونوں نقطوں میں بیان کی تھی یا بخاری نے اپنے حافظ کی بنا پر نقل کی اور لفظ کی پروا نہ کی کہ موصوف کا یہی مذہب ہے وہ اپنے حافظ سے لفظ کی پروا کئے بغیر جائز جانتے ہیں جبکہ مسلم اسے جائز نہیں جانتے وہ لفظ کو نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں،

صحیحین میں دوسو سے زائد حدیثیں فائب سے نقل کی گئی ہیں اس سلسلے میں حافظ ضیاء مقدسی نے ”غرائب الصحیحین“ نامی کتاب تحریر کی ہے جس میں انہوں نے دوسو سے زائد غریب احادیث لکھی ہیں جو کہ صرف صحیحین میں نقل ہوئی ہیں۔

۱۔ شرح شروط الامۃ الجنتۃ، مولفہ حازمی ص ۱۳۱،

ابن امیر الحاج نے شرح النحریر میں لکھا ہے :
 جو شخص بخاری و مسلم کو دوسری کتابوں سے زیادہ صحیح سمجھتا ہے اس کے لئے یہ جانتا بھی
 ضروری ہے کہ یہ دونوں اپنے بعد والی کتابوں میں سے زیادہ صحیح ہیں اپنے سے قبل کے مجتہدین سے زیادہ صحیح
 نہیں ہیں یہ بات واضح ہونے کے باوجود بعض لوگوں پر محضی ہے یا اس میں مغالطہ کرتے ہیں اللہ سبحانہ
 اعلم ،

اس عبارت کے شارح کہتے ہیں : مقصد یہ ہے کہ شیخین اور اصحاب سنن کی ایک جماعت ان
 حفاظ کی ہمعصر تھی جو کہ فقہ اسلامی کا تدوین کے بعد پیدا ہوئے تھے جنہوں نے حدیث کو تقسیم کرنے پر
 زور دیا جبکہ ان سے پہلے مجتہدین علم و حدیث کے اعتبار سے کہیں بلند تھے ان کے پاس مرفوع و موقوف
 مرسل اور صحابہ و تابعین کے فتوے بھی موجود تھے ۔ پھر مجتہدین کی نظر میں حدیث کی قسم میں محدود
 نہیں ہے ، ملاحظہ فرمائیں وہ جوامع و مصنفات جو کہ ان اقسام کو بیان کرتی ہیں ان سے مجتہد
 بے نیاز نہیں ہے ارباب جوامع و مصنفات کتب صحاح سند کے مصنفین سے پہلے گزرے ہیں
 یہ مجتہدین اور ان کے اصحاب کے اصحاب تھے ، احادیث کی اسانید میں غور و فکر کرنا ان کے نزدیک
 آسان کلم تھا خصوصاً کسی مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال ہی اس کیلئے صحیح ہے ، صحاح ستہ
 کے ذریعہ ان کے بعد والی کتابوں پر رجعت قائم کی جاسکتی ہے ۔ لیکن یہاں جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ
 ہے کہ بعض متاخرین حفاظ لفظ و معنی میں عظیم اختلاف کی وجہ سے کسی حدیث کو اصل ستہ وغیرہ
 کی طرف منسوب نہیں کرتے ہیں ،

شرح الفیہ میں عراقی لکھتے ہیں : بیہقی نے سنن و معرفہ میں اور بخاری نے شرح ستہ
 میں اور دیگر علماء نے حدیث کی اپنے الفاظ و اسانید کے ساتھ روایت کی ہے اور انہیں بخاری و مسلم
 کی طرف منسوب کر دیا ہے جبکہ ان میں الفاظ و معنی کے لحاظ سے اختلاف ہے انہوں نے اصل حدیث
 کو مد نظر رکھا ہے الفاظ کی نسبت نہیں دی ہے ،

ایسا ہی نووی نے بھی ، الامم من قریش ، والی حدیث کے بارے میں فرمایا ہے اس

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

[illegible][illegible][illegible]

خواہش پوری کر دیں اس حدیث کی جو حیثیت ہے وہ واضح ہے، ام حبیبہ سے رسولؐ نے اس وقت شادی کی تھی جب وہ حبشہ میں تھیں ان کا مہر نجاشی نے دیا تھا اور ابوسفیان فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوا، ہجرت و فتح مکہ کے درمیان چند سال کا فاصلہ ہے لیکن ابوسفیان کی امارت، تو اس کے بارے میں محدثین نے کہا ہے: انھیں اس کی خبر نہیں ہے... زبیر بن بکر سے ضعیف سند کے ذریعہ نقل کیا ہے کہ رسولؐ نے ابوسفیان کو بعض غزوات میں امیر بنایا تھا یہ ثابت نہیں ہے،

حفاظ کا قول ہے کہ اپنی کتاب تالیف کی تو اسے ابوذرؓ کی خدمت میں پیش کیا تو وہ ان پر برس پڑے اور کہا: اس کا نام تم نے صحیح رکھا ہے اور اس کو بدعتی لوگوں کیلئے بہانہ بنادیا کہ جب مخالفان کے سامنے کوئی روایت پیش کرے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ صحیح مسلم میں نہیں ہے ط اس سے قبل ہم مسلم اور ان کی کتاب کے بارے میں ابوذرؓ وغیرہ کا قول نقل کر چکے ہیں۔

حازمی نے شروط الامۃ الحسنہ میں اس عنوان کے ساتھ لکھا ہے: باب فی البطلان قول من زعم ان شرط البخاری اخراج الحدیث عن عیین وھلم جرأ... الخ یہ باب اس شخص کے قول کے ابطال میں ہے جو کہ یہ گمان کرتا ہے کہ بخاریؒ کی یہ شرط ہے کہ دو عادل راویوں سے حدیث نقل کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ حدیث رسولؐ صحت پر پہنچ جائے۔

یہ اس شخص کا قول ہے جس نے صحیح میں چھپی ہوئی چیزوں میں غور و فکر نہیں کیا ہے اگر اس کتاب کی وہ کا حق تحقیق کرتا تو پوری کتاب کو اپنے دعوے کے خلاف پاتا۔

لیکن حاکم کا یہ قول کہ بخاریؒ و مسلم دو عادلوں سے حدیث کی روایت کرتے ہیں یہاں تک کہ رسولؐ صحت پر پہنچ جائے تو یہ صحیح نہیں ہے، ابو حاتم محمد بن حبان البستی کہتے ہیں: تمام اخبار ”حدیث“ آحاد میں کیونکہ ایسی کوئی حدیث نہیں ملتی ہے جس کو دو عادل راویوں نے نقل کیا ہو یا ایک نے دو عادل راویوں سے نقل کیا ہے کیونکہ یہ محال ہے کہ دونوں عادل دو عادلوں سے جدا گانہ طور پر

نقل کرتے رہیں یہاں تک کہ سلسلہ رسول مہنگ پہنچ جائے جب ایسا ہونا محال ہے تو ثابت ہو گیا کہ ساری حدیثیں احادیث اگر کوئی گزشتہ شرط کا قائل ہوتا ہے تو تمام سنن کو نظر انداز کرنا چاہتا ہے کیونکہ ایسی سنن کا وجود نہیں ہے جو کچھ ہیں وہ سب حدیث احاد کے ذریعہ آئی ہیں، اور جس نے غائر نظر سے احادیث کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات کو سمجھ گیا ہے کہ جو کچھ ابن جان نے کہلے وہ تقریباً صحیح ہے یہ تھا حازمی کا کلام۔
یہ تو تھا کتب حدیث کا پہلا طبقہ اور اب طبقہ ثانیہ، سنن ابی داؤد، ترمذی اور نسائی کے بارے میں مختصر جائزہ آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ حاشیہ شروط الادب الجسد ص ۴۱ و ۶۱۲

۲۔ محدثین کا قول ہے کہ جن کتابوں کا درجہ بخاری و مسلم کے بعد ہے وہ سنن ابی داؤد متوفی ۲۵۵ھ، سنن نسائی ۳۰۳ھ جامع الترمذی ۲۷۹ھ ہیں، اپنی پانچ کتابوں کو انہوں نے اصول قرار دیا ہے بعض نے ان میں سنن ابن ماجہ ۲۵۱ھ کا بھی اضافہ کیا ہے ایک جماعت نے کہا ہے کہ ان کتب میں چھٹی سنن دارمی ہے کیونکہ ابن ماجہ نے ان لوگوں سے بھی روایت کی ہے کہ جن پر تھوٹ بولنے اور سرفرازی تہمت تھی لیکن سنن دارمی پر ایسی تہمت نہیں ہے اگرچہ اس میں سرل و موقوف احادیث ہیں۔

ابوداؤد

امام الفقیہ ابوداؤد سلیمان بن الاشعث الازدی سجستانیؒ سے پیدا ہوئے چند بار بغداد آئے ۱۱۷ھ میں بصرہ میں انتقال کیا، خطابی کہتے ہیں: علم حدیث میں سنن ابی داؤد جیسی کتاب نہیں لکھی گئی، صحیحین کی نسبت وہ وضع و فقہ میں زیادہ بہتر ہے ان سے ترمذی و نسائی نے حدیث نقل کی ہیں، ابن کثیر، مختصر علوم الحدیث، میں لکھتے ہیں: سنن ابی داؤد میں بہت سی روایات ہیں جو اس کے بعض نسخوں میں نہیں ہیں، سنن کے مشہور ترین روایات میں سے ابوسعید بن الاعرابی، ابو علی اللؤلؤی اور ابوبکر بن واسعہ ہیں،

یہ ابوداؤد کی ہمت تھی کہ انہوں نے ایسی احادیث جمع کیں جن سے علماء نے استدلال کیا اور ان سے احکام کا استنباط کیا ہے، موصوف نے اپنی سنن میں صحیح، حسن اور ایسی احادیث جمع کی ہیں جن پر عمل ہو سکتا ہے، ان ہی کا قول ہے: میں نے اپنی کتاب میں ایسی کوئی حدیث بیان نہیں کی ہے جس کے ترک پر علماء کا اجماع ہو اور نہ ہی کسی ضعیف و کمزور حدیث کو بیان کیا ہے،

ابوبکر ابن واسعہ کہتے ہیں: میں نے سنا کہ ابوداؤد کہہ رہے ہیں: میں نے رسولؐ کی پانچ لاکھ احادیث لکھی تھیں ان میں سے منتخب وہ ہیں جو اس کتاب میں ہیں اس میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں ہیں اس میں صحیح، صحیح جزی یا اس سے قریب ہی کو بیان کیا ہے، علماء کا بیان ہے کہ مجتہد کیلئے سنن ابی داؤد

ہی کافی ہے اور اس کے دین کیلئے سنن ابی داؤد کی یہ چار حدیثیں کافی ہیں،

انما الاعمال بالنیات، ①

من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یغنیہ ②

لا یکون المؤمن مؤثما حتی یرضی لایمہ ما یرضاه لنفسہ، ③

الحلال بین والحرم بین اوبینہما امور مشبہات ④

بعض نے تو سنن ابی داؤد کو بخاری پر فضیلت دی ہے،

ابو داؤد اور بخاری نے فقہاء عراق سے فقرہ حاصل کی ہے،

ترمذی

ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ضریح ترمذ میں پیدا ہوئے اور کلاہ میں ترمذی میں انتقال کیا، ابن اثیر کہتے ہیں: سنن ترمذی میں تو کچھ مذاہب، نہج استدلال، صحیح حسن اور غریب حدیث کی وضاحت ہے وہ دوسری کتابوں میں نہیں ہے،

انہوں نے اپنی کتاب کی تدوین کی اور اس میں نہایت ہی لطیف و مختصر انداز میں طریق حدیث کو بھی قلم بند کیا ہے اور ہر حدیث کے بارے میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ صحیح ہے یا حسن ہے یا منکر ہے شرح علل ترمذی میں ابن رجب کہتے ہیں: جان لو کہ ترمذی نے اپنی کتاب میں صحیح اور حسن حدیثیں جمع کی ہیں، حسن وہ حدیث ہے جو صحیح کے مرتبہ سے نیچے ہے اس میں کچھ ضعیف و غریب حدیث بھی ہیں اور جن غرائب کا سنن ترمذی میں ذکر کیا ہے ان میں بعض منکر حدیثیں بھی ہیں، خصوصاً کتاب الفضائل میں لیکن موصوف اس کی وضاحت کر دیتے ہیں اس سے چشم پوشی نہیں کرتے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ انہوں نے اس شخص سے کسی حدیث کی روایت کی ہو جو کذب سے متہم ہو یا ترمذی کبھی ایسی حدیث نقل کرتے ہیں کہ جو متعدد طرق سے آئی ہے یا جس کی اسناد میں اختلاف ہے

اور اس کے بعض طرق میں متہم افراد ہیں جیسا کہ وہ محمد بن سعید مصلوب اور محمد بن اسائب کلبی سے حدیث نقل کرتے ہیں، کبھی بھی ترمذی غبی اور واہم سے بھی حدیث لیتے ہیں لیکن اسے بیان کر دیتے ہیں نظر انداز نہیں کرتے اس طبقہ میں سے اکثر سے ابو داؤد نے بھی حدیثیں نقل کی ہیں لیکن ان کی حدیث کے بارے میں اپنی رائے بیان نہیں کی ہے جیسے اسحاق بن ابی خروہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے، لیکن ترمذی ثقہ و ضابطہ سے حدیث لیتے ہیں کم و بیش دوسروں سے بھی لیتے ہیں لیکن اس سلسلے میں اپنی رائے بھی بیان کرتے ہیں خاموش نہیں رہتے، صحیح حسن اور ضعیف میں حدیث کو سب سے پہلے ترمذی نے تقسیم کیا ہے ان سے قبل حدیث کی دو ہی تقسیم تھیں، صحیح اور غیر صحیح۔



۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱
 ۴۷۲
 ۴۷۳
 ۴۷۴
 ۴۷۵
 ۴۷۶
 ۴۷۷
 ۴۷۸
 ۴۷۹
 ۴۸۰
 ۴۸۱
 ۴۸۲

در کتابت این کتب و تصحیف آنها در بعضی از نسخ
که به دست می رسد، اینجاست که در بعضی از نسخ
به جای «و» که در اصل است، «و» نوشته شده است.
این امر در بعضی از نسخ دیده می شود.
در بعضی از نسخ نیز، «و» به جای «و»
نویسه شده است.

وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو بہت سے لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی مجھے نہیں مانا۔

۱۲

ضعیف، معلل اور منکر حدیثیں ہیں ۱۔
 کچھ اور کتابیں بھی ہیں ان کے ذکر سے ہم اپنے کلام کو طویل نہیں دینا چاہتے،
 ان پانچ کتابوں، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، اور نسائی میں رسول کی اکثر
 احادیث آگئی ہیں بہت کم چھوٹی ہے،
 نووی لکھتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ اصول الحنفیہ میں رسول کی اکثر احادیث آگئی ہیں
 بہت کم چھوٹی ہیں ۲۔

موطاء کا ذکر کرنے کے بعد ابن خلدون لکھتے ہیں: یہ ہیں کتب خمسہ، ملت میں یہی
 مسانید مشہور ہیں اور یہی سنت میں اہمات کتب حدیث ہیں اگرچہ حدیث کی کتاب کی تعداد بڑھ
 جائے تو ان میں سے اکثر کا منبع یہی ہوں گی ۳۔
 مسیو امیل نے کتب حیات محمدؐ میں لکھا ہے:

سیرت محمدؐ اولین، منابع قرآن و سنت ہیں، سند کے اعتبار سے قرآن مثنیٰ ہے،
 لیکن حدیث کے باوجود کہ اس پر محدثین نے بہت عرق ریزی سے کام لیا ہے خصوصاً بخاری نے رسولؐ کے
 کلمات جمع کرنے اور آپ کے ارشادات کی تحقیق اور ان رجال کے ترجموں میں زحمت اٹھائی ہے کہ جہاں سے
 مسلسل و متعین حدیث نقل کی ہیں لیکن اب بھی ان میں بہت سے ہیں جو متہم ہیں اور یہی موضوع ہے
 امیر مسکیب ارسلان نے اس کی حاشیہ آرائی کی ہے،

... وہ اکثر احادیث کو یہاں تک کہ صحیحین میں وارد ہونے والی احادیث کو صحیح
 نہیں مانتے اور یہ ایک مکتب فکر ہے، ایک نظریہ ہے اس پر ہم اعتراض نہیں کر سکتے پھر اسلامی

۱۔ انتقرب ص ۳،

۲۔ اختصار علوم الحدیث ص ۱۸،

۳۔ چوتھی صدی ہجری مشہور تصنیف، طبرانی معجم الاثر ۳۷۷ سنن دارقطنی ۳۷۷، ابن حبان البی ۳۴۵

ابن خلدون کی صحیح ۱۱۳، ۱۱۸، مقدمہ ابن خلدون ص ۱۸،

حیثیت رکھنے والے بہت سے مسلمان مسیحا میل کے شریک کا رہیں اور وہ ہر اس چیز کو واجب الاتباع نہیں سمجھتے جو کہ صحیحین وغیرہ میں وارد ہوئی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس میں تغیر و تبدل ہوا ہو یا اسمیں کمی بیشی ہوئی ہو، کیونکہ بخاری وغیرہ منہا حدیث نقل کرتے تھے اور منہا نقل ہونے والی حدیث میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے اور اس کے معنی بھی بدل سکتے ہیں اور اصل سے بھی ختم ہو سکتی ہے،

کچھ دیلوں کے ذریعہ یہ جماعت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ اکثر احادیث قطعی ہیں اور جن کی طرف لوگ دوڑتے ہیں ان میں سے اکثر پر تو قہ کرنا چاہیے، وہ دلیلیں یہ ہیں،

① اس بات کو ہر انسان جانتا ہے کہ کم و زیادتی کے بغیر حدیث کی روایت کا امکان نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان سنے ہوئے کلام کو ایک گھنٹہ کے بعد ہی دہرانا چاہتا ہے تو اسے من و عن نہیں دہر سکتا۔

② منہا نقل ہونے والی حدیث ہے شان میں ان میں بہت سے لفظ بدل گئے ہیں،

③ ہر انسان سے سہو و نسیان ہو سکتا ہے اور اس سلسلے میں جدال نہیں کیا جاسکتا

④ خود رسولؐ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ آپؐ کی حیات لوگ میری طرف جھوٹی حدیثوں کی نسبت دیتے ہیں، مؤثق ترین حدیث ہے کہ، لقد کثرت علی الکذاب فمن کذب علی فلیتوا مقعدہ من النار ۝

پھر کہتے ہیں کہ صحاح میں وارد ہونے والی بہت سی حدیثوں میں شک ہے اور یہ اس وجہ سے نہیں ہوتا ہے کہ نقل میں لغات سازی سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے کہ بعض روایات سے قطع نظر انسان ہر سنی ہوئی چیز کو من و عن بیان کریں یا جس حادثہ میں وہ موجود تھے اسے کمی زیادتی کے بغیر واقع کے مطابق بیان کر دیں، کبھی ایک حادثہ میں دو آدمی ہوتے ہیں اور دونوں کمی زیادتی کے لحاظ سے اسے مختلف طریقہ سے نقل کرتے ہیں۔

استخراجات

استخراج یہ ہے کہ حافظ مثلاً بخاری پر اعتماد کرے اور ان کی احادیث کو حدیث حدیث کر کے اپنی ہی اسانید سے وارد کرے اور اس سلسلے میں بخاری طرق کے علاوہ ثقہ راویوں کا التزام نہ کرے یہاں تک کہ بخاری کے شیخ یا اس سے بھی اوپر تک سلسلہ پہنچائے، لیکن استخراج کرنے والے کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اصلی مصنف سے ملانے میں قریب ترین راستہ کو چھوڑ کر دور والے راستے کو اختیار کرے مگر کسی اہم غرض کے تحت ایسا کر سکتا ہے، بسا اوقات استخراج کرنے والا ان احادیث کو ترک کر دیتا ہے جن کی اسناد اسے پسند نہیں آتی ہیں اور بعض مرتبہ انہیں روایت سے جوڑ دیتے ہیں انہیں اصل راوی کے طریق سے بیان کرتے ہیں اکثر حفاظ نے استخراج ہی کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس میں اہم فوائد ہیں اور استخراج کو انہوں نے صحیح بخاری و مسلم میں محدود کیا ہے کیونکہ یہ دونوں اس علم میں اپنے ماننے والوں کے درمیان عمدہ سمجھی جاتی ہیں،

ابوبکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی اور ابوبکر احمد بن محمد برقانی نے بخاری سے استخراج کیا ہے اور ابو جعفر احمد بن حنبلہ پوری، ابوبکر محمد بن محمد بن رجاء نیشاپوری نے مسلم سے استخراج مؤخر الذکر اکثر شیوخ کے بارے میں مسلم کے ہم خیال ہیں،

ابونعیم اصفہانی اور ان کے ساتھ ایک جماعت نے بخاری و مسلم دونوں سے استخراج کیا ہے ایسے ہی انہوں نے ابوداؤد و ترمذی سے بھی استنباط کیا ہے، استخراجات کے بہت سے فوائد ہیں ایک یہی کہ مستخرجات میں احادیث میں اضافہ کیا جاسکتا ہے جو کہ اس کتاب میں نہیں ہوتا جس سے نسخہ برداری کی ہے یہ اضافات ان سے اسلئے ہوتے ہیں کہ وہ ان الفاظ کو قلم بند کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے جو کہ اس کتاب میں آتے ہیں جس سے انہوں نے نسخہ برداری کی ہے بلکہ ان الفاظ کو لاتے ہیں جن میں ان کے شیوخ سے روایت آئی ہے، ان کے عمل سے کبھی معنی ہی بدل جاتے ہیں مثلاً کبھی

صحیح کے مصنف اس شخص سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے حدیث میں اختلاف کیا اور مصنف اس بات کی وضاحت نہیں کرتا ہے کیلئے حدیث اختلاف سے قبل سنی گئی ہے یا اختلاف کے بعد سنی گئی ہے اسے نسخہ برداری کرنے والا بیان کرتا ہے یا اس کی وضاحت کرتا ہے یا اس شخص سے نقل کرتا ہے کہ جس نے یہ اختلاف سے قبل سنی تھی، کبھی صحیح میں تدلیس کرنے والے سے معنی طریق سے بیان ہوئی ہے اور مستخرج سے صراحتاً اسماء کے ذریعہ بیان کرتا ہے، کبھی حدیث میں ایسی چیز آجاتی ہے جو قاعدہ نعت عربی کے خلاف ہوتی ہے تو اس کی زبردستی تو جیہ کی جاتی ہے اور اس کی روایت میں مشقت اٹھانا پڑتی ہے اس طرح نسخہ برداری کرنے والے کے نسخے میں وہ قاعدہ مطابق درج ہوتا ہے جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے جبکہ صحیح میں روات کو دوہرا ہوا ہے۔

ابن الصلاح کہتے ہیں: جن کتب کی بخاری و مسلم سے نسخہ برداری کی گئی ہے اور ان کے مضمین نے ان میں بخاری و مسلم کی حدیثوں کو بلفظ "بغیر کمی و زیادتی" نقل نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے ان احادیث کو بخاری و مسلم کے طریق سے نقل نہیں کرتے ہیں وہ مضبوط و بلند اسناد کے ذریعہ انہیں نقل کرنا چاہتے ہیں اس طرح ان کے الفاظ میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور اسی طرح مضمین نے اپنی مستقل تالیفات میں انہیں نقل کر دیا ہے، جیسے بیہقی نے سنن الکبریٰ میں اور ابو محمد نعوی وغیرہ نے کیا ہے ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بخاری و مسلم سے استخراج کیا ہے مگر اس سے صرف اتنا استفادہ ہوتا ہے کہ بخاری و مسلم نے یہ اصل حدیث نقل کی ہے، اور یہ احتمال اپنی جگہ ہے بعض معنی میں دونوں کے درمیان اختلاف ہو، تفاوت ہو، جیسا کہ اس سلسلے میں معنی کا تفاوت پایا جاتا ہے۔ ان مستخرجات میں جو الفاظ یا معنی میں رد و بدل اور اضافات ہوئے ہیں ان سے چشم پوشی کرتے ہیں شائقین ان کی کتابیں ملاحظہ فرمائیں، حمیدی نے ان اضافات کو بیان کیا ہے جو کہ صحیح الفاظ

۱۔ توجیہ نظر ص ۱۴۱ و ۱۴۲

۲۔ توجیہ نظر ص ۱۴۱

۳۔ مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۰۹

کے ماوراء میں، سیاق حدیث کے بعد کہتے ہیں، بخاری نے اتنی حدیث نقل کی، برقیانی نے اسمیں اتنا اضافہ کیا ہے چنانچہ جو شخص برقیانی وغیرہ سے اس حدیث کو نقل کرے گا وہ اصل اور اضافہ میں تمیز نہیں کر پائے گا پھر کہتے ہیں: بخاری نے اختصار سے کام لیا اور حدیث کا ایک حصہ نقل کیا اور اس کی مقدار بیان نہ کی اس سے واقف آدمی شبہ میں پڑ جائے گا اور اس کا یہ شک اسی وقت زائل ہوگا جب وہ اصل کو دیکھے گا تو اکثر سے اس کا شبہ اٹل ہوگا، اور قارئین یہ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ بخاری و مسلم کی بہت سی احادیث میں سقم و ضعف بیان کیا گیا ہے اسی طرح ہم ابن حجر کی شرح بخاری اور نووی کی شرح مسلم میں بہت سے اشکال پاتے ہیں پس بخاری و مسلم ایسی صحیح کتابوں کی یہ کیفیت ہے وہ بھی تنقید سے نہیں بچ سکی ہیں ان کے بارے میں اتنا کچھ کہا گیا ہے، ان چیزوں کو چھوڑیے جو ان میں اسرائیلیات نقل کرنے اور معانی نقل کرنے سے چوک ہو گئی ہے ہم کتب مساند کے بارے میں خامہ فرمائی نہیں کریں گے کہ نہ وہ خود مؤثق ہیں نہ ان پر اعتماد کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں کوڑے کرکٹ کا سیلاب ہے ان کے بارے میں ائمہ کا قول ہے ان سے حجت قائم نہیں کی جاسکتی ہے نہ ان کا اعتبار ہے اور جو کچھ ان میں ہے اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ آپ عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے،

بار اہا: ہم تجھ ہی سے سوال کرتے ہیں کہ اس محکم دین کیلئے ایسا شخص مہیا کر دے جو اس کے اصول کی حفاظت کرے، اس کے قواعد کو پچائے اس پر بدعتیں غالب نہ آئیں،



مسند احمد

کبھی کبھی قاری یہ سوال کرتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ حدیث کی کتابوں کے ساتھ مسند احمد کا ذکر نہیں کیا جاتا جو کہ موضوع سخن قرار پاتی ہیں جبکہ اس میں سب سے زیادہ روایات ہیں یہاں تک کہا گیا ہے کہ وہ "مسند احمد" چالیس ہزار حدیث پر مشتمل ہے، اور اس کے مؤلف بڑے امام ہیں جن مذاہب کا اتباع کیا جاتا ہے ان میں سے ایک مذہب موصوف کا ہے کہ جسکے بہت سے مسلمان اتباع کرتے ہیں، مسند احمد اور دوسری مسانید کے بارے میں تفصیل سے بحث نہیں کریں گے کیونکہ اس سلسلے میں علماء نے سیر حاصل بحث کی ہے اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان سے حجت قائم نہیں کی جاسکتی، نہ ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، لیکن ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ مسانید میں مشہور مسند احمد کو موضوع بحث قرار دیں اور مسلمانوں پر اس کی حقیقت آشکار کریں اور دیکھیں کہ کتب حدیث کے درمیان اس کا کیا مرتبہ ہے کہ پھر دیگر مسانید کے مرتبہ کا اسی پر قیاس کیا جائے، پہلے ہم کتب حدیث کے درمیان عام کتب مسانید کے مراتب اور ان کی روایات کے حکم کو بیان کریں گے اور اسکے بعد مسند احمد سے بحث کریں گے،

وہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے اور وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو کہ ان کے پاس ہے

مسند احمد

یہ تھے کتب حدیث کے درمیان مساند عامہ کے مرتبہ کے سلسلے میں علماء کے اقوال یہاں ہم خاص طور سے مسند احمد کے بارے میں بعض ائمہ حدیث کے اقوال پیش کر رہے ہیں وہ لوگ ابتداء، احمد کے بعد، امام الخليل، ابن تیمیہ کے کلام سے کرتے ہیں اس کے بعد اگر خود محدث سمجھنے والے ہم پر ناراض ہوں تو اس کی ہمیں پروا نہیں ہے کیونکہ حق کا اتباع کرنا افضل ہے چنانچہ یہ کتاب ہم نے حق کی رضا حاصل کرنے کی غرض سے لکھی ہے پھر اگر کوئی غضب ناک ہوتا ہے تو ہم پر نہیں بلکہ حق پر غضب ناک ہوتا ہے، ابو نعیم کے بارے میں بحث کرتے ہوئے ابن تیمیہ لکھتے ہیں: انہوں نے ایسی بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں جو علماء کے اتفاق سے ضعیف و موضوع ہیں اگرچہ وہ ثقہ حافظ کثیر الحدیث اور واسع الروایت تھے لیکن انہوں نے روایت جیسا کہ ان جیسے محدثین کی حرمت کی خاطر ہر ایک سے حدیث نقل کرتے ہیں اگرچہ ان میں سے بعض ہی سے حجت قائم کی جاسکتی ہے اور پھر لوگ اپنی تصنیفات میں ان سے بھی روایت کرتے ہیں جن سے مالک، شعبہ اور احمد بن حنبل نہیں کرتے کیونکہ یہ حضرات اس شخص سے روایت نہیں کرتے تھے جس کے بارے میں یہ جان بوجھ کر جھوٹ ہوتا ہے احمد اور اسحاق وغیرہ نے ایسی حدیث نقل کی ہیں کہ جو خود ان کے نزدیک ضعیف ہیں کیونکہ ان کا وہی ایسے صفات سے متہم تھے،

کیونکہ اسکو بیان کرنے والا باطن میں کذاب تھا اس کا جھوٹ کھلا ہوا نہیں تھا بلکہ زیادہ تر کچی حدیثیں بیان کرتا تھا،

ابن تیمیہ کہتے ہیں: احمد نے مسند وغیرہ میں جن حدیثوں کی روایت کی ہے وہ سب ان کے نزدیک حجت نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اہل علم کی اقتداء میں ان کی روایت کی ہے، مسند میں ان کی شرط یہ ہے کہ جو جھوٹ میں مشہور ہوں ان سے روایت نہ کی جائے، لیکن احمد نے کتب الفضائل میں

وہ لکھا ہے جو انہوں نے شیوخ سے سنا تھا خواہ یہ صحیح ہو یا ضعیف کیونکہ ان کا قصیدہ نہیں تھا کہ جو ثبات ہے اسی کی روایت کی جائے پھر ابن احمد نے اس میں اضافہ کر دیا اور ابو بکر القطیعی نے اور اضافہ کر دیا اس اضافہ میں بہت سی موضوع احادیث ہیں ۱

نیز کہتے ہیں: احمد بن حنبل اسی کی روایت کرتے ہیں جس کی لوگوں نے روایت کی ہے اگرچہ اس کا صحیح ہونا بھی ثابت نہ ہو اور جو تھوڑا سا بھی ظلم رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ احمد نے فضائل میں جو بھی حدیث بیان کی ہے وہ اس کے بارے میں یہ نہیں کہتے ہیں یہ صحیح ہے جیسا کہ مسند کی حدیث کے بارے میں بھی ان کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ یہ سچی ہے بلکہ ان کی مسند احادیث وہ ہیں جنہیں لوگوں نے اس شخص سے نقل کیا ہے جو نقل میں ان کے نزدیک مشہور تھا اس کا کذب ظاہر نہ تھا بعض حدیث ضعیف بلکہ باطل ہیں ۲

پھر فرماتے ہیں جو شخص احمد کی روایت کردہ ہے جو کہ جھوٹی ہو "شاہد لاتا ہے اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے اور یہ کہتا کہ اسے تو احمد نے نقل کیا ہے تو صرف احمد کا نقل کرنا اس بات کا باعث نہیں ہے کہ حدیث صحیح ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے بلکہ امام احمد نے بہت سی احادیث اس لئے نقل کی ہیں تاکہ لوگ یہ جان لیں وہ ضعیف ہیں اور یہ بات ان کے کلام اور جوابات سے ظاہر ہے اور یہ اس سے زیادہ بیان کی نیاز مند نہیں ہے ہاں مسند احمد میں ان کے بیٹے عبد اللہ نے پھر قطیعی نے اضافہ کیا ہے، قطیعی نے ان کے بیٹے عبد اللہ سے روایت کی ہے اور اس میں اپنے شیخ سے بھی زیادہ جعلی حدیث کا اضافہ کر دیا ہے ۳

اپنی کتاب "قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ" میں لکھتے ہیں
حافظ ابو العلاء ہمدانی اور شیخ ابو الفرج ابن جوزی میں اس بات پر نزاع ہو گئی تھی

[illegible]

عراقی کہتے ہیں: جو شخص یہ کہتا ہے کہ احمد بن حنبل نے اپنی صحیح میں صحیح کا التزام کیا ہے تو ہم اس کی بات کو قبول نہیں کرتے ہیں مسندیں ضعیف کا وجود تو ثابت ہے ہی بلکہ اس میں جعلی احادیث بھی ہیں جنہیں میں نے ایک جلد میں جمع کیا ہے اور ان کے بیٹے عبداللہ نے اس میں ضعیف و جعلی احادیث کا اضافہ کر دیا ہے، اس کی حدیث ہے کہ، عثمان ایک عروسی ہے جہاں سے قیامت کے روز ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے اٹھائے جائیں گے، مسند میں منکر حدیث بھی ہیں جیسے بریدہ کی حدیث کہ خراسان سے بھیجے جانے والوں میں ہو جاؤ پھر شہرہ مروہ میں اتر دو کا سے ذوالقرنین نے بنایا ہے برث کی حدیث ہے، اس سرزمین سے خدا ساٹھ ہزار لوگوں کو اٹھائے گا کہ جن پر حساب ہو گا نہ ان پر عذاب ہو گا اور صحیح میں لم زرع کے قصص میں عائشہ کی حدیث بھی ایسی ہی ہے یہ سند احمد میں نہیں ہے علامہ عبدالرحمن بن اسماعیل معروف بہ ابوشامہ نے اپنی کتاب "الباعث علی انکار البدع والحوادث" میں لکھا ہے: ابو خطاب نے کہا: امام احمد کے اصحاب ان احادیث سے احتجاج کرتے تھے جو کہ مسند میں بیان ہوئی ہیں جبکہ ان میں سے اکثر سے احتجاج جائز نہیں ہے امام احمد نے انہیں نقل کر دیا ہے تاکہ یہ جان لیا جائے کہ حدیث کا سرچشمہ کہاں ہے اور اس کا راوی عادل ہے یا ضعیف اور ایک مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ صحیح کے سوا کوئی چیز بیان کرے تاکہ وہ دونوں جہان کی بد بختی سے محفوظ رہے کیونکہ رسول نقلیں مگر یہ حدیث بالکل صحیح ہے: من حدث عني بحديث يرئ انہ کذب فهو احدا لکاذبین ۱۔

مسند احمد کے بعض قارئین کہتے ہیں: حق تو یہ ہے کہ مسند میں بہت سی حدیثیں ضعیف ہیں اور بعض تو اتنی ضعیف ہیں کہ جو جعلی معلوم ہوتی ہیں ۲۔
پھر امام احمد کا قول ہے: میں نے اس کتاب کو مرجع بنایا ہے جب لوگوں کے درمیان سنت رسول کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو اس کی طرف رجوع کریں اس کا یہ جواب دیا گیا ہے

کہ انہوں نے مسند میں یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ وہ متنفرق اور علیحدہ علیحدہ اوراق کو مسودہ کے طور پر لکھتے تھے، ابھی اپنے مقصد تک نہیں پہنچے تھے کہ کوچ کا تقارہ بنے لگا لہذا انہوں نے اپنے بیٹوں اور اہل خانہ کو مسودہ منایا اور مسودہ صاف کرنے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھ گئے اور مسند ایسے ہی رہ گئی پھر ان کے بیٹے عبداللہ نے اس میں حسب منشاء اضافہ کیا اور اپنی سنی سنائی چیزوں کو شامل کر دیا، پھر قطیبی نے اپنی کتابوں میں اسی نسخہ سے احادیث نقل کی ہیں اور اس طرح زمانہ قدیم ہی سے مساند میں اختلاف اور تکرار ہو گئی اور بہت سی احادیث پر اگندہ کا فدا ت ہی پر رہ گئیں جو کسی کے ہاتھ نہ لگ سکیں مسند میں صحیح احادیث دست یاب نہیں ہیں۔^۱

اور جب امام احمدیہ کہتے ہیں: اس کتاب میں نے سات لاکھ پانچ سو سے زائد احادیث میں سے منتخب احادیث جمع کی ہیں، پس جب مسلمانوں کے درمیان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو وہ اس کتاب کی طرف رجوع کریں اگر وہ حدیث اس میں مل جائے تو صحیح ہے ورنہ جفت نہیں ہے، حافظ ابو عبد اللہ ذہبی کہتے ہیں: احمد کا یہ قول مبالغہ ہے کیونکہ صحیحین اور سنن وغیرہ میں اس سے زیادہ قوی حدیث موجود ہیں خدا نے یہی مقدر کر دیا تھا کہ امام نے مسند کی باز نویسی اور اپنی وفات سے ۱۳ سال قبل روایت کرنا چھوڑ دیا تھا یہی وجہ ہے جو ان کی کتاب میں مکرر چیز آگئی ہے اور مسند میں سند داخل ہو گئی ہے۔^۲

حافظ ابن جوزی اپنی کتاب ”صید الخاطر“ کے مقدمہ میں مسند کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں:

بعض اصحاب حدیث نے مجھ سے یہ سوال کیا: کیا مسند احمد میں کوئی چیز صحیح نہیں ہے؟ میں نے کہا: ہاں اس بات کو ایک جماعت نے بہت اچھا لیا تو میں نے ان کی حرکت کے بارے میں یہ

^۱ مقدمہ مسند احمد مؤلف شیخ احمد شاکر ج ۳ ص ۳۱۵،

^۲ حوالہ سابق،

سوچا یہ علوم ہیں اور اس کی فکر نہ کی لیکن جب انہوں نے فتاویٰ قلم بند کئے تو خراسان کی ایک جماعت "ان میں سے ابو العلاء الصمدانی" نے اس قول کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا اس کی تردید اور اس کے کہنے والے کو برا بھلا کہا، اس سے مجھ کو بہت تعجب ہوا میں نے سوچا: عجب اب علماء بھی علوم ہو گئے ہیں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے حدیث سنی اور اس کے صحیح و سقیم ہونے کی تحقیق نہیں کی اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ میں نے احمد کی روایت کردہ احادیث پر اعتراض کیا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے احمد نے مشہور اور اچھی روایت کی ہے اور پھر ان میں سے بہت سی کو رد کر دیا اور اسے اپنا مذہب نہیں قرار دیا کیا وہ الموضوع بالنبذہ کے بارے میں یہ نہیں کہتے کہ یہ مجہول ہے، جو شخص ابو بکر اخلال کی تصنیف کتاب العلل کا مطالعہ کرے گا اسے بہت سی حدیثیں ملیں گی جو مسند احمد میں ہیں اور ان پر خود احمد نے اعتراض کیا ہے۔

مسئلہ نبذہ کے بارے میں قاضی ابی یعلیٰ بن الحسین الفراء سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: احمد نے مسند میں شہرت حدیثیں نقل کی ہیں اور صحیح و سقیم کا لحاظ نہیں کیا ہے اس پر دلیل عبد اللہ کا قول ہے وہ کہتے ہیں میں نے والد سے کہا: آپ حذیفہ سے منقول ربیع بن خراش کی حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں: فرمایا: جسکو انہوں نے عبد العزیز بن ابی داؤد سے نقل کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں! فرمایا: احادیث اس کے برخلاف ہیں میں نے کہا یہی آپ نے مسند میں بیان کی ہے فرمایا: میں نے مسند میں مشہور جمع کرنے کا قصد کیا ہے اگر میرا ارادہ ان احادیث کو جمع کرنا ہوتا تو میرے نزدیک صحیح ہیں تو میں اسے مسند میں بیان نہ کرتا مگر تھوڑی بہت لیکن بیٹے حدیث کے متعلق تم میری روش سے واقف ہو میں ہر اس ضعیف کا مخالف نہیں ہوں جس کی تردید پر کوئی دلیل نہ ہو،

قاضی کہتے ہیں: مسند میں احمد نے جو طریقہ اختیار کیا تھا اس کے بارے میں انہوں نے خود خبر دی ہے پس جس نے اسے صحت کی اصل قرار دیا اس نے ان کی مخالفت کی اور ان کے مقصد کو ٹک کر دیا، ابن جوزی کہتے ہیں: اس زمانہ میں یہ چہر میرے لئے باعث الم ہے کہ علماء اپنے علم میں

ابن جوزی طہہ میں پیدا ہوئے اور ۷۹۵ھ میں انتقال کیا،

کو تاہی کے سبب علوم کی مانند ہو گئے ہیں جب ان کے سامنے کوئی موضوع حدیث آتی ہے تو کہتے ہیں یہ بھی مروی ہے، بہتوں کی اس سببی پر جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں لا حول ولا قوہ الا باللہ العلیٰ العظیم ۷

کتاب الاختلاف میں ابن قتیبہ لکھتے ہیں: احمد بن حنبل نے اپنی وفات سے کئی سال قبل روایت کرنا چھوڑ دی تھی، ابوطالب مکی وغیرہ کا نظریہ ہے کہ ان کی روایت میں بہت سے اقوال داخل کر دیئے گئے ہیں جن کا علم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، ایسا یا تو غلط فہمی، غلط سمجھنے کی بنا پر ہوا ہے یا جان بوجھ کر جھوٹ باندھا گیا ہے ۷

مرتد صحابی

فتح الباری میں ابن حجر لکھتے ہیں: مسند احمد میں زبیر بن امیر بن خلف اہلبی سے بھی روایت موجود ہے، یہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوا، حجت الوداع میں رسول کے ساتھ تھا آپ کے انتقال کے بعد آپ سے روایت کرتا تھا پھر اس پر بدعتی سوار ہوئی اور عہد عمر میں روم چلا گیا کسی بات پر ناراض ہوا تو روم والوں کی مدد کی، ایسے شخص سے حدیث نقل کرنا صحیح نہیں ہے شاید جس نے اس سے حدیث نقل کی ہے وہ اس کے مرتد ہو جانے کے واقعہ سے واقف نہیں تھا ۷

یہ تھے مسند احمد کے بارے میں ائمہ کبار کے اقوال اور اس کی قدر و قیمت بیان کرنے کیلئے ہی کافی ہیں، مسند ان معاصرین شمار ہوئی ہے جن پر ائمہ انہیں کیا جاتا اور ان سے حجت قائم کی جاتی ہے اس کی وہی حیثیت ہے جو دیگر مساند کی ہے،

۷ مقدمہ الجزء الاول من المسند ص ۵۶، ۵۷،

۷ ص ۵۳، ۷ فتح الباری ج ۳ ص ۷

جرح و تعدیل

مکتب حدیث سے بحث کے بعد ہم جرح و تعدیل کا موضوع شروع کرتے ہیں، جب روایت و احادیث میں دوسری چیزیں شامل کر دی گئی ہیں اور جب وہ بے دین اور اہل ہوس سے محفوظ نہ رہ سکیں انہوں نے ہوس پوری کرنے کیلئے جعلی حدیثوں کو رسول کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ روایت کے حالات و احوال کا اختلاف ان کے درمیان ایسے لوگوں کا وجود جو ضابطہ تھے نہ عادل، جبکہ یہ دونوں شرطیں روایت کی صحت کیلئے واجب ہیں، انھیں باتوں کے پیش نظر جلیل القدر علماء نے روایت حدیث پر تنقید کا سلسلہ شروع کیا تاکہ لوگ ان اشخاص کے درجات سے واقف ہو جائیں جن سے روایا آئی ہیں اس تنقید کو علماء نے جرح و تعدیل کا نام دیا ہے،

مسلم نے محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: یہ علم دین ہے ہوشیاد ہو کہ تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو، نیز کہا: لوگ اسناد کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے جب فتنہ پیا ہو گیا تو لوگوں نے کہنا شروع کیا ہم بجال کا نام بتاؤ،

نوی کہتے ہیں: روایت پر تنقید کا متفقہ طور پر جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے کیونکہ اس کا اقتضاء ہے تاکہ شریعت مقدسہ محفوظ رہے یہ تنقید حرام غیبت نہیں ہے بلکہ یہ خدا و رسول اور مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی ہے،

قرآن نے تنقید کا حکم دیا ہے اور اس کی دعوت دی ہے خدائے متعال کا ارشاد ہے: ”یا ایہذا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق ببناء فبیئوا، نیز فرمایا: ”واشهدوا ذوی عدل منکم، اور فرمایا: ”من ترّضون من الشہداء“ تعریف کے انداز میں فرمایا: ”نعم العبدانہ اواب، مذمت کے طور پر فرمایا: ”حمّاز مشاء بنیم مثلاً لئن مقتدائیم قتل بعد ذلک زینیم“ پھر عہد رسولؐ سے رجال پر تنقید ہوتی ہے ابن عدیؒ متوفی ۳۸۵ھ نے کتاب الکمال

کے مقدمہ میں اپنے زمانہ تک ایک جماعت کو ترتیب وار بیان کیا ہے ابن عباس و عبادہ بن الصامت بھی صحابہ ہی میں سے ہیں اور شعبی جو کہ سو سال کے بعد مرے ، ابن سیرین اور سعید بن مسیب تابعین میں سے ہیں ،

کہتے ہیں شعبی کے بارے میں شعبہ نے کہا ہے کہ وہ حدیث میں امیر المؤمنین ہے ، رجال کے بارے میں سب سے پہلے انہوں نے ہی بحث کی تھی ۱۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۰ھ میں انتقال کیا ، دوسری صدی میں بہت سے ناقدوں کا ذکر کیا گیا ہے ، اس صدی کے بارے میں کہا گیا ہے اس کے اوائل میں معتدل تابعین کی ایک جماعت ضعیف تھی اور ان میں سے زیادہ تر کا ضعیف حدیث یاد کرنے اور اسے پہچانے سے پہلے تھا ۔ وہ مرسل اور موقوف طریقوں سے حدیث نقل کرتے تھے اس میں ان سے غلطی ہوتی تھی ،

قرن ثانی میں مشہور ترین نقلا ، حافظ یحییٰ بن سعید القطان ۱۹۸ ھ اور حاکم عبدالرزاق بن مہدی ۱۹۸ ھ تھے لوگ ان پر اعتماد کرتے تھے چنانچہ جس کو موثق قرار دیتے وہ مقبول ہوتا اور حکم مطعون قرار دیتے وہ مطعون ٹھہرتا تھا جسکے بارے میں اختلاف ہوتا تھا اس کے سلسلے میں لوگ انہیں سے رجوع کرتے تھے ، جرح و تعدیل کے موضوع پر سب سے پہلے یحییٰ بن سعید القطان کا کلام جمع کیا گیا ان کے بعد اس موضوع پر ان کے تلامذہ ” یحییٰ بن معین ۲۴۳ ھ نے بحث کی ہے بعض رجال کے بارے میں ان کی عبارات و آراء میں اختلاف ہے ، یحییٰ بن معین احمد بن حنبل ۲۴۱ ھ اور علی بن المدینی ۲۲۴ ھ وغیرہ ہیں ،

محمد بن سعد ۲۴۰ ھ کا تب الواقدی نے بھی اپنی طبقات میں اس موضوع پر بحث کی ہے ان کا کلام بہت منقول ہے ،

ہم جرح و تعدیل کے موضوع پر بحث کرنے والے اشخاص کے نام قلم بند نہیں کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ہمارا مقصد نہیں ہے ،

اسباب جرح

حافظ ابن جریر کہتے ہیں: جرح کے اسباب مختلف ہیں پانچ چیزوں پر اس کا دارومدار ہے: بدعت یا مخالفت یا غلطی یا حالت سے ناواقفیت، یا سند کے انقطاع کا دعویٰ یہ کہ کسی راوی کے بارے میں یہ دعویٰ کرے وہ حدیث میں منسب کرتا ہے یا ارسال کرتا ہے۔

جرح و تعدیل میں اختلاف

علامہ جریر نے اپنے مذاہب و احوال کے اختلاف کی بنا پر جرح و تعدیل میں اختلاف کیا ہے شروع الائمہ ائمہ میں جاری لکھتے ہیں،
ائمہ نقل نے اپنے مذاہب کے اختلاف اور اپنی اصطلاحات کے تباین کی بنا پر جرح کے بارے میں اختلاف کیا ہے، اکثر راوی عبد الرحمن بن مہدی کے نزدیک معتبر تھے ہیں اور وہی راوی یحییٰ بن سعید انقطاع کے نزدیک مطعون و مجروح ہیں اور اس کے عکس جبکہ نقل پر تنقید کے سلسلے میں ان دونوں کو محور سمجھا جاتا تھا اور ان سے حدیث لینے والے کی ثمان تھی۔
حافظ ابو عیسیٰ ترمذی لکھتے ہیں:

محدثین نے اہل علم کی جلیل القدر جماعت کے بارے میں بحث کی ہے اور ان کے حدیث حفظ کرنے سے قبل انھیں ضعیف قرار دیا ہے جبکہ اسی جلیل القدر جماعت کو دوسروں نے اس کی جلالت و صداقت کی بنا پر ثقہ قرار دیا ہے اگرچہ اس جماعت کی بعض راویوں میں شک کیا ہے، محدثین عرو کے بارے میں

[illegible]

اجہادات مختلف میں ایک ہی شخص کے بارے میں مختلف و متعدد اقوال ملتے ہیں یہاں تک کہ اسے ایک سے امیر المؤمنین کہتا ہے دوسرا بہت بڑا جھوٹا قرار دیتا ہے،

اس سلسلے میں آپ کے سامنے ہم علامہ رشید رضا کا جامع ترین کلام پیش کرتے ہیں، ہر اس شخص کی توثیق کرنا کہ جسکو متقدمین » اگلے لوگوں « نے موثق قرار دیا ہے اگرچہ دلیل سے اس کے برخلاف ثابت ہو، اس سے خود ہمارے اوپر طعن و تشنیع کے دروازے کھلتے ہیں ایک تو یہ اندھی تقلید ہے اور دوسرے ہدایت قرآن کی مخالفت ہے۔

علامہ نے تعدیل رجال کے سلسلے میں مطلق طور پر علامہ کے اس قاعدہ کو تسلیم نہیں کیا ہے کہ جبہود کہ جرح و تعدیل والے پہلے لوگوں نے جس کو عادل قرار دیا ہے وہ عادل ہے اگرچہ ان کے بعد آنے والے ہر اس شخص میں جرح کے ایسے اسباب ہی کیوں نہ نظر آئیں جو متقدمین کو نظر نہیں آئے تھے، اپنی مستقل رائے رکھنے والے اس قول کو تسلیم نہیں کرتے ہیں لہذا اس کلام کو خاتمہ کتاب میں ملاحظہ فرمائیں اور ان علامہ نے جو یہ اور دیگر اقوال پیش کئے ہیں وہ ہم نے علامہ اہل سنت میں سے کسی اور کے یہاں نہیں دیکھے ایسے ہی اس زمانہ بلکہ ہر زمانہ میں حدیث کی تحقیق اور اس کی چھان بین اور اس کے سمجھنے میں کسی کو اتنا غور کرتے بھی نہیں دیکھا ہے جتنے موصوف تھے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہ استاد، امام محمد عہدہ کے نمایاں اور سونہار شاگرد تھے ان کے استاد نے اپنا علم پھیلا یا اور دین میں اپنے مذہب کی تفسیر کی اسے کامل کیا اس کی حفاظت کی اور اس کی تدوین کی انہیں اپنے استاد سے وہی نسبت تھی جو ابو حنیفہ اور شافعی کے شاگردوں کو اپنے اساتذہ سے تھی،

الروض الباسم » میں وزیر ایمانی کہتے ہیں،

جرح و تعدیل کے بہت سے ائمہ راوی کے بارے میں تردد میں نظر آتے ہیں، ایک مرتبہ راوی کو ٹھہ قرار دیتے ہیں، پھر اسے ضعیف کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معاملہ ایسی کثرت میں

داخل ہو گیا جہاں اسے صحیح طریقہ سے نہیں پرکھا جاتا ہے اس سلسلے میں تحری و اجتہاد کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اس طرح اس میں بھی فقہا کی نظر تمام ظنی حوادث کی مانند ہے لہذا راوی کے بارے میں ابن معین کے دو قول ہیں توثیق اور تضعیف ۔

وہم سے احتراز ممکن نہیں ہے ، عادل معصوم نہیں ہیں اور پھر عصمت بھی تبلیغ میں وہم نہیں ہونے دیتی دیگر امور میں وہم کا سد باب نہیں کرتی ہے کہ رسول کو بعض نمازوں کے بارے میں وہم ہوا ہے چنانچہ ذوالیدین نے آپ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے نماز قصر پڑھی ہے یا بھول گئے؟ یہ حدیث صحیح مسلم میں اس طرح آئی ہے: قال ————— صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ————— رحمہ اللہ فلانا لقد ذکرنی آیت کنت انیتھا رسول نے فرمایا: خدا فلاں شخص پر رحم کرے کہ اس نے مجھے وہ آیت یاد دلائی جسے میں بھول گیا تھا،

صحیحین میں عائشہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابن عمر کے بارے میں کہا: انہوں نے جھوٹ نہیں کہا بلکہ انہیں وہم ہو گیا۔

اس سلسلے میں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں، ابو جعفر رازی عیسیٰ بن ماہان، عبد اللہ بن ماہان بھی کہا گیا ہے۔ ذہبی کہتے ہیں حدیث میں ان کا کافی حق ہے لیکن پھر ان کے بارے میں اختلاف ہو گیا، حاکم عبد العظیم کہتے ہیں: ان کے بارے میں ابن مدینی اور احمد بن حنبل کے درمیان اختلاف ہے، مدینی انہیں ثقہ کہتے ہیں اور ایک مرتبہ خطا کا قراعت سے ہیں ایک مرتبہ احمد کہتے ہیں وہ قوی نہیں ہیں، پھر کہتے ہیں حدیث میں ان کا حصہ ہے، ابن معین کہتے ہیں وہ ثقہ ہیں ان کی حدیث ان کی توثیق کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کیونکہ اس وہم کی معرفت ————— کہ جسکے ہوئے صدق کا احتمال نہیں دیا جاسکتا ————— اجتہادی سلسلہ ہے اس سلسلے میں حافظ کے دو قول ہو گئے اور جیسا کہ مسائل فقہ میں فقیر کے بھی دو قول ہیں امام شافعی نے ابراہیم بن ابی یحییٰ اسلمی سے بہت زیادہ روایت کی ہے اور انہیں متفق

جاننا ہے جبکہ اکثر لوگوں نے اس سلسلے میں ان کی مخالفت کی ہے ابن عبد البر نے اپنی کتاب تمہید میں لکھا ہے ابن نجی کی تخریج پر شافعی کو چھوڑ کر علماء کا اجماع ہے ۱۔

دوسری مثال: محمد بن اسحاق اسلام کے ابتدائی حوادث کا بڑا مورخ ہے، قتادہ کہتے ہیں جب تک محمد بن اسحاق زندہ تھے لوگوں میں علم کا بول بالا تھا اور انھیں کے بارے میں انسانی فرماتے ہیں وہ قوی نہیں ہیں، سفیان کہتے ہیں: میں نے محمد بن اسحق پر کسی کو تہمت لگاتے نہیں دیکھا دارقطنی کہتے ہیں: ان کے اور ان کے باپ کے ذریعہ جت قائم نہیں کی جاسکتی، ملک فرماتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب تھا ۲۔

جرح تعدیل پر مقدمہ ہے

ابن الصلاح کہتے ہیں: جب کسی شخص میں جرح و تعدیل جمع ہو جائیں تو اس وقت جرح مقدم ہے کیونکہ معدل اس چیز کے بارے میں بتاتا ہے جو اس کے ظاہری حالات سے مشاہدہ کیا ہے اور جرح اس کے باطن کے متعلق بتاتا ہے جو کہ معدل سے پوشیدہ ہے، پھر اگر معدلین کی تعداد زیادہ ہو تو کہا گیا ہے کہ تعدیل اولیٰ ہے لیکن جو چیز صحیح ہے اور جہور کا مسلک ہے وہ یہ ہے کہ جرح اولیٰ ہے ۳۔
مخفی نہ رہے کہ علماء جرح و تعدیل نے رسولؐ سے مروی احادیث کی تحقیص میں بڑی کوشش کی ہے وہ تحسین و توفیق کے مستحق ہیں، لیکن اس وقت نظر کے باوجود اپنے عمل سے مقصد تک نہیں پہنچ سکے ہیں، کیونکہ آج بھی احادیث کی کتب میں قابل اُنسکال احادیث موجود ہیں یا اسی احادیث ہیں جن کا موضوع و جلی ہونا سمجھیں آتا ہے اور یہ ان کی کوتاہی کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ انہوں نے پوری تہذیب سے اپنا کام انجام دیا یہ کام ان کی طاقت بشری سے اوپر ہے اسلئے کہ وہ رجال پر ان کے ظاہری احوال اور اخبار کے ذریعہ جو کچھ

ان کے اعمال معلوم ہوتے ہیں ان کے مطابق وہ حکم لگا سکتے ہیں لیکن ان کے باطن اور نفوس و ضمائر میں چھپی ہوئی باتوں کا سراغ لگانا ان کے قبضہ کی بات نہیں ہے اس سے صرف علام الغیوب ہی واقف ہے بہت سے لوگ بظاہر نیک و شریف ہوتے ہیں لیکن جب ان کی باطنی کیفیت واضح ہو جاتی ہے تو آپ پر اس کی برائی عیاں ہوتی ہے، یہ ایسی بات ہے کہ جس میں کسی کو کبھی شک نہیں ہے اس موضوع پر محقق علماء نے بحث کی ہے، مجتہدین و ذریعہ انی، الروض الباسم میں لکھتے ہیں ۱۔

ظاہر کے اعتبار پر اجماع ہے، باطن پر نہیں چنانچہ جسکا نفاق آشکار اور کھنڈا ہر ہوا اس کی حدیث کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور جس نے اسلام و امانت داری اور صداقت کا اظہار کیا تو اس کی حدیث قابل قبول ہے اگرچہ باطن میں وہ ظاہر کے برخلاف ہے، کیونکہ جو ہم پر واجب تھا وہ ادا کر دیا اور حق کی تلاش میں پوری کوشش صرف کی، پھر رسولؐ بھی ظاہر پر عمل کرتے تھے باطن کے علم سے سردکار نہیں رکھتے تھے اور اسی چیز کی طرف اس آیت کے ذریعہ اشارہ کیا ہے، لا تعلصم نحن نعلمصم، انہیں آپ نہیں جانتے ہیں ہم جانتے ہیں، یعنی رسولؐ منافقین کو نہیں جانتے تھے یہ سورہ توبہ کی آیت ایک سو ایک ہے پوری آیت اس طرح ہے، ومن یؤمن بالله و یعمل الصالحات، ومن الہ الذین ردوا علی النفاق تعلصم نحن نعلمصم من ینہد عن اللہ عظیم ذکر طرہ حسین نے اس سلسلے میں بہت اچھی بات کہی ہے جسے ہم نے اپنی اس کتاب کی تقریر طرہ میں درج کیا ہے،

زمانہ قدیم کے علماء ان چیزوں کو سمجھتے تھے اور جہاں تک ممکن ہو نیا صحیح حدیث حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور اسے جوئے لوگوں کے کذب سے پاک کرتے تھے اس اجتہاد میں ان کا وتیرہ صرف یہ تھا کہ وہ حدیث نقل کرنے والے جہاں کی زندگی کی تحقیق کرتے تھے یہاں تک کہ حدیث کی تدوین مکمل ہو گئی رجال میں سے ہر ایک کی تحقیق کرتے اور اس بات کا تہ نگاتے تھے کہ راوی پاک سیرت اور اللہ و رسول پر صدق دل سے ایمان رکھتا اور اپنی تمام باتوں میں صداقت کو شدید طور پر ملحوظ رکھتا تھا،

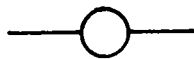
خصوصاً حدیث رسولؐ پر سنی مشکوٰۃ تھی جسے علماء حدیث نے بار و بار کیا اور جہاں تک ممکن تھا اس سلسلہ میں خلوص سے کام لیا،

لیکن یہ شدید اور بار و بار کوشش کافی نہیں تھی کیونکہ سب سے دشوار اور پیچیدہ کام لوگوں و رجال کی حیات کا تتبع اور اس کے دقائق سے پردہ اٹھانا ہے ممکن ہے اس سلسلہ میں چھان بین کی جائے مگر لوگوں کے حقائق اور ان کے اسرار کے دقائق تک رسائی نہ ہو سکے اور ان کے اسرار کا سراغ نہ مل سکے اور ان کے نفوس و سمیرت کی گونا گوں مخفی کمزوریوں کا پتہ نہ لگ سکے،

اسی جدوجہد کے ساتھ ایک اور سنی کا اضافہ ہونا چاہیے تھا اور وہ خود نص کی تحقیق ہے ممکن ہے ایک شخص بظاہر صداقت و امین ہو یعنی اگر وہ قاضیوں کے سامنے گواہی دے تو اس کی گواہی کو وہ قبول کریں گے لیکن دلوں کے بھید اور ضمیروں میں چھپی ہوئی چیزوں کا علم صرف خدا ہی کو ہے ایسے وہ رجال کہ جن سے حدیث نقل کی جاتی ہے ممکن ہے وہ بھی ان کی مانند صداقت و امین ہو اور قاضی اس کی گواہی قبول کرتے ہوں لیکن باطنی طور پر وہ صحیح نہ ہوں تو اس صورت میں ایسے عادل لوگوں سے نقل ہونے والی احادیث کی نص میں غور و خوض کرنا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ حدیث کس حد تک قرآن کے موافق ہے کیونکہ قرآن میں کسی بھی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اسلئے کہ قرآن مجید ہم تک کسی فرد و جماعت کی نقل کے ذریعہ نہیں پہنچا ہے بلکہ اسے اجتماعی طور پر امت اسلامیہ کی نسلوں نے ایک بالترتیب اس صورت میں ایک دوسرے سے نقل کیا ہے جس میں آج ہم دیکھتے ہیں،

اور ان نسلوں نے اپنے حافظے سے نقل نہیں کیا ہے بلکہ تحریروں و کتبی صورت میں ایک نے دوسرے تک پہنچایا ہے، یہ خود رسولؐ کے زمانہ میں رشتہ تحریر میں لایا گیا، ابو بکر کے زمانہ خلافت میں جمع ہوا اور عہد عثمان میں مصاحف میں لکھا گیا اور ممالک میں نشر کیا گیا اس سلسلہ میں مکتوب اور ذہنی دونوں روایتوں کا اجتماع ہے اور دونوں میں ہمیشہ مطابقت رہی ہے لہذا قرآن کی نصوص میں سے کسی میں بھی شک کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ قرآن ہم تک جن طریق و نصوص سے پہنچا ہے ان میں شک نہیں کیا جاسکتا ہم نے حقائق کو ان ہی کی صورت میں پیش کیا ہے اور تاریخی واقعات کو ان کی چھان بین

کے بعد رقم کیا ہے، خدا کی قسم کسی کو اپنی طرف سے شہم کرنے کا ارادہ نہیں کیا ہے صحابہ اپنی جگہ ... لیکن وہ بھی بشر ہیں ان میں اچھے بھی ہیں برے بھی، سچے بھی ہیں جھوٹے بھی، وہ بھی زندگی گزارتے تھے اس سے لذت اندوز ہوتے تھے جیسا کہ دوسرے لوگ لطف اٹھاتے ہیں اور پھر ان تمام باتوں سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے اس کی ضیاء اس کی عظیم کتاب کے ذریعہ قیامت تک لوگوں تک پہنچتی رہے گی،



jabir.abbas@yahoo.com

[illegible]

نہ جہت

تسلیم کرنے کا لازمہ یہ ہے کہ انہوں نے جو حدیثیں بیان کی ہیں وہ سب موثق ہیں ان کی روایتوں سے حدیث کی کتب بھری پڑی ہیں جبکہ ان میں کوڑا کرکٹ بھی موجود ہے اور یہی کوڑا کرکٹ ضرر رساں ہے، اس چیز میں مسلمانوں کو جو ضرر و نقصان پہنچے ہیں اگر ہم اس سب کو جمع کریں تو بحث طویل ہو جائیگی لہذا دو نقصان کے بیان پر اکتفا کر جاتی ہے،

اول وہ شدید اختلاف ہے جو عثمان کے زمانہ سے پیدا ہوا اور آج تک چلا آ رہا ہے اور جو تک جابجا رہے گا جس نے مسلمانوں کی کمر توڑ دی ہے، جس نے مسلمانوں کی صفوں میں تفرقہ ڈال دیا انہیں مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیا اور متباہان کر دیوں اور متعدد مذاہب میں بانٹ دیا ہے یا عقائد میں یا عبادات میں یا معاملات میں ان کے درمیان اختلاف ہے اور ان لوگوں کو بدگانی پیدا کر دی جنہوں نے صدیوں مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کی ہے، تاکہ وہ سب اللہ کی رستی کو تھامیں تفرقہ کا شکار نہ ہوں، لیکن اختلاف ختم نہ ہو سکا اور نہ کبھی ختم ہو گا ملت اسلامیہ کے رگ و پے میں اتر جائے گا یہ ناقابل انکار حقیقت ہے،

دوم حدیث کی کتابوں میں ایسی جہالت و خرافات کی باتیں ہیں جن کو نہ صحیح عقل قبول کرتی ہے اور نہ صحیح علم ان کی تائید کرتا ہے لہذا ان کی وجہ سے اسلام پر سلسل طعنوں کی بوجھار ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ بعض نے تو اسلام کو، خرافات اور ہام کا دین قرار دیدیا ہے، مگر علم و عمران کے زمانہ میں بھی ان کی اصلاح نہ ہو سکی، اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ ایسی حدیثوں کو بیان کرنے والے بھی صحابہ ہی ہیں پھر ان سے روایت نے لیں اور رجال حدیث نے اپنی کتابوں میں درج کر لیا اور جب ہم یہ آواز بلند کرتے ہیں کہ اسلام پر جو مصیبت و بلاناظر ہوتی ہے اس کا سرچشمہ دو چیزیں ہیں، مطلق طور پر صحابہ کو عادل مانتا اور حدیث کی ان کتابوں پر اندھے ہو کر اعتماد کرنا جن میں اچھی بری باتیں درج ہیں ہماری یہ بات حقیقت سے دور نہیں ہے۔

اگر ہم سیدھی راہ پر چلتے جت واضح کے پابند ہوتے منطق عقل کا اتباع کرتے اور علماء کا وہ رائے اختیار کرتے جو کہ انہوں نے اپنی تحقیق کے زمانہ میں کسی تعلیدی اثر اور عاطفی جذبہ "خوہ صحابہ کی شخصیتوں اور ان کی روایت کردہ چیزوں" سے متاثر ہوئے بغیر اختیار کیا تھا تو حق واضح ہو جاتا اور نور اسلام ضو فشاں ہو جاتا اور پوری دنیا کے مسلمان متفق ہو کر جمل اللہ سے متمسک ہو جاتے،

ہم کہہ چکے ہیں کہ عدالت صحابہ کا نظریہ بہت بڑی بات ہے لہذا ہم نے اس کیلئے ایک الگ فصل قائم کی ہے تاکہ صحیح معنی میں اسے واضح کیا جاسکے اور قرآن و حدیث سے اپنی دلیل بیان کر سکیں کہ شک جنکے قریب تک بھی نہ جاسکے،

صحابی کسے کہتے ہیں؟

عدالت صحابہ کی بحث شروع کرنے سے قبل ہم یہ بتادینا ضروری سمجھتے ہیں کہ صحابی کسے کہتے ہیں جمہور نے صحابی کی تعریف کی ہے اسے بخاری نے اپنی کتاب میں لکھا ہے: مسلمانوں میں سے جس نے بھی رسولؐ کی صحبت کا شرف پایا یا آپؐ کو دیکھا وہ صحابی ہے، ابن حجر عسقلانی نے بخاری کی تعریف کی اس طرح شرح کی ہے، صحبت رسولؐ کا اسم کیلئے استعمال ہوتا ہے جس نے آپؐ کی صحبت کا شرف پایا، اگرچہ عرف کے نزدیک اس کے کچھ لوازم بھی ہیں اس شخص کو بھی صحابی کہتے ہیں جس نے صرف رسولؐ کو دیکھا ہو دوسرے ہی سے سہی، یہ تھا وہ جو بخاری نے بیان کیا یہی راجح ہے کیا دیکھنے میں بھی شرط ہے کہ دیکھنے والا یہ تمیز کر سکے کہ اس نے کیا دیکھا ہے، یا صرف دیکھا کافی ہے، صحابی کا عل دوسرے نظریہ پر دلالت کرتا ہے، چنانچہ علامہ محمد بن ابی بکر صدیقؓ وغیرہ کے بارے میں کہتے ہیں وہ وفات رسولؐ سے تین ماہ کچھ دن قبل پیدا ہوئے جیسا کہ صحیح میں لکھا ہے کہ ان کی ماں اسماء بنت عیسٰی نے انہیں ذی قعد کے آخر میں حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ میں داخل ہونے سے پہلے جنم دیا،

علی ابن المدینی کہتے ہیں: جس نے رسولؐ کی صحبت کا شرف حاصل کیا یا دن کی کسی ساعت میں آپؐ کو دیکھا وہ اصحاب بنی میں سے ہے گویا وہ اپنی اس تعریف کو رسولؐ کی اس حدیث سے تائید کرنا چاہتے ہیں رسولؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: لوگ جنگ میں مشغول تھے کہا گیا کیا تم میں کوئی ایسا آدمی ہے جس نے رسولؐ کو دیکھا ہو وہ جنگ فتح کرے،

کتاب الاصابہ فی تہذیب الصحابہ کے مقدمہ میں صحابی کی تعریف کرتے ہوئے ابن حجر لکھتے ہیں:
میرے نزدیک صحیح معنی میں وہ صحابی ہے کہ جس نے رسولؐ سے آپؐ پر ایمان کی حالت میں ملاقات
کی اور مسلمان مرا، اس لحاظ سے آپؐ سے ملاقات کرنے والا اور آپؐ کے ہمراہ جنگ کرنے والا اور آپؐ کو
ایک مرتبہ دیکھنے والا بھی صحابی ہے خواہ آپؐ کی ہمیشہی اختیاری نہ ہو یا کسی عارض ہونے والی چیز کی بنا پر
نہ دیکھ سکا ہو، جیسے اندھا۔

روایات حدیث کے حالات کو علماء نے واجب چاہا ہے ”جیسا کہ آپؐ گذشتہ فصل میں ملاحظہ
فرما چکے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ حق پر ہیں کیونکہ بغیر تحقیق و تمحیص اور تنقید کے شخص کی بات
کو قبول نہیں کیا جاسکتا ہے، لہذا علماء نے روایت کی جرح و تعدیل کا قاعدہ بنایا، ہر راوی کو ان کے مطابق
پرکھنا ضروری ہے خواہ اس کی شان کچھ بھی ہو۔ وہ تو صحابہ کی دہلیز سے آگے نہیں بڑھے وہ تمام صحابہ کو
عادل اور تنقید کرنے کو جائز نہیں سمجھتے اس سلسلے میں ان کا قول ہے، ان کی بساط سمٹ چکی ہے،
تعجب کی بات تو یہ ہے کہ وہ اس موقع پر جمع ہوئے ہیں جبکہ خود صحابہ نے ایک دوسرے
پر تنقید کی اور ایک نے دوسرے کو کافر قرار دیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور آئندہ بھی بیان کریں گے
تقریب میں نووی لکھتے ہیں: صحابہ سب ہی عادل ہیں خواہ وہ فتنہ ہی میں ملوث ہو اور
ذہبی نے اس بات پر جو کہ انہوں نے روایات ثقات کے بارے میں لکھا ہے اس میں لکھا ہے،

اگر ہم نے جرح و تعدیل کا باب کھلایا اور اس میں بعض صحابہ و تابعین اور ائمہ کو داخل کر لیا ہے
لیکن بعض صحابہ نے تو بعض کو کافر کہا ہے، کس تاویل سے! اور خدا ہر ایک سے راضی ہو جائے گا،
انہیں بخش دے گا تو وہ معصوم نہیں ہیں،

پھر کہتے ہیں: لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کی بساط سمٹ چکی ہے جو کچھ ہوا سو ہوا اگرچہ
انہوں نے بھی دوسرے ثقات کی طرح غلطی کی کوئی بھی غلط عمل کے ارتکاب سے نہ بچ سکا۔ لیکن یہ غلطی

چھوٹی ہے اس سے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ ان کی عدالت کے قائل ہیں اور ان سے نقل ہونے والی حدیثوں کو قبول کرتے ہیں۔

تابعین میں ایسے بہت کم ہیں جو جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہوں لیکن ان کے یہاں غلط کام اور اوہام ہیں ان میں سے بعض سے حدیث میں ایک اور بعض سے متعدد غلطیاں ہوئی ہیں ان میں وہ بھی جو علم کا طرف ہے وہ بھی بخشا جائے گا اس کی حدیث نقل ہوئی اس پر عمل کیا گیا ایسی صفت کے مالک اور علم کے بارے میں اللہ کے درمیان بحث ہوئی کہ اس سے حجت قائم کی جاسکتی ہے اور جس سے نفرت ہوئی ہے اس کی حدیث سے حجت قائم نہیں کی جاسکتی لیکن اصحاب تابعین جیسے مالک اور اوزاعی وغیرہ کے بھی وہی مراتب ہیں جو ذکر ہوئے ہیں ان کے زمانہ میں ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں یا بہت زیادہ غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں تو ان کی حدیث کو ترک کر دیا جاتا ہے، مالک کو لیجئے جو کہ امت کے درمیان ستارہ ہدایت ہیں یہ بھی تنقید سے نہیں بچ سکے ہیں اگرچہ مالک سے احتجاج کے وقت کسی کہنے والے غدر بھی کی بنا پر کچھ کہا ہے، ایسے ہی اوزاعی ثق ہیں حجت میں بہت سی چیزوں میں یکتا ہیں انہوں نے زہری سے حدیث لی ہیں ان کے بارے میں بھی کچھ کہا جاسکتا ہے احمد بن حنبل ان کے متعلق فرماتے ہیں ان کی رائے ضعیف ان کی حدیث بھی ضعیف ہے،

یہ بات بہت وسیع ہے محمد بن اویس شافعی جن کی فضیلت معارف امانتداری اور ثقہ ہونے کی شہرت ہے ایسے حافظ جن سے بہت کم غلطیاں ہوئی ہیں ان کے بارے میں عربی عبد البر لکھتے ہیں: محمد بن واصل سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے یحییٰ بن معین سے شافعی کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: ثقہ نہیں ہیں، شافعی کے بارے میں ابن معین کا قول ہے: خواہش نفس اور عصبیت کی بنا پر ان کی زبان سے نفرت ہوئی ہے ابن معین اگرچہ محدث تھے لیکن خفی تھے۔

جھہرن محمد الصادق کو ابو حاتم اور نسائی نے ثقہ تسلیم کیا ہے مگر بخاری نے آپ سے روایت نہیں کی ہے، سعید بن ابی عروہ: ثقہ ہیں لیکن آخر میں ان کا حافظ خراب ہو گیا تھا کتا بوں میں ان کی حدیث موجود ہیں وہ قدری تھے، احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

ولید بن مسلم: اہل دمشق کے عالم ثقہ حافظ ہیں لیکن ضعیفہ سے روایت کرتے ہیں تمام کتابوں میں ان کی حدیثیں ہیں،

آمدی کہتے ہیں: عدالت صحابہ پر تمام ائمہ جمہور کا اتفاق ہے ایک جماعت کا قول ہے صحابہ اس حیثیت سے عادل ہیں کہ روایت میں ان کے بعد والوں کی عدالت سے بحث کی جائے بعض کہتے ہیں: صحابہ آپسی فتنہ و اختلاف واقع ہونے کے وقت تک عادل تھے سکے بعد ان میں سے راوی یا شاہد کی عدالت سے بحث ضروری ہے کیونکہ اس کی عدالت ظاہر و واضح نہیں ہے کچھ کہتے ہیں صحابہ میں سے جس عالم نے بھی غلطی سے جنگ کی وہ فاسق ہے اور اس کی روایت و گواہی قابل قبول نہیں ہے چند لوگوں کا نظریہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کی روایت و شہادت تسلیم نہیں کی جائے گی کیونکہ دونوں میں سے ایک فاسق ہے اور وہ معلوم و معین نہیں ہے،

مستصفیٰ میں غزالی لکھتے ہیں: بعض لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ لزوم بحث میں صحابہ کی بھی وہی حیثیت ہے جو دوسروں کی ہے، ایک جماعت کہتی ہے پہلے وہ عادل تھے لیکن جب جنگ و فتنہ پیدا ہو گئے تو حالات بدلتے گئے خونریزی ہوئی لہذا عدالت سے بحث ضروری ہے، جو لوگ تمام صحابہ کو عادل مانتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: اصحابی کا بنخم باہم اقتدیم اہدیم، دوسری روایت میں ہے تم جس کے قول پر بھی عمل کرو گے... لیکن یہ حدیث باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے،

بہترین بحث

امام مقبلی نے اپنی کتاب العلم الشارح فی تفضیل الحق علی الایماء والشارح، میں ایک بہترین فصل قائم کی ہے اور اس میں دین میں اختلاف صحابہ اور ان کی عدالت سے بحث کی ہے فادیت کیلئے ہم اس کے بعض حصے یہاں بیان کرتے ہیں،

خدا نے دین میں اختلاف کرنے سے روکا ہے، خدا جانتا تھا کہ دین میں اس کے کیا نقصانات ہوں گے لہذا اپنی کتاب میں اس کو مکرر بیان کیا ہے، ایسے ہی بنی اسرائیل کیلئے بھی مکرر بیان تھا چنانچہ ارشاد ہے: **وما تفرقوا الا من بعد ما جاءهم العلم بنیا بینهم**، اسی مفہوم کی دیگر آیات بھی ہیں خدا کا قول صادق ہے ہم نے تو انہیں چیزوں میں اختلاف پایا ہے جن میں حق واضح ہے رسول نے اختلافی بحثوں سے منع کیا ہے جیسے قدر کے بارے میں جدال سے روکا ہے، خداوند عالم کا ارشاد ہے، **لا تسئلوا عن** اشیاء ان تبدلکم تسوؤکم،

رسول کا ارشاد ہے کہ جن چیزوں میں تم سے سروکار نہیں رکھتا تم بھی ان میں مجھ سے طلب نہ رکھو، پھر خدا نے اپنے نبی کے ذریعہ دین کی تکمیل کا اعلان کر دیا ہے اب کوئی ایسی چیز باقی نہیں بچی جو ہم کو جنت سے قریب کر دے اور نہ ایسی چیز بچی جو جہنم میں لے جائے اور جس کو خدا و رسول نے بیان نہیں کیا ہے اس کے بارے میں خدایہ نہیں چاہتا ہے کہ ہم اپنی قاصر عقلوں سے اس کی چھان بین کریں کیونکہ دنیا خدا کے علم میں محدود ہے انبیاء و ائمہ تمام نعمت و حجت کیلئے آئے تھے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ فضل ہے جس سے نہ نقصان کا خوف ہے نہ فائدہ کی توقع ہے، اور اس سلسلے میں مقصد خدا بہترین صدی میں پورا ہو گیا اس صدی کے لوگ اختلاف سے شدید طور پر ڈرتے تھے اور اگر ان سے چوک ہو جاتی تھی تو اس کی صحیح مننون میں تلافی کرتے تھے اور جان بوجھ کر اس کے کرنے پر اصرار نہیں کرتے تھے جیسا کہ ظہورِ سیر اور عائشہ کا رویہ تھا اور خلافت و نبوت کے بعد جن صحابہ کا حکم جو رسے سابقہ ہوا انہوں نے صبر سے کام لیا یہاں تک کہ ان چیزوں کے بیان کے سبب بدعت ظاہر ہو گئی جن کو خدا و رسول نے بیان نہیں کیا تھا اگر اس میں گلوں کے لیے کوئی بھلائی ہوتی تو خدا اپنے رسول کے ذریعہ اس سے انہیں ضرور آگاہ کرتا اور انہیں ہرگز فتنہ میں نہ چھوڑتا، پھر خود مسلمانوں کے درمیان نئی نئی چیزیں پیدا ہو گئیں جیسے قدر کا مسئلہ، خلقِ قرآن کی بحث جبکہ صحابہ کے درمیان ایسی کوئی بحث نہیں تھی ان چیزوں سے لمراد بادشاہوں کے درمیان مناظروں کے باب کھل گئے جس سے عصیت و نزاع و جدوجہد میں آگئی یہ صرف حد سے بڑھ جانے کا نتیجہ تھا انہوں نے خدا و رسول کی مقرر کردہ حد میں رہنا پسند نہیں کیا تو خدا نے انہیں گروہوں میں

تقسیم کر دیا جو ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے لگے چنانچہ گنظیفہ انکا طرفدار ہوتا تو یہ اپنے مخالفوں کو سخت سزائیں " درذناک عذاب " دیتے تھے اور دوسرا پہلے کی مخالفت کرے اسکی سنت کو ختم کر دیتا اور انہیں عبرت ناک سزائیں دیتا تھا، اسی طرح شمر نے جرڑیں پکڑیں اور لوگ فرقوں میں بٹ گئے ۔

ان میں ایسے بھی تھے جو شیخ یا دولت یا دیگر دینوی و عصبیت کے امور کی وجہ سے ایک مذہب چھوڑ کر دوسرے اختیار کرتے تھے، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ ابن عبدالحکم نے شافعی کے انتقال کے بعد ان کی جگہ پر آنے کا ارادہ کیا تو کسی نے کہا: شافعی نے یہ فرمایا: ہے کہ میری جگہ کے ربع زیادہ حقدار ہیں اس سے عبدالحکم غضب آگیا اور مالک کا مذہب اختیار کیا ایک کتاب لکھی جس کا نام " الرد علی محمد بن ادیس فیما خالف فیہ الکتاب والسنۃ " رکھا ابن اسکی نے ایسا ہی لکھا ہے اور اس بات کو خدا اور علم میں راسخ حضرات جانتے ہیں کہ کسی بھی فرقہ کے پاس سارا حق نہیں ہے اور نہ دوسرے از سر باطل پر ہیں ہاں ان کے مجموعہ سے حق خارج نہیں ہوا ہے پورا حق اس کے ہاتھ ہے جو اس راستہ پر باقی رہا جس پر رسول ﷺ تھے، اس سے مسائل اجتہاد میں خطا ہونا بھی ضروری ہے واضح رہے کہ اجتہادی خطائیں لیکن مہمات کی خطا معاف نہیں ہیں، مجھے بتائیے کہ کون ہے جو رسول ﷺ کے راستے پر باقی رہا اور رسول ﷺ سے نقل ہونے والی حدیثوں پر قانع رہا اور دوسرا مذہب نہیں بنایا جبکہ اسلام کتاب و سنت کو دیکھتے تھے انھیں نہ یہ مرض تھا نہ اس کی دوا چھوڑنے ان بالکل نہیں خدا کی قسم مجھے تو ان ضخیم کتابوں میں فتنہ اور ادھر ادھر کی چیزوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا ہے کتاب خدا کو بھی اپنے عقیدہ کی طرف موڑ لیا ہے اس میں بھی تحریف کر دی ہے،

مشکلیں کے احوال سے بحث کرنے کے بعد محدثین کے احوال بیان کرتے ہیں، وہ محدثین جو بزرگ خود سنت پر باقی ہیں اور علم کلام سے منع کرتے ہیں ان میں دوسروں سے زیادہ فتنے سراپت کر آئے ہیں کیونکہ وہ سربیت کی راہ میں بیٹھے ہیں لیکن مفسدہ، جنگ و جدال سانپ بچھو، زہریلے اور پھاڑ کھانے والے جانور جو راہ میں ہیں وہ ان سے زیادہ ضرر رساں ہیں اس کے باوجود ان کا مرض کلام میں غور کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے اور پھر یہ مشکلیں سے بھی زیادہ شدت

پسند ہو گئے کیونکہ مسکین نے تو اپنے مسلک کی بنیاد تفتیش اور اس بات پر کھینچی کہ طالب علم اس پر سوتا قائم نہ کرے، اختراع کلمہ نہ سمجھے بلکہ اسے ظرافت و کمال خیال کہے کیونکہ اکثر بعد میں آنے والے کے سامنے فریقین کے اقوال مع نظریات کے آجاتے ہیں جیسا کہ اشعری کی پیروی کرنے والوں پر عیاں ہو گیا کہ جبر کا عقیدہ باطل ہے تو تحقیق میں مشغول ہوئے تو اس کا غلط ہونا واضح ہو گیا لہذا انہوں نے معتزلہ کا مذہب اختیار کر لیا اور یہ اختیار کا عقیدہ معتزلہ ہی سے مختص نہیں ہے جس سے فرار کیا جا سکتا ہے بلکہ یہی دین خدا اور اس کی حجت ہے، پھر جس نے متاخرین میں سے تحقیق کی اس پر وہ چہرہ آسان ہو گئی، جو اس کے اسلاف کیلئے سخت تھی اور اس کا مزاج نرم ہو گیا لیکن محدثین کا نہ تو چہرہ پہلے دن اختیار کی تو پھر تحقیق ہی نہیں کی گویا کہ دوسری چہرہ بدعت ہے یہ سچے ہیں لیکن یہ اول سے آخر تک بدعت ہی بدعت ہے، یہ جس منزل پر پہنچے ہیں اس کی نسبت نہیں تھی بلکہ انھیں شیطان نے دھوکا دیا آپ اہل سنت ہیں جو اس کے حامی ہیں کیا آپ نے ان کا بایکاٹ کیا ہے؟ نہیں وہ جس مسلک پر تھے اسی پر ہیں نہ انہوں نے قوم کے مفاد کو ٹھیس پہنچائی کہ جس سے ان کی تردید کی جاتی،

امام احمد، محافظ سنت، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے نفس کو خواص کر لیا تھا، ناواقف نہیں تھے لیکن وہ بھی مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں بحث کرتے ہیں اور اس جرم میں سزا کاٹتے ہیں، قرآن کو توحید کے برابر یا اس سے بھی عظیم قرار دیتے ہیں موصوف کو خبر ملی کہ محمد بن ہارون نے اسماعیل بن علیہ کیلئے کہا ہے، حرامی تم کہتے ہو کہ قرآن مخلوق ہے، احمد کہتے ہیں: شاید خدا انہیں نہ محمد بن ہارون کو، بخش دے لیکن اسماعیل بن علیہ اس کے زیادہ حقدار تھے کہ احمد ان کے لئے ایسے دعا کرتے، کیونکہ علم اور ورع میں وہ بھی ان ہی کی مانند امام تھے اگرچہ احمد کی نظر میں ان سے خطا ہوئی تھی تو خدا کی رحمت بہت وسیع ہے اور ان کی خطائی کیا تھی، اس شخص کے مانند تھے جو خلیفہ کو اس کے صفات سے تہی را من اور جان و مال کی غارت گری دیکھے،

خدا احمد پر رحم کرے اس مسئلہ میں ان سے جہاں تک ممکن تھا تعصب سے کام لیا یہاں تک اس سلسلے میں جو ان کی مخالفت کرتا تھا یہ اس کی روایت قبول نہیں کرتے تھے

اور یہ حرکت سند کے حق میں خیانت ہے کیونکہ جس نے عادل لوگوں کی خبر و حدیث قبول کرنے کو واجب قرار دیا ہے اسی نے اس کی روایت قبول کرنے کو بھی واجب قرار دیا ہے، کہتے ہیں میں قدیہ کی روایت قبول کرتا ہوں، اگر بصرہ کی چھان بین کی جاتی تو ان کا تیسرا حصہ قدریہ نہ نکلتے،

احمد بن حنبل بن معین ایسے آدمی سے روایت نہیں لیتے ہیں جبکہ وہ شدت پسند تھے اور عامر بن صالح بن عبد اللہ بن عروہ بن الزبیر بن العوام ان کی شیوخ میں سے ہیں کہ جن کے بارے میں نسائی فرماتے ہیں: وہ ثقہ نہیں ہیں اور دارقطنی کہتے ہیں: ان سے حدیث نہیں لینی چاہیے ابن مین کہتے ہیں: وہ کذاب دشمن خدا ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے نیز کہا: احمد کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ عامر بن صالح سے روایت کرتے ہیں؟ ذہبی کہتے ہیں: احمد نے سب سے ترین لوگوں سے حدیث نہیں لی ہے، ذہبی نے احمد اور ان کی روایت کے بارے میں غلو کیا ہے مختصر یہ کہ ان کے روات میں کوئی بخیل و سب سے نہیں تھا مگر یہ کہ وہ قرآن جیسا مسئلہ ہو،

افسوس! قرآن و حدیث میں سے آپ کے پاس اس بات پر کوئی دلیل ہے کہ قرآن مخلوق نہیں ہے؟ وہ مخلوق ہے؟ آپ کی اور آپ کے حریف کی دونوں کی بحث بدعت ہے، خدا نے تو قرآن کو اس صفت سے متصف کیا ہے، قرآن عربی ہے اس میں کوئی گجی نہیں ہے، نیز فرمایا جلناہ و نزلناہ و فضلناہ لیکن یہ نہیں فرمایا: خلقناہ، ہم نے اسے پیدا کیا ہے اور نہ ہی یہ کہا ہے کہ ہم نے اسے پیدا نہیں کیا ہے تو یہ سنت آپ نے کیسے ایجاد کر ڈالی اور علی ابن المدینی کے خلاف کیوں بول دیئے ابن المدینی وہ ہیں جن کے بارے میں بخاری کہتے ہیں: کسی شخص کے سامنے مجھے اپنی حقارت کا اتنا احساس نہیں ہوتا ہے جتنا ان کے سامنے ہوتا ہے، ان کے بارے میں ایسی بات کہی جاتی تھی، اور پھر ان کے اس قول سے کہ جس نے قرآن کو مخلوق جانا وہ کافر ہے اور جس نے روایت خدا کا انکار کیا وہ کافر ہے اول تو یہ صحیح نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو کافر کہا جائے اور پھر اس تکفیر سے ام المؤمنین عائشہ بھی محفوظ نہیں رہتی ہیں اور نہ صحابہ و تابعین میں سے ان کی موافقت کرنے والے بچ سکتے ہیں کیونکہ انہوں نے روایت کی نفی کی تھی لیکن محدثین نے اس کی طرف توجہ ہی نہ کی

[illegible]

سے روایت کرنا، اور ان کی ہمدردی جتنا دین خدا سے خیانت اور آیت کریمہ کی کھلی مخالفت ہے پھر صحابہ ہونا کافی نہیں ہے بلکہ تزکیہ ہونا ضروری ہے کسی کے فریب میں آئے، اس میں شک نہیں ہے کہ بخاری بڑے محدثین میں سے ایک ہیں لیکن ان کی یہ حالت ہے تو ان سے چھوٹوں کی کیا کیفیت ہوگی جبکہ بہت سے حفاظ کو بخاری نے نظر انداز کیا ہے، عمر بن سعد بن ابی وقاص کے بارے میں غلطی کہتے ہیں وہ تابعی ہے ثقہ ہے، لوگ ان سے روایت کرتے ہیں جبکہ یہ شخص قتل حسین میں بنفس نفیس شریک تھا اب آپ مجھے بتائیے کہ دین پر اس سے بڑا اور کیا ظلم ہوگا محدثین کی تو حالت ہی عجیب ہے، قاتل علیؓ، قاتل طلحہ، بسر بن ارقطہ وغیرہ سے روایت کرتے اور انھیں صحابی قرار دیتے ہیں اور چھوٹے بڑے کو صحابیت کے لباس میں دیکھ کر اس کے ہر عیب سے چشم پوشی کر لیتے ہیں،



تمام صحابہ عادل ہیں

جہور کا مسلک یہ ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں ان کے بارے میں جہور جرح و تعدیل کو بھی قبول نہیں کرتے حالانکہ دیگر تمام روایات کیلئے تسلیم کرتے ہیں لیکن تمام صحابہ کو معصوم عن الخطا اور سہو و نسیان سے پاک سمجھتے ہیں اس کے برعکس بہت سے محققین تمام صحابہ کو عادل نہیں سمجھتے ہیں بلکہ وہ وہی بات کہتے ہیں جو علامہ مقلیٰ نے بھی ہے، عدالت اکثر میں ہے، عام نہیں ہے دوسروں کی طرح ان سے بھی خطا اور سہو و نسیان ہو سکتا ہے بلکہ نوابش نفس بھی غالب آسکتی ہے ان کی اس رائے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ صحابہ بھی بشر ہیں ان سے بھی ایسے ہی افعال صادر ہوتے جیسے دوسروں سے ہوتے ہیں اور اس کا تعلق طبیعت بشریت سے ہے ان کے سید و سردار ”محمدؐ“ جسکو خدا نے برگزیدہ کیا تھا اور خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے وہ فرماتے ہیں: میں بھی بشر ہوں مجھ سے صحیح بھی کام ہوتے اور خطا بھی ہو جاتی ہے۔ پھر صحابہ میں سے وہ بھی ہیں جو عہدِ رسولؐ میں منافق تھے جھوٹے تھے اور ان میں سے بعض رسولؐ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے ان میں آپس میں ایسی جنگیں اور فتنے واقع ہوئے جن کے نتیجہ میں کھتیاں اور نسلیں تباہ و برباد ہوئی ہیں اور آج تک ان کے آثار باقی ہیں۔ رسولؐ اپنی بصیرت سے یہ دیکھ رہے تھے کہ صحابہ میرے انتقال کے بعد کیسے کیسے جرائم کے مرتکب ہوں گے اسی لئے آپؐ نے حجۃ الوداع میں فرمایا تھا، میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مانتے لگو،

بخاری نے ابن عباس سے اور انہوں نے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا بیشک تم قبروں سے ننگے اٹھائے جاؤ گے اور یہ کہ میرے بعض اصحاب کو شمال کی طرف سے لایا جائے گا میں کہوں گا، میرے صحابی، صحابی! کہا جائے گا آپؐ نے جس رجز انہیں چھوڑا تھا یہ اسی دن اپنے کھڑ کی طرف پلٹ گئے تھے تو میں بعد صالح کی طرح کہوں گا جب تک میں ان کے درمیان تھا ان پر گروہ تھا

مسلم نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے: میرے اصحاب میں سے کچھ لوگ میرے پاس وارد ہوئے جب میں انہیں پہچان نہ سکا تو انہیں وہاں سے ہٹا دیا جائے گا میں کہوں گا میرے صحابی! نہ آئے گی آپ نہیں جانتے آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا جرم کئے ہیں،

بخاری نے ابو ہریرہ سے اور انہوں نے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میں کھڑا ہوں گا کہ میرے سامنے کچھ لوگ لائے جائیں گے میں پہچان لوں گا تو ایک میرے اور ان کے درمیان کھڑا ہوگا اور کہے گا: میرے ساتھ چلے آؤ! میں کہوں گا کہاں؟ وہ کہے گا جہنم کی طرف، خدا کی قسم میں کہوں گا ان کی کیا خطا ہے؟ وہ کہے گا: یہ آپ کے رجعت قبقری کے طور پر کفر کی طرف پلٹ گئے تھے پھر کچھ اور لوگ آئیں گے میں انہیں بھی پہچان لوں گا پھر ایک شخص میرے اور ان کے درمیان حائل ہوگا اور کہے گا: چلو میں کہوں گا کہاں؟ وہ کہے گا جہنم میں، خدا کی قسم میں کہوں گا ان کی کیا خطا ہے؟ کہے گا یہ رجعت قبقری کے طور پر اپنے کفر کی طرف پلٹ گئے تھے میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے کچھ لوگ جہنم سے بچ سکیں گے،

دوسری روایت میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: قیامت کے روز میرے صحابہ کی ایک جماعت میرے پاس پہنچے گی انہیں حوض کوثر سے بھگایا جائے گا میں عرض کروں گا پالنے والے یہ میرے صحابی ہیں، ارشاد ہوگا: تمہیں علم نہیں ہے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا ہے یہ پچھلے پیروں رجعت قبقری کے طور پر کفر کی طرف پلٹ گئے تھے،

سہیل بن سعد سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسولؐ نے فرمایا: ضرور میرے پاس کچھ لوگ ایسے وارد ہوں گے جنہیں میں بھی پہچان لوں گا اور وہ بھی مجھے پہچان لیں گے پھر میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز جاکل ہو جائے گی، ابو حازم کہتے ہیں: مجھے نعمان بن ابی عباس نے سنایا اور کہا: کیا تم نے بھی سہیل سے اسی طرح سنا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، انہوں نے کہا: ابو سعید خدا کے سامنے گواہی دینا کہ میں نے یہ سنا ہے میں » رسولؐ « کہوں گا کہ یہ مجھ سے ہیں، کہا جائیگا: آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا، میں کہوں گا دلے ہوا ان پر تو میرے بعد بدل گئے تھے،

ابن عباس سے نقل کیا گیا ہے،

میرے صحابہ کی ایک جماعت کو شمال کی طرف لے جایا جائے گا میں کہوں گا: میرے صحابی میرے صحابی! کہا جائے گا یہ اسی روز سے کفر کی طرف پلٹ گئے تھے جس دن آپ نے ان سے مفارقت کی تھی،

بخاری نے بھی باب غزوۃ الخدیہ میں علامہ ابن المسیب سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے انہوں نے کہا: میں نے براہین عاذب سے ملاقات کی اور ان سے کہا: خوش قسمت ہیں آپ رسول مکی صحبت میں رہے ہیں، دھشت کے نیچے ان کی بیعت کی ہے تو انہوں نے کہا: بھتیجے: تم نہیں جانتے کہ ہم نے آنحضرت کے بعد کیا کیا ہے،

اسمار بنت ابی بکر سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول نے فرمایا: میں حوض پر کھڑا ہوں گا اور دیکھوں گا کہ تم میں سے کون میرے پاس آتا ہے میرے پاس سے بعض کو نایا دیا جائے گا تو میں کہوں گا: پالنے والے یہ مجھ سے ہیں میرے امتی ہیں: کہا جائے گا: جانتے ہو تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا؟ خدا کی قسم یہ اپنے پچھلے پیروں واپس پلٹ گئے تھے،

عبداللہ سے اور انہوں نے رسول سے روایت کی ہے کہ رسول نے فرمایا: میں پہلے حوض پر بیہوش ہوں گا کہ تم میں سے بعض لوگ مجھ تک پہنچیں گے اور انہیں وہاں سے نایا دیا جائے گا تو میں کہوں گا پالنے والا یہ میرے صحابی ہیں: کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا ہے۔

بخاری کہتے ہیں: ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں: بارہا: ہم پچھلے پیروں واپس پلٹ جانے اور اپنے دین سے پلٹ جانے کے بارے میں تیری پناہ چاہتے ہیں، یہ تھیں بخاری و مسلم کی بعض روایات اس کے علاوہ ان میں اور بہت کچھ ہے طوالت کی بنا پر ہم نے نظر انداز کر دیا ہے،

منافق صحابہ

بخوی وغیرہ نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: سورہ برأت نازل ہونے سے

قبل رسولؐ منافقین کو نہیں پہچانتے تھے، ان کے بعض صفات، اقوال اور افعال کو جانتے تھے جو کہ سورہ برأت سے پہلے نازل ہونے والے سورہ منافقین، احزاب، نساء، انفال اور قتال و حشر میں بیان ہوئے تھے،

سورہ برأت نے انہیں رسوا کیا اور ان کے ظاہری و باطنی نفاق کو آشکار کر دیا اسی لئے سورہ برأت کو مستشرق، مشرودہ، مخنریہ، مشیرہ، حافزہ، منکھ، مدمدہ اور سورہ العذاب کہتے ہیں، اب ہم آپ کے سامنے صرف غزوہ تبوک میں ان کے افعال اور ان کے اعمال نفاق کی علامات ان کی پروردہ دری اور ان کے عذاب کو سورہ برأت سے پیش کرتے ہیں،

① وہ جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت مانگتے ہیں اور یوں ایسا انہیں کر سکتا تھا جس شرکت نہ کرنے کی وہی اجازت مانگے گا جو خدا اور ذرا خیر ایمان نہیں رکھتا، ② اگر وہ نکلنا چاہتے تھے تو اس کی تیاری کرتے،

③ خدا کو ان کا نکلنا پسند نہیں تھا لہذا ان کے ارادوں کو کمزور بنا دیا،

④ اور اگر یہ یمنین کے درمیان نکل بھی پڑتے تو ہی بڑھاتے اور فتنہ کھڑا کرنے کی کوشش کرتے،

⑤ انہوں نے تبوک سے پہلے غزوہ احد میں بھی فتنہ کھڑا کرنے کی کوشش کی تھی اور مسلمانوں کے

درمیان پھوٹ ڈال دی اور بعض کے ارادوں میں سستی پیدا ہو گئی،

⑥ شروع میں انہوں نے رسولؐ کیلئے مشکلیں کھڑی کر دی تھیں اور امور کو تہہ وبالا کر دیا تھا

یہاں تک کہ حق اپنی نصرت آگیا اور امر خدا واضح ہو گیا جبکہ یہ لوگ اسے پسند نہیں کرتے تھے،

⑦ ان میں سے بعض جہاد پر نہیں جانا چاہتے تھے اور غدیہ پیش کرتے تھے کہ وہ کس روم کی عورتوں

کا جمال دیکھ کر ان پر فریفتہ ہو جائیں اور اس سے خدا و رسولؐ کی مصیبت نہ ہو جائے۔

⑧ رسولؐ صبح کو نیکی آتی تھی تو انہیں شاق گزرتا تھا اور آپؐ پر کوئی مصیبت پڑتی تھی تو

شاد ہوتے تھے اور سوچتے تھے کہ ہم نے نہ جا کر اپنا کام صحیح کر لیا ہے،

⑨ مومنین اس بات کے انتظار میں رہتے تھے کہ خدا ابھی اپنی طرف سے یا ان کے ہاتھوں انہیں

عذاب میں مبتلا کرے،

- ⑩ ان کے صدقات ان کے فسق اور کفر کی بنا پر قبول نہیں کئے جاتے تھے جب نماز پڑھتے تھے سستی کے ساتھ اور جو اتفاق خرچ کرتے تھے وہ کراہیت کے ساتھ،
- ⑪ انہیں دنیا میں ان کے مال و اولاد کے ذریعہ اور آخرت میں ان کے کفر کی بنا پر ان کو عذاب دیا جائے گا،
- ⑫ مومنین سے قسم کھا کھا کر کہتے تھے، تم تم ہی میں سے ہیں،
- ⑬ ان میں سے بعض صدقات کے بارے میں رسول پر الزام لگاتے تھے اگر اس میں سے کچھ انہیں دیدیا جاتا تھا تو راضی ہو جاتے ورنہ ناراض ہی رہتے تھے،
- ⑭ رسول کو یہ کہہ کر ایذا پہنچاتے تھے کہ وہ تو کان ہیں،
- ⑮ مومنین کے سامنے انہیں خوش کرنے کیلئے قسم کھاتے تھے خدا و رسول کی رضا مد نظر نہیں ہوتی تھی،
- ⑯ انہیں یہ خوف تھا کہ کہیں کوئی سورہ نازل ہو کر ان کے طی حالات سے خبردار نہ کر دے اور منافقین کو یہ دھمکی دی گئی کہ اگر تم مذاق اڑاؤ گے تو وہ چیز ظاہر کر دی جائے گی جس سے تم ڈرتے ہو،
- ⑰ مسلمانوں کے مذاق کے سلسلے میں انہوں نے یہ معذرت کی کہ ہمارا مقصد صرف دل لگی تھی جبکہ یہ دل لگی عین کفر ہے اور ان کے ایک گروہ کو اسلئے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ وہ جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں ہاں دوسرے گروہ کے معاف کر دینے کا احتمال ہے،
- ⑱ منافق مرد اور عورت کا ان کے صفات کے ساتھ ذکر کیا اور انہیں کفار کے ساتھ جہنم میں ڈالنے اور ان پر لعنت کا وعدہ کیا،
- ⑲ گذشتہ منافقوں سے ان کو تنبیہ دی ہے کہ وہ لغویات سے صرف لذت اندوز ہوتے ہیں اور دنیا میں ان کے اعمال برباد ہو جائیں گے اور آخرت میں گھٹاٹا اٹھائیں گے، انہیں ان سے پہلے کے منافق قوموں کی خبر یاد دلائی،

- ۲۵) منافقین ہی فاسق ہیں،
- ۲۶) ان پر جہاد واجب ہونے ان پر غضبناک ہونے اور انہیں ڈرانے میں کفار سے ملحق کیا ہے
- ۲۷) انہوں نے یہ قسم کھائی کہ ہم نے کفر کا کلمہ نہیں کہا اور خدا کا انکار کرنے کے بعد انہوں نے اسکا اثبات کیا وہ رسول کو قتل کرنے کی سازش میں کامیاب نہیں ہوئے،
- ۲۸) ان میں ایسے بھی تو تنگدستی کے زمانہ میں خدا سے کئے ہوئے عہد پر ثابت رہے اور جب فراخی نصیب ہوئی تو اس کی خلاف ورزی کی اور اپنے پچھلے نفاق کی طرف پلٹ گئے، خدا ان کے ظاہری و باطنی حالات کو اچھی طرح جانتا ہے۔
- ۲۹) صدقات کے سلسلے میں وہ مومنین پر الزام لگاتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔
- ۳۰) وہ اپنے کفر کی وجہ رسول کے استغفار سے محروم ہوئے اور خدا اور رسول کو ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی امید نہیں ہے کہ وہ سنگدلی سے باز آجائیں،
- ۳۱) ان میں سے جو لوگ رسول کے ساتھ نہیں گئے وہ رسول کے پیچھے بیٹھے رہ جانے پر خوش ہیں اور گرمی میں نکلنے سے منع کرتے ہیں، انہیں جہنم کی آگ یاد دلائی گئی ہے،
- ۳۲) ان کے لئے یہی سزاوار ہے کہ وہ ٹمکین میں اور ٹمیس کم روئیں زیادہ،
- ۳۳) خدا نے رسول کو ان کے مرنے والوں پر غار پڑھنے سے منع کیا ہے، وجہ ان کا کفر ہے جس پر وہ مرے ہیں،
- ۳۴) جب کوئی سورہ نازل ہوتا ہے اور ان کو ایمان و جہاد کو جمع کرنے کا حکم دیتا ہے تو ان میں سے مالدار اجازت طلب کرتے ہیں کہ ہمیں جہاد سے معاف رکھیں،
- ۳۵) اعراب میں سے بعض جہاد سے معاف رکھنے کی درخواست کرتے ہیں کذاب، جھوٹے بغیر معذرت کے جہاد پر نہیں جاتے انہیں کفر پر دروناک عذاب کی دھمکی دی گئی ہے،
- غزوہ تبوک میں منافقین کے صفات تھے، جو کہ سورہ توبہ میں بیان ہوئے ہیں ہم ان کی بیان پر اکتفا کرتے ہیں جو منافقین کی تمام اعمال کو جاننا چاہتے ہیں وہ سورہ منافقین احزاب،

نساء، انفال، اور قتال و حشر کا مطالعہ فرمائیں، صحیحین میں حدیث افک ہے کہ اسید بن خضیر نے سعد بن معاذ سے کہا، تم منافق ہو منافقین سے دفاع کرتے ہو دونوں کے درمیان بہت بات بڑھ گئی تو رسولؐ نے صلح کرائی، یہی بدر والوں کا حال جن میں سے ایک دوسرے کو کہتا ہے: تم منافق ہو جبکہ رسولؐ نے اسے کافر قرار دیا نہ اسے، اس سلسلے میں بہت کچھ موجود ہے جو اوس فروع کے منافقین کے اسما جاننا چاہتے ہیں وہ انساب الاشراف کے پہلے حصہ کا مطالعہ فرمائیں انہیں ان کے اسما مل جائیں گے دس صفحات میں انہیں کے نام مذکور ہیں،

نماز افضل یا تجارت

ہم یہاں رسولؐ کے ساتھ صحابہ کے لوگوں کو ظم ہند کرتے ہیں آپؐ کو چھوڑ کر تجارت اور ہوس کی طرف چلے جاتے تھے اور ان چیزوں کو نماز پر ترجیح دیتے تھے اور رسولؐ کو تنہا نماز جمعہ پڑھتے ہوئے چھوڑ دیتے تھے جبکہ خدا نے انہیں یہ حکم دیا تھا کہ خرید و فروخت چھوڑ کر نماز کی طرف دوڑیں کیونکہ اسی میں ان کی بھلائی ہے، اگر وہ جانتے کہ انہوں نے حکم خدا کی مخالفت کی اور رسولؐ کے پاس اپنی تجارت اور ہوس کی طرف چلے گئے،

یہ آیت ملاحظہ فرمائیں جس میں ان کی مذمت کی گئی ہے،

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا، قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ

وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ، جو ۹ - ۱۱،

اور جب یہ لوگ تجارت اور ہوس کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپؐ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں، ان سے کہہ دیجئے کہ جو خدا کے پاس ہے وہ ہوس اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے،

رسولؐ کی موجودگی اور غیر موجودگی میں صحابہ کا نفاق

ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں جسے بخاری وغیرہ نے حذیفہ بن یمان سے نقل کیا ہے اس میں رسولؐ کی موجودگی اور آپؐ کے بعد صحابہ کا نفاق بیان کیا گیا ہے،
 حذیفہ کہتے ہیں: آج کے منافقین عہد رسولؐ کے منافقوں سے بدتر ہیں وہ اپنا نفاق چھپاتے تھے یہ ظاہر کرتے ہیں، دوسری روایت میں بھی بخاری نے ان سے اس طرح نقل کیا ہے،
 حذیفہ نے کہا: نفاق تو زمانہ رسولؐ میں تھا آج تو ایمان کے بعد کفر ہے ایک روایت میں ہے کہ وہ کفر اور ایمان ہے،

بزار نے ابو وائل سے روایت کی ہے کہ میں نے حذیفہ سے کہا: آج کا نفاق زیادہ سخت ہے یا عہد رسولؐ کا سخت تھا؟ راوی کہتا ہے کہ انہوں نے اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر مارا اور کہا: افسوس آج وہ نفاق ظاہر ہے عہد رسولؐ میں اسے چھپاتے تھے،
 اس فصل کو ہم ڈاکٹر طہ حسین کے اس قول سے زینت بخش رہے ہیں جو انہوں نے اپنی قیمتی کتاب ”عثمان“ میں رقم کیا ہے اس میں اس فتنہ کی جانب اشارہ کیلئے جو عہد عثمانؓ میں اٹھا تھا اور اس سے متعلق مؤرخین کے قول کی طرف بھی اشارہ کیا ہے،

زمانہ عثمان کے واقعات و حوادث اور ان میں عثمان کے حصہ کے بارے میں لوگوں کی معلومات مختلف ہیں بعض نے خود کو بچا لیا اور یہ کہا: ان میں سے اکثر واقعات جھوٹے ہیں گڑھے ہوئے ہیں ان کا وقوع صحیح نہیں ہے، بعض نے اس میں دشمنان اسلام کا ہاتھ تباہ کیا، اس پارٹیوں کی مخالفت سے دیکھا گیا اس لئے وہ اکثر واقعات کا انکار کرتے ہیں جن کو قبول کرتے ہیں ان کے بارے میں کہتے ہیں: یہ ایسے نفاق امور ہیں، مذہب اجتہاد کے امام نے ان میں اجتہاد کیا اگر صحیح نتیجہ تک پہنچ گیا تو دہرا نہیں پہنچ سکتا تو ایک اجر ملے گا وہ دونوں صورتوں میں فائدہ میں ہے اور پھر وہ صرف خیر ہی کا طلب ہے اور جو روایات

اصحاب رسولؐ اور عثمانؓ کے درمیان خصوصیت و دشمنی کو بیان کرتی ہیں ان میں سے اکثر ان کے نزدیک جعلی اور جھوٹی ہیں ان میں سے قلیل کو تاویل کی بنا پر قبول کرتے ہیں، اسے خطائے اجتہادی کہتے ہیں، چنانچہ جو اپنے اجتہاد میں حقیقت تک پہنچ گیا اسے دہرا اور جس سے خطا ہو گئی اسے اکہرا اور ملتا ہے، یہ نظریہ اکثر ان لوگوں نے قبول کیا ہے جو اس زمانہ کو اسلام کے ہر زمانہ سے زیادہ مقدس سمجھتے ہیں وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اصحاب رسولؐ کی طرف من چیرہ کو منسوب کیا جائے جنکو دنیا کے بندوں کی طرف ان کے نفسوں کی مرکزیت کی بنا پر منسوب کیا جاتا ہے، ذاتی اغراض کے سلسلے میں جنگ کرنا اصحاب رسولؐ کے نمایان نشان نہیں ہے وہ راہ خدا میں بہترین امتحان سے گندے انہوں نے جان و مال اور بجا نقشانے سے حکومت قلم کی ان سے خطا بھی ہو سکتی ہے اور صحیح کام بھی انجام پا سکتا ہے وہ ہمیشہ اجتہاد کرتے تھے، سداخیر و بھلائی کی طرف بڑھتے تھے بڑے گناہوں کے گرداب میں غوطے نہیں لگاتے تھے نہ جرم کے مرکب ہوتے تھے ہاں ان سے ایسے چھوٹے موٹے گناہ ہو جاتے تھے جنہیں خدا اپنے چمک بندوں کیلئے بخش دیتا ہے۔ اس نظریہ کو بہت کم لوگوں نے قبول کیا ہے اور اس پر انہیں عقل کی اس سستی نے مجبور کیا ہے جو تحقیق و تفتیش میں سے باز رکھتی ہے،

دوسرے گروہ کا نظریہ ہے کہ یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ رسولؐ کے اصحاب اس قسم کے فتون اور حوادث میں مبتلا ہوتے ہوں اس سلسلے میں روایت پیش کرتے ہیں کہتے ہیں اس کے پس پشت شیئ اسلام کی سازش تھی جو کہ عبداللہ ابن سبار اور کچھ اہل کتاب اور دوسرے لوگوں نے کی تھی، واضح ہے کہ نہ ہم اس مذہب کو اختیار کر سکتے ہیں نہ اس کو نہ ہم کسالت پسند ہے اور نہ آرام طلبی اور نہ لوگوں کو خلاف عقل حد تک مقدس مانتے ہیں نہ ہم اصحاب رسولؐ کو ایسا سمجھتے ہیں جیسا کہ وہ خود کو نہیں سمجھتے تھے وہ خود کو بشر سمجھتے تھے دوسرے انسانوں کی طرح ان سے بھی خطا ہوتی تھی وہ بھی گناہ کے مرکب ہوتے تھے چنانچہ ایک دوسرے پر بڑے گناہوں کی نہت لگاتے تھے ایک میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کہ کافر کہاجاتا تھا روایت کی گئی ہے کہ عمار بن یاسر، عثمان کو کافر کہتے تھے، ان کا خون مباح سمجھتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے، بدترین امویہ وہ ہیں جو نے وجود میں آئے ہیں اور ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی و ضلالت ہے اور ہر گمراہی

وضاحت کا نتیجہ جہنم ہے، روایت ہے کہ عبدالرحمن بن عوف نے اپنے بعض دوستوں سے اس مرض میں ”جس میں وہ مر گئے“ کہا: علیؑ کی طرف بڑھو قبل اس کے کہ ان کا ملک سرکشی کرے، اور اصحاب رسولؐ میں جو عثمان کے ناصر و مددگار تھے وہ اپنے مخالف کو دین سے خارج اور اس کے امر کا مخالف سمجھتے تھے اور اسی لئے وہ ایک دوسرے سے جنگ کرنے کو حلال جانتے تھے جیسا کہ جل و صفین میں ایک نے دوسرے سے قتال کیا، ہاں سعد اور ان کے تھوڑے سے چاہنے والوں نے ان میں حصہ نہیں لیا تھا، جب اصحاب رسولؐ خود اس اختلاف میں مبتلا تھے ایک دوسرے کی طرف بڑے گماہوں کی نسبت دیتے اور لہذا میں ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے تو پھر ان کے بارے میں جو ان کی رائے ہے ہماری رائے کا اس سے بہتر ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی ان لوگوں کے مذاہب کو اختیار کرنا صحیح ہے جو کہ ہماری طرف نقل ہونے والی اکثر احادیث کو جھٹلاتے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی فتنہ و اختلاف نہیں تھا اور اگر ہم ان ہی کے سمنوا ہو جائیں تو بھی بعثت رسولؐ کے مذتک کی تاریخ اٹھاؤ تو تو نہیں جھٹلا سکتے کیونکہ جن لوگوں نے ان فتنوں کی خبریں دی ہیں یہ وہی ہیں جنہوں نے فتح غزوات اور رسولؐ و خلفاء کی سیرت کی خبریں بیان کی ہیں پس یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر اس چیز کی تصدیق کریں جو کہ ہم کو پسند آئے یا ہر اس چیز کی تکذیب کریں جو تعجب میں ڈالنے والی ہو اور نہ ہی تاریخ کے بعض حصہ کو تسلیم کریں اور اس کے بعض حصے کو جھٹلا دیں ظاہر ہے کہ اس کی بعض باتوں سے ہم خوش ہوں گے اور بعض سے ہمیں تکلیف ہوگی اور اسی طرح یہ بھی سزاوار نہیں ہے کہ ہم ہر روایت کی تصدیق کریں یا ہر روایت کو جھٹلا دیں کیونکہ روایت بھی تمام انسانوں کی طرح انسان ہیں ان سے صحیح کام بھی ہوں گے غلط بھی ان سے جھوٹ سچا کا امکان ہے، قدامت نے خود اسے پہچانا ہے اس سے نمٹنے کیلئے تیار ہوئے ہر جرح و تعویل تصدیق و تکذیب کے قواعد بنائے اور اس چیز کو ترجیح دی جس کو ترجیح دی جاسکتی ہے اسے رد کیا جس کو رد کیا جاسکتا ہے اس میں شک کیا جس میں شک کرنا واجب ہے تو ہمارے لئے ان راستوں پر چلنے میں کوئی حرج نہیں ہے جس پر وہ گامزن ہوتے ہیں اور انہیں میں ہم ان جدید قواعد کا بھی اضافہ کرتے ہیں جو کہ محدثین نے بیان کئے ہیں ان کی مدد سے انہوں نے نصوص کی تحقیق و تحلیل کی ہے،

جس چیز میں شک نہیں کیا جاسکتا وہ یہ ہے کہ عثمان کے سلسلے میں لوگوں کے درمیان انقلاب
تھا اور اسی اختلاف کے نتیجے میں انقلاب پیا ہوا کہ جس میں عثمان قتل ہوئے ہیں اور اس انقلاب کی
وجہ سے لوگوں میں ایسا تفرقہ پڑا کہ آج تک متحد نہیں ہو سکے ہیں۔

ڈاکٹر طاہرین نے اس فصل کو ان قواعد سے بحث کے بعد ختم کیا ہے کہ جن کا اتباع تاریخ
اسلام کے محقق کیلئے ضروری ہے تاکہ اس کی بحث کی بنیاد اصول پر استوار ہو،

اسی طرح موصوف نے ان احادیث کی صحیح تحقیق کا ذمہ لینے کیلئے کہا ہے کہ وہ احادیث کے
روایت کو پہچانے اس طرح کہ بشر کے نفوس کی طبیعتوں سے واقف ہوا اور انہیں اس حیثیت سے دیکھے
کہ وہ بھی بشر ہیں ان سے خطاب و صواب کا امکان ان سے جھوٹ سچ صادر ہو سکتا ہے اور ان کی مرویات
میں سے جو اس کے ہاتھ آئیں ان میں بھی اس کا مقصد حق و انصاف ہو ان کی تصدیق نہ کرے جن کی
دل کے کھوٹے کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی تکذیب کرے کہ جن کی خواہش نفس کی پیروی کرنے والے تکذیب کرتے
ہیں،

واضح ہے کہ جن قواعد کو ڈاکٹر طاہرین نے بیان کیا ہے ان سے بھی بعض لوگ غضبناک
ہوں گے جبکہ ان سب سے علم و حق اور دین راضی و مطمئن ہیں،
اس فصل کو ہم ڈاکٹر احمد امین کے اس جلد پر ختم کرتے ہیں جو کہ انہوں نے کسی زیدی المسلک
کیلئے لکھا تھا،

ہم نے ملاحظہ کیا ہے کہ صحابہ ایک دوسرے پر تنقید ہی نہیں کرتے ہیں بلکہ ایک دوسرے پر محبت
کرتے ہیں اگر صحابی ہونے کی خود ان کے نزدیک اتنی فضیلت و منزلت ہوتی کہ جس پر تنقید و لعنت کرنا
یہ صحیح نہ ہوتا تو وہ اس سے واقف ہوتے کیونکہ وہ اسے ہمارے زمانہ کے علوم سے بہتر جانتے تھے چنانچہ طلحہ و
زبیر، عائشہ اور ان کے طرفداروں کو دیکھئے کہ حضرت علیؑ سے احتراز نہ کیا، اور معاویہ و عمر بن عاص نے

آپ پر آپ کے طرفداروں پر تلوار چلائی، ایسے ہی یہ روایت کی گئی ہے کہ عمر نے ابو ہریرہ کی روایت میں نقص نکالا اور خالد بن ولید کو برا بھلا کہا اسے فاسق قرار دیا، معاویہ اور عمر کو خائن کہا گیا اور انہیں فحی کا چورا اور ہڑپنے والا کہا گیا، صحابہ میں ایسے بہت ہی کم ہیں کہ جن کی زبان اولہا تھ محفوظ رہے ہوں تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں،

تابعین بھی صحابہ کے اسی مسلک پر گامزن ہوئے ان میں سے نافرمان و گناہگاروں کے بارے میں وہ بھی یہی کہتے تھے ہاں بعد میں عام لوگوں نے انہیں معزز قرار دیدیا ورنہ صحابہ بھی بشر میں جو ان کے حق میں ہے وہ ان کے حق میں ہے اور جو ان کے خلاف ہے وہ ان کے خلاف ہے ان میں سے جس نے برا کیا ہم اس کی مذمت کریں گے اور جس نے اچھا کیا ہے ہم اس کی مدح کریں گے انہیں دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں ہے بس یہ کہ انہوں نے رسول اکو دیکھا ہے اور ان کے معاصر تھے ان کا غیر اس سے محروم ہے لیکن اکثر ان کے گناہ ان کے غیر سے کہیں بڑے ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے معجزات اور نشانیاں دیکھی ہیں اس لحاظ سے ہمارے گناہ ان کی بہ نسبت ہلکے ہیں اس لئے کہ ہم معذور ہیں،

احادیث آحاد اور علماء

ابن الصلاح کے اس قول یہ کہ امت نے بخاری و مسلم کو قبول کیا ہے کہ بعد جزائری فرما ہیں؛ ابن الصلاح نے یہ واضح نہیں کیا کہ امت سے ان کی مراد کیا ہے؟ اور نہ ہی اس بات کی تصریح کی کہ امت ان سے کیا چیز قبول کرتی ہے موصوف کیلئے ضروری تھا کہ اس کو واضح کرتے تاکہ عقل و فہم اس سلسلے میں ہر مذہب کی طرف نہ جائے،

اگر امت سے ان کی مراد پوری امت ہے تو ان کی یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں

کتابیں بخاری کے زمانہ کے بعد تیسری صدی ہجری میں ائمہ مذاہب کے بعد اچھی مانی گئی ہیں اور اگر ابن الصلاح امت سے پوری امت مراد نہیں لیتے ہیں تو وہ لوگ مراد ہیں گے جو ان دونوں کتابوں کے وجود میں آنے کے بعد پیدا ہوئے ہیں تو بھی ان کی دلیل صحیح نہیں ہے اور اگر امت سے مراد امت کے علماء ہیں تو علماء کی تین قسمیں ہیں، متکلمین، فقہاء، اور نحوی،

جن علماء پر یہ بات صادق آتی ہے وہ ان دونوں کتابوں کے وجود میں آنے کے بعد تیسری صدی ہجری میں پیدا ہوئے ہیں اور ان سے پہلے قرونِ اولیٰ میں وہ لوگ تھے جن کے بارے میں رسولِ مکی مرفوع حدیث ہے کہ وہ بہترین زمانہ میں تھے انہوں نے تو ان دونوں کتابوں کو دیکھا بھی نہیں تھا چاہے جائیکہ ان کے بارے میں ان کے دائرے معلوم کی جاسکے،

اب ہیں ان دونوں کتابوں کے وجود میں آنے کے بعد پیدا ہونے والے علماء کی طرف نظر ڈالنا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے بارے میں ان کا کیا موقف ہے،

متکلمین

آپ جانتے ہیں کہ متکلمین ہر اس حدیث کو رد کر دیتے ہیں جو ان کے ملک کے خلاف ہوتی ہے چاہے وہ چیز ظنی امور سے تعلق رکھتی ہو اور اگر اس سلسلے میں ان کے سامنے ایسی حدیث پیش کی جاتی ہے کہ جو محدثین کے نزدیک صحیح ہوتی ہے تو وہ اگر اس کی تاویل قریب المآخذ ہوتی ہے تو وہ اس کی تاویل کرتے ہیں ورنہ اپنے اس قول پر اکتفا کر کے اسے رد کر دیتے ہیں کہ یہ آحاد ہے کہ جس سے ظن کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے اور علمِ کلام کے مسائل میں ظن پر بناء نہیں رکھی جاسکتی، کیونکہ علمِ کلام میں ہمیشہ عقلی دلائل پر بناء رکھی جاتی ہے اسلئے کہ نقلی دلائل سے یقین حاصل نہیں ہوتا ہے اس سلسلے میں حدیث ہے: ایک مرتبہ جنت و جہنم میں بحث ہو گئی، جہنم نے کہا مجھے جابروں اور متکبروں سے سرفراز کیا جائیگا، جنت نے کہا: ہائے میری قسمت میرے اندر کمزور اور پسماندہ لوگوں کو داخل کیا جائے گا، خدا نے جنت

سے فرمایا: تو میری رحمت ہے تیرے ذریعہ میں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہوں رحم کرتا ہوں جہنم سے کہا: تو عذاب ہے تیرے ذریعہ میں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہوں عذاب کرتا ہوں ان میں سے ہر ایک کو بھرے گا لیکن جہنم نہیں بھرے گا یہاں تک کہ خدا اس میں اپنا پیر ڈال دے گا تو کہے گا کافی ہے کافی ہے، پھر بھر جائیگا اور جبکہ نہیں رہے گا کہ ایک دوسرے پر لد جائیں گے اور خداوند عالم اپنے مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرتا لہذا وہ جنت کیلئے ایک مخلوق پیدا کرے گا یہ حدیث متفق علیہ ہے، بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ سے اسے نقل کیا ہے اور انہوں نے رسولؐ سے نقل کیا ہے اور بخاری نے ابو ہریرہؓ سے ایک اور حدیث نقل کی ہے کہ جنت و جہنم نے خدا کی بارگاہ میں اپنا جھگڑا پیش کیا اس حدیث میں یہ ہے خدا جہنم کیلئے ایک اور مخلوق پیدا کرے گا مسلم کی روایت میں ہے کہ خدا اپنا پیر ڈال دے گا محققین کا نظریہ ہے کہ راوی جنت کہنا چاہتا تھا سبقت لسانی کی وجہ سے جہنم کہہ گیا،

یہ اور ایسی ہی دوسری حدیثوں کو متکلم آسانی سے صحیح نہیں مانے گا چہ جائیکہ ان پر یقین کریگا اور جب انہیں صحیح ماننے پر مجبور ہوگا تو اس کی تاویل کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا اور اسے ایسے لفظ میں پیش کریگا کہ سننے والا سمجھ جائیگا کہ متکلم باطنی طور پر اس کو صحیح نہیں سمجھتا ہے اسی لئے متکلمین اور محدثین کے درمیان شدید دشمنی ہے تاریخ کا مطالعہ کرنے والے پر یہ بات مخفی نہیں ہے یہاں تک کہ متکلمین، جہور محدثین کو مشتبہ اور محدثین انہیں معطلہ کہتے ہیں،

فقہاء

فقہاء سے بھی آپ واقف ہیں وہ بھی ہر اس حدیث کی تاویل کر لیتے ہیں جو ان کے علماء کے مسلک کے خلاف ہوتی ہے یا اس کے مقابلے میں اس کے معارض حدیث لے آتے ہیں خواہ وہ ائمہ حدیث کے نزدیک غیر معروف ہی ہو اور جس کے مقابلے میں لاتے ہیں خواہ وہ صحیحین بلکہ صحاح

ستہ میں ثابت ہو جو بھی صحیحین وغیرہ کی شروح کا مطالعہ کرے گا اس پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے گی بعض محدثین تو صحیحین کو قطعاً دوسری کتب پر ترجیح نہیں دیتے ہیں اور تصریح کرتے ہیں کہ صحیحین کو دیگر کتب پر ترجیح دینا بلا مرجع ہے جن لوگوں نے صحیحین کو ترجیح دی ہے انہوں نے حال کی دلالت کو کافی سمجھ لیا ہے اس بات کی طرف عز بن عبد السلام نے اپنی کتاب "القواعد" میں اشارہ کیا ہے،

ملکتے ہیں:

عجیب بات تو یہ ہے کہ جب مقلد فقہار میں سے اپنے امام کے ماتخذ کے ضعیف ہونے سے واقف ہو جائے یعنی اس ماتخذ کے ضعف کو دور کرنے کیلئے کوئی دلیل نہیں پاتا ہے لیکن اس کے باوجود اپنے امام کی تقلید پر باقی رہتا ہے اور اس چیز کو چھوڑ دیتا ہے کہ جو عقل سلیم کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہے بلکہ وہ کتاب و سنت کے ظواہر کی تاویل کیلئے بہانے تراشتا ہے اور اپنے امام کے دفاع کی خاطر بعید از عقل اور باطل تاویلات پیش کرتا ہے، ہم نے انہیں دیکھا ہے کہ وہ مجالس میں جمع ہوتے ہیں اور جب ان میں سے کسی کے سامنے ایسی بات آجاتی ہے کہ اس کے مسلک کے خلاف ہے تو اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہتی ہے لیکن اگر وہ اس میں غور کرے تو وہ غیر کو چھوڑ کر مذہب کے امام پر تعجب کرتا، لہذا ایسے لوگوں سے بحث کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ جب اسے دوسرے مذہب میں حق نظر آگیا ہو تو اس نے اپنا مذہب چھوڑ دیا ہو بلکہ وہ اس کو جانتے ہوئے کہ وہ مذہب غلط ہے اسی پر باقی رہتا ہے تو ایسے لوگوں سے بحث نہ کرنا ہی بہتر ہے کہ جب ان میں سے کوئی اپنے مذہب کے امام کی روش سے عاجز آجاتا ہے تو کہتا ہے شاید میرے امام کے پاس کوئی ایسی دلیل ہو جس کا مجھے علم نہ ہو اور نہ اس تک میری رسائی ہو سکتی ہے وہ اپنے مد مقابل کے سامنے ایسی چیزیں بیان کرتا ہے جن کا واضح دلیل اور برہان سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، سبحان اللہ، اس سے زیادہ اور کیا اندھی تقلید ہوگی! خدا ہمیں حق کا اتباع کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے تو وہ کہیں بھی ہو کسی کی زبان سے ظاہر ہو۔

جزا کرے رحمۃ اللہ نے اس بحث کو ایک اہم تنبیہ پر ختم کیا ہے اس میں اس
 ”جنت و جہنم کے جھگڑے والی“ کہ جہنم نہیں بھرے گا خدا اس کیلئے الگ مخلوق خلق کرے گا۔
 حدیث پر تنقیدی حاشیہ لگاتے ہوئے لکھا ہے،

اس سلسلے میں تعجب خیز بات تو ان جاہلوں کے حیلے بہانے میں جن کا اس فن سے دور
 کا بھی واسطہ نہیں ہے نہ روایت کے لحاظ سے کچھ جانتے ہیں اور نہ درایت کے اعتبار سے کسی کی طرف
 غلطی کی نسبت دینے کو ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے تنقید کا باب ہر ایک پر بند کر دیا گیا ہے یا یہ خیال
 کرتے ہیں کہ متن کے اعتبار سے تنقید کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں خواہش نفس کے تابع افراد
 مداخلت کریں گے۔ وہ اس بات سے غافل رہے کہ اگر صحیح طریقہ سے تنقید ہوگی تو اسے کوئی
 عیب نہیں سمجھے گا چنانچہ بہت سے ائمہ حدیث نے تنقید کی ہے مثلاً اسماعیلی اس حدیث
 ”ابراہیم روز قیامت اپنے باپ آزر سے ملاقات کریں گے اور ان کا چہرہ گرد آلود ہوگا“ کو لکھنے
 کے بعد لکھتے ہیں، یہ حدیث ہے لیکن اس کا صحیح ہونا قابل غور ہے اس لحاظ سے کہ ابراہیم جانتے ہیں
 کہ خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے اور یہ ان کے باپ کے ساتھ ایسا سلوک ان کی ہنک ہے جبکہ ابراہیم جانتے
 ہیں کہ خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں قیامت کے دن ذلیل نہیں کرے گا اور خدا نے انہیں یہ تعلیم دی ہے
 کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرتا ہے ملاحظہ فرمائیے کہ متن میں اتنا ضعف ہے،
 بعض علماء اصول نے کہا ہے کہ احادیث میں بعض ایسی بھی ہیں کہ جن کو رسول کی طرف منسوب
 کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ انہیں ان کے ظاہر پر حمل نہیں کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ وہ برہان کے خلاف ہیں
 اور ان کے ظواہر کے خلاف عمل کرنا رسول کی فصاحت سے معید ہے،

مذاہب کے مقلدین

ابن الصلاح پر اعتراض کرنے والوں کے کلام سے فارغ ہونے کے بعد اس سلسلے میں ہر مذہب

کے مقلدین کے بعض اقوال پیش کرتے ہیں اور حدیث کے بارے میں ان کے موقف کی وضاحت کرتے ہیں تاکہ انہیں عبدالسلام کے قول کی تکمیل ہو جائے، یہ بات شہرت یافتہ ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ کو ایسی حدیث ملے گی جس کی شہرت کی بنا پر حنفی اس پر عمل کرتے ہیں، پھر شافعی کہتے ہیں اور اس کی سند کے ضعیف ہونے کی وجہ سے اسے رد کر دیتے ہیں، ایسی حدیث بھی ملے گی کہ جسے مالکی نظر انداز کرتے ہیں کیونکہ عمل اس کے برخلاف ہو جائے اور اس کی سند قوی ہونے کی وجہ سے شافعی اس پر عمل کرتے ہیں،

مرآۃ الاصول اور اس کی شرح مرتقاۃ الاصول، چونکہ حنفیوں کے اصول میں سے ایک ہے جس میں راوی کے حال سے بحث ہے، میں ہے کہ اگر راوی فقیہ ہے تو اس کی روایت مطلق طور پر قبول کی جائے گی خواہ قیاس اس کی موافقت کرے یا نہ کرے اور اگر راوی فقیہ نہ ہو جیسے ابوہریرہ اور انس تو اگر قیاس حدیث کی موافقت نہ کرے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

علامہ ہی میں سے کسی نے کہا: رسول کی احادیث کی روایت قبول نہیں کی جائے گی مگر حدیث عامہ نے عام سے نقل کی ہو یا اس پر عمل کے سلسلے میں علامہ کا اتفاق ہو، یہی وہ طریقہ ہے جسکی طرف علامہ عراقی ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب مائل ہیں،

اس امر کو ابو حنیفہ کے دوست امام ابو یوسف نے اپنی اس کتاب میں واضح کیا ہے جو کہ انہوں نے اوزاعی سے لکھی ہے اور امام شافعی کی کتاب "الام" میں آیا ہے، یہ قول شافعی کے شاگرد ابو یوسف سے نقل کیا گیا ہے،

تم اس حدیث کو اپنے لئے ضروری سمجھو جسکو عامہ "جہور" جانتے ہوں اس کی شاذ حدیث سے بچو اس لئے کہ ہم سے ابن ابی کریم نے جعفر کے ذریعہ رسول کی حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے یہود کو بلایا ان سے سوال کیا تو انہوں نے حدیث بیان کرنا شروع کی یہاں تک کہ حضرت مسیحی کی طرف جھوٹ کی نسبت دی لہذا رسولؐ ممبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

عنقریب میری طرف حدیث کو منسوب کیا جائیگا پس تمہارے پاس جو مجھ سے نقل ہو کر پہنچے اگر وہ قرآن کے موافق ہو تو وہ میری حدیث ہے اور جو میری طرف منسوب ہو لیکن قرآن کے خلاف ہو وہ میری حدیث نہیں ہے، اور عمر رسول کی حدیث کو دو گواہوں کے بغیر قبول کرتے تھے اور علی بن ابی طالب رسول کی اس حدیث کو قبول کرتے تھے جس کی روایت زیادہ ہو اور نہ جب آپ جانتے ہوں نہ اہل فقہ اور نہ مکتب خدا اور سنت کے موافق ہو شاذ حدیث سے بچو اس حدیث کو قبول کرو جس پر جماعت — متفق — ہے جس سے فقہا واقف ہیں جو قرآن اور سنت عملی کے موافق ہے، پھر جو قرآن کے خلاف ہے وہ رسول کی حدیث نہیں ہے اگرچہ روایت کے ذریعہ آئی ہو، ہم سے ثقہ نے بیان کیا ہے کہ رسول نے اس مرض میں فرمایا جس میں آپ کا انتقال ہوا میں ضرور حرام کروں گا، ایک روایت میں ہے میں نے حرام نہیں کیا مگر یہ اسی کو جس کو قرآن نے حرام کیا ہے خدا کی قسم اگر وہ میری برخلاف کسی چیز سے تسک کریں تو تم قرآن اور سنت معروفہ کو اپنا قائد و امام قرار دو اور اسی کا اتباع کرو اور جو چیز تمہارے پاس ایسی پہنچے کہ جس کی قرآن و حدیث میں وضاحت نہ ہو اسے اسی پر قیاس کرو،

امام علم الدین الغلانی المالکی اپنی کتاب ایقاظ المصمم میں لکھتے ہیں:
بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب انہیں کوئی ایسی حدیث مل جاتی ہے جو ان کے مسلک کے موافق ہوتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اسے بسر و چشم قبول کر لیتے ہیں اور اگر انہیں کوئی ایسی حدیث ملتی ہے کہ جس کا کوئی معارض ہو اور نہ وہ منسوخ ہوئی ہو لیکن اس سے غیر مذہب کے امام کی تائید ہوتی ہو تو اس پر عقل سے بعید احتمالات کی بوجھار کر دیتے ہیں اور اس سے رخ موڑ لیتے ہیں اور اپنے مذہب کو ترجیح دینے کیلئے صحابہ و تابعین اور نص صریح کی مخالفت کے باوجود تو جیہہ کرتے ہیں اور اگر ایسا نہ کر سکیں بغیر دلیل کے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو منسوخ ہے یا کہتے ہیں

اس پر عمل نہیں ہوا ہے یا جو بھی ان کا مرضی ذہن تیار کر کے پیش کر دے، اور اگر اس سے بھی عاجز ہو جائیں تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا امام یا اکثر مروی حدیث سے مطلع ہے لہذا اس حدیث سے انہوں نے ایسے ہی چشم پوشی نہیں کی ہے بلکہ وہ اس کی کمزوریوں سے واقف رہے ہوں گے وہ اپنے مذہب کے علماء کو ارباب مجتہد ہے اور ان کے مناقب و کمالات کے دروازہ کھول دیتا ہے اور اس بات کا عقیدہ قائم کرتا ہے کہ اس سلسلے میں جو بھی اس کی مخالفت کریگا وہ راہ راست تک نہیں پہنچ سکے گا اور اگر علماء سنت میں سے کوئی اسے نصیحت کرتا ہے تو اسے دشمن مجتہد ہے اگرچہ پہلے وہ ان کا دوست تھا،

مالک اور ان کے اصحاب کی رائے

- مالک اور اصحاب کہتے ہیں: سنت دو طریقوں سے ثابت ہوتی ہے،
- ① اصحاب رسولؐ میں سے ائمہ ایسی بات کہیں جس سے سنت کی موافقت ہوتی ہو،
- ② دوسرے لوگ اس میں اختلاف نہ کرتے ہوں،
- مومن علی مستمر کی پوری رعایت کرتے تھے اور اس کے ماسواہ کو چھوڑ دیتے تھے اگرچہ اس سلسلے میں متفق علیہ احادیث بھی ہوتیں،
- اب ہمیں اپنے موقع کی طرف بوٹنا چاہیے،
- موافقات میں شاطبی لکھتے ہیں: کہتے کے جھوٹے ظروف کے دھونے کے بارے میں جو حدیث آئی ہے اس کے بارے میں امام کہتے ہیں کہ یہ حدیث بھی آئی ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ اس کی حقیقت کیا ہے اسے ضیف قرار دیتے ہوئے کہتے تھے: کتا شکار کو کھالیتا ہے تو اس کے لعاب میں کرکڑیا کیسے ہے؟ اسی طرح مالک نے اس حدیث کو بھی معتبر نہیں مانا ہے کہ جو شخص مر جائے اور اس کے رونے قضا ہوں اس کا ولی اس کے روزہ رکھے گا اور اس سلسلے میں قرآن کا فیصلہ ہے تزر وازرۃ وزیر اشری

[illegible]

جیتے غلام اور کچا بکرا

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

ابراہیم ؑ کے طبقہ، اسود اور عبداللہ بن مسعود کی سند سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول ﷺ صرف نماز شروع کرتے وقت ہاتھ بلند کرتے تھے اور پھر دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے،

اوزاعی نے کہا: میں نے آپ کے سامنے زہری سالم اور ان کے والد کی سند سے حدیث پیش کی اور آپ نے حماد و ابراہیم کی سند سے مجھے حدیث سنا دی، ابو حنیفہ نے کہا: حماد سالم سے بڑے فقیہ ہیں، اور علقمہ ابن عرس کم درجہ کے فقیہ نہیں ہیں اور اگر ابن عریکے صحابی ہونے کی فضیلت ہے تو اسود کے بہت زیادہ فضائل ہیں،

استعمار میں حاکم المغرب کہتے ہیں،

بہت سے اہل حدیث نے ابو حنیفہ پر طعن کو جائز سمجھ لیا ہے کیونکہ انہوں نے عادل راوی کی بیان کردہ بہت سی احادیث کو رد کر دیا ہے اس سلسلے میں وہ حدیث کو دیگر احادیث اور معانی قرآن پر پکڑتے ہیں جو ان کے خلاف ہوتے ہیں اسے وہ مذاہب کہتے ہیں اور رد کرتے ہیں،
ثوری کہتے ہیں،

ابو حنیفہ علم کے سلسلے میں بہت سخت تھے وہ ظلم خدا کو حلال بنانے سے روکتے تھے وہی حدیث لیتے تھے جو ان کے نزدیک صحیح ہوتی اور جس کے راوی ثقہ ہوتے تھے اور اس میں بھی فعل رسول ﷺ کو اور جس پر کوذ کے علماء کا اتفاق ہوتا، اسے قبول کرتے تھے،
اوزاعی کہتے ہیں:

ہم ابو حنیفہ پر تنقید نہیں کرتے ہیں کہ انہوں نے قیاس کیا ہے کیونکہ ہم سب ہی قیاس کرتے ہیں لیکن ہم اس سلسلے میں ان پر تنقید کرتے ہیں کہ جب ان کے سامنے رسول ﷺ سے کوئی حدیث نقل کی جاتی تھی تو وہ دوسری حدیث سے اس کی مخالفت کرتے تھے۔

ان تمام باتوں کے باوجود ابو حنیفہ قیامت تک اللہ کے درمیان امام اعظم رہیں گے

ان کا اتباع کرنے والوں سے دینا بھری پڑی ہے اور کسی میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ ان کے اسلام میں شک کرے یا ان کی عبادت پر کلمہ چینی کر سکے، یہ ایک طرف، دوسری طرف ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اہل سنت کی معتبر کتابوں سے تقریباً سو حدیثیں ایسی جمع کی ہیں جن کو ائمہ مذہب نے عمل نہیں کیا ہے،

سبط ابن جوزی کہتے ہیں: صحیحین کے بعض احادیث پر شافعی مسلک کے لوگوں نے عمل نہیں کیا ہے بلکہ ان کے نزدیک ان احادیث کو تزییح ہے جو صحیحین کی احادیث کے خلاف ہیں ایسے ہی دیگر مذاہب نے بھی بعض پر عمل نہیں کیا ہے۔

خطیب نے ابوصالح افراد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے یوسف بن ابیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ابو حنیفہ نے رسول کی چادر سوا اس سے بھی زیادہ حدیثوں کو رد کیا ہے اور دیکھتے سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم نے ابو حنیفہ کو دو سو حدیثوں کی مخالفت کرتے ہوئے دیکھا ہے، خطیب ہی نے حاد بن سلمہ سے دو طریق سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ابو حنیفہ احادیث و سنن کا مطالعہ کرتے اور انہیں اپنی رائے سے رد کرتے تھے عا
اس فصل کو ہم ابوشامہ کے جلد پر ختم کرتے ہیں:

موصوف نے اپنی کتاب "الموصل للردالی الامرالاول" میں فرماتے ہیں:
بعض عارفین سے مذہب کے معنی دریافت کئے گئے تو انہوں نے جواب دیا اس کے معنی دین مبدل کے ہیں خداوند عالم کا ارشاد ہے ان مشرکوں میں سے نہ ہو جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور براگندہ ہوئے،

فقہاء کے مختلف اقوال

ایک ہی چیز کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال اس لئے ہوئے کہ ہر ایک علیحدہ حدیث کو مدد کر قرار دیا اور دوسرے نے دوسری حدیث کو عبدالوراث بن سعید سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں مکہ پہنچا وہاں میری ملاقات ابو حنیفہ سے ہو گئی میں نے ان سے عرض کیا: اس شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جس نے ایک چیز فروخت کرنے کی طرح فروخت کی اور اس کے ساتھ ایک شرط لگا کر ابو حنیفہ نے کہا: بیع باطل ہے اور شرط بھی باطل ہے، پھر میں ابن ابی لیلیٰ کے پاس آیا اور ان سے بھی یہی سوال کیا انہوں نے کہا: بیع جائز ہے شرط باطل ہے اس کے بعد میں ابن شبرمہ کے پاس آیا اور ان سے بھی وہی سوال کیا انہوں نے کہا: بیع جائز ہے اور شرط بھی جائز ہے میں نے اپنے دل میں سوچا: سبحان اللہ! عراق کے مین فقہاء کے درمیان ایک مسئلہ میں اتفاق نہیں ہے پھر میں ابو حنیفہ کے پاس لوٹ آیا اور دوسرے فقہاء کے جواب انہیں بتائے تو انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا انہوں نے تم سے کیا کہا ہے! مجھ سے عمرو بن شعیب نے اپنے باپ دلاؤ کی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسولؐ نے بیع و شرط سے منع کیا ہے اس لحاظ سے بیع بھی باطل ہے اور شرط بھی باطل ہے، اس کے بعد میں ابن ابی لیلیٰ کے پاس آیا اور ان کے سامنے دیگر دونوں فقہاء کے احوال بیان کئے انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا کہ انہوں نے تم سے کیا کہا ہے مجھ سے ہشام بن عروہ نے اپنے والد اور عائشہؓ کی سند سے نقل کیا ہے کہ عائشہؓ نے کہا مجھے رسولؐ نے ایک حبشی کیز خریدنے اور پھر اسے آزاد کرنے کا حکم دیا، بیع جائز ہے، شرط باطل ہے،

راوی کہتا ہے کہ پھر میں ابن شبرمہ کے پاس آیا اور ان دونوں کے جوابات سے انہیں آگاہ کیا موصوف نے کہا: میں نہیں جانتا کہ انہوں نے تم سے کیا کہا ہے، مجھ سے مسعر بن کدلم نے ان سے محارب بن دثار نے اور انہوں نے جابر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں رسولؐ سے ایک

اونے فروخت کیا تو مجھ سے یہ شرط کی کہ اسے مدینہ پہنچا دوں، معلوم ہوا کہ بیع بھی جائز ہے اور شرط بھی جائز ہے،
ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ دلیس اتنی زیادہ ہیں کہ جن کیلئے الگ کتاب لکنا ہے،

علماء نحو و لغت

آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حدیث لینے کے سلسلے میں علماء کی تین قسمیں ہیں متکلمین، اصولیین، فقہاء اور محدثین لیکن ہم اس بحث کی تکمیل کیلئے علماء نحو و لغت کا موقف بھی بیان کرتے ہیں: انہوں نے لغت اور نحو کے قواعد کے اثبات کے سلسلے میں حدیث کو مثال و شاہد کے طور پر پیش نہیں کیا ہے، سیوطی نے اپنی کتاب، الاقتراح فی اصول النحو، میں بیان کیا ہے،
رحمہ اللہ اس کلام سے استدلال کیا جاسکتا ہے جس کے بارے میں معلوم ہوا کہ یہ مروی لفظ آپ نے فرمایا تھا جبکہ یہ نادر ہے، یہ صراحت صرف چھوٹی و مختصر حدیثوں میں پائی جاتی ہے جو کہ بہت ہی کم ہیں، زیادہ تر احادیث بالمعنی نقل ہوئی ہیں جنہیں انجیوں اور حدیث کی تدوین سے پہلے پیدا ہونے والوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ہمیں اس میں اضافہ کر دیا کہیں کتب بیونت سے کام لیا، کہیں تقدیم و تاخیر کر دی، الفاظ کو دیگر الفاظ سے بدل دیا یہی وجہ ہے کہ ہم ایک قصہ سے متعلق ایک ہی حدیث کو مختلف عبارت میں مروی پاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ علی ابن مالک نے احادیث میں وارد الفاظ کے ذریعہ خوبی قواعد کو ثابت کرنے سے انکار کر دیا ہے،

پھر ابو الحسن بن الفراء سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے شرح الجمل میں تحریر کیا ہے،
میں یہ سمجھتا ہوں کہ بالمعنی روایت کو جائز جانے ہی کی وجہ سے علماء نحو و لغت جیسے سیویہ وغیرہ نے نحو و لغت کے اثبات پر حدیث سے استدلال نہیں کیا ہے بلکہ اس سلسلے میں انہوں نے قرآن اور عرب کے اقوال سے مدد لی ہے، اگر علماء صریح طور پر بالمعنی حدیث نقل کرنے کو جائز قرار نہ

دیتے تو حدیث کے ذریعہ ان کا اثبات بہتر تھا کیونکہ صحیح لغت رسول کی زبان ہے کیونکہ آپ افسح التو
 "عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہیں"

صاحب ثمار الصنائع کہتے ہیں: خود وہ علم ہے جو قیاس سے مستنبط ہوتا ہے اور قرآن و
 فصحاء عرب کے کلام سے اس کا استقرار ہوتا ہے، موصوف نے مذکورہ دونوں ہی نحو کو محدود کیا ہے،
 حدیث کا ذکر نہیں کیا ہے،

شرح التہذیب میں ابو حیان نے الفیہ کے مؤلف ابن مالک پر کہ جنہوں نے حدیث سے شائد
 پیش کرنے کو جائز جانا ہے، اعتراض کیا ہے

مصنف نے زبان عرب میں قواعد کے اثبات پر اس چیز سے استدلال کیا ہے جو کہ احادیث
 میں واقع ہوئی ہے جبکہ موصوف کے علاوہ میں نے متقدمین و متاخرین سے کسی ایک کو بھی اس راہ پر گامزن
 نہیں دیکھا ہے یعنی علم نحو کے ائمہ موجود زبان عرب کے احکام مقرر کرنے والے بصری علماء جیسے ابو عمرو بن
 الاعلاء، عیسیٰ بن عمر، خلیل، سیبویہ، اور کوئی علماء میں سے کسائی، فراء، علی بن مبارک الاحمر، ہشام
 بن الضمرینے احادیث سے شائد و شمال پیش نہیں کی ہے اور ان کے اتباع میں دونوں مکتبوں کے متاخرین
 جیسے بغداد اور اندلس کے نحویوں نے ایسا نہیں کیا ہے، نیز کہتے ہیں حدیث سے شائد و شمال اسلئے پیش
 نہیں کی ہے کہ علماء کو یہ یقین نہیں ہے کہ وہ رسول کا کلام ہے اگر انہیں یہ یقین ہوتا کہ رسول کا کلام ہے تو
 تمام قواعد میں اس سے بھی قرآن کی طرح مدد لی جاتی اس کی وجہ ہیں،

① راویوں نے بالمتعری روایت کو جائز قرار دیا اسلئے زمانہ رسول میں پیش آنے والا ایک واقعہ
 ان الفاظ میں منقول نہیں ملتا ہے جو آپ کی زبان سے صادر ہوئے تھے مثلاً آپ نے فرمایا: زو جتکھا
 بما مک من القرآن و ملککھا بما مک، اس واقعہ میں وارد ہونے والے الفاظ کے بارے میں ہم آپ
 جانتے ہیں کہ یہ سب الفاظ رسول نے یقیناً نہیں بیان کئے تھے بلکہ ہمیں یقین ہے کہ آپ نے بعض الفاظ بیان کئے
 تھے ممکن ہے کہ ان الفاظ کے مرادف الفاظ آپ کی زبان سے صادر ہوئے ہوں اور راویوں نے بجائے
 عین الفاظ کے مرادف الفاظ کی جگہ پر رکھ دیئے ہوں کیونکہ معنی اصل ہیں، خصوصاً صاحب نے جو زمانہ

۱۰: سچ کے لئے جان و مال کی قربانی کی جائے گی۔
۱۱: سچ کے لئے جان و مال کی قربانی کی جائے گی۔
۱۲: سچ کے لئے جان و مال کی قربانی کی جائے گی۔

۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰

[illegible]

۱
 ۲
 ۳
 ۴
 ۵
 ۶
 ۷
 ۸
 ۹
 ۱۰
 ۱۱
 ۱۲
 ۱۳
 ۱۴
 ۱۵
 ۱۶
 ۱۷
 ۱۸
 ۱۹
 ۲۰
 ۲۱
 ۲۲
 ۲۳
 ۲۴
 ۲۵
 ۲۶
 ۲۷
 ۲۸
 ۲۹
 ۳۰
 ۳۱
 ۳۲
 ۳۳
 ۳۴
 ۳۵
 ۳۶
 ۳۷
 ۳۸
 ۳۹
 ۴۰
 ۴۱
 ۴۲
 ۴۳
 ۴۴
 ۴۵
 ۴۶
 ۴۷
 ۴۸
 ۴۹
 ۵۰
 ۵۱
 ۵۲
 ۵۳
 ۵۴
 ۵۵
 ۵۶
 ۵۷
 ۵۸
 ۵۹
 ۶۰
 ۶۱
 ۶۲
 ۶۳
 ۶۴
 ۶۵
 ۶۶
 ۶۷
 ۶۸
 ۶۹
 ۷۰
 ۷۱
 ۷۲
 ۷۳
 ۷۴
 ۷۵
 ۷۶
 ۷۷
 ۷۸
 ۷۹
 ۸۰
 ۸۱
 ۸۲
 ۸۳
 ۸۴
 ۸۵
 ۸۶
 ۸۷
 ۸۸
 ۸۹
 ۹۰
 ۹۱
 ۹۲
 ۹۳
 ۹۴
 ۹۵
 ۹۶
 ۹۷
 ۹۸
 ۹۹
 ۱۰۰

من اشد الناس عذاباً يوم القيامة المصرون ، روز قیامت سب سے زیادہ عذاب مصروں پر ہوگا ، اس حدیث میں راوی سے اعراب کی غلطی ہوئی ہے ،

اس حدیث کو مسلم نے نقل کیا ہے

ایسے ہی ابواسحاق اندلسی ، شاطبی ، غزناطی نے اپنی کتاب شرح لیفہ میں ابن مالک پر

اعتراف کیا ہے ،

لیکن ابن مالک کا اس حدیث شریف کے ذریعہ استدلال کرنا تو یہ شاید لانے میں تمام متقدمین کے خلاف ہے کیونکہ ان میں سے کسی کی بھی بخو کی کتاب میں رسولؐ سے منقول حدیث کے ذریعہ استدلال نہیں ملے گا جبکہ انہوں نے عرب کے سفہاء اور اجہل لوگوں کے کلام اور ان کے فحش و پوچ اشعار سے شاہدو مثال قائم کی ہے ، بلکہ ابوحاتم نے تو جرمی سے نقل کیا ہے کہ ان کے پاس عبیدہ عمر بن المشی تفسیر غریب القرآن الکریم کے موضوع پر کوئی کتاب لایا : میں نے کہا : اے ابو عبیدہ یہ تم نے کہاں سے لی ہے یہ تو فقہاء کی تفسیر کے برخلاف ہے ، کہا : یہ ان اعراب کی تفسیر ہے جن کا اس فن سے کوئی ربط نہیں ہے چاہے آپ اسے قبول کریں یا رد کر دیں اور جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں وہ صحیح حدیث کو ترک کرتے ہیں اور نحو و لغت میں حدیث سے شاید نہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بالمعنی حدیث نقل کرنے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں کیونکہ احکام شرمیہ کو پہنچانے کیلئے معانی اہم مقصد ہے لفظ نہیں یہی وجہ ہے کہ جو احادیث کے الفاظ میں اختلاف نظر آتا ہے چنانچہ ایک قصہ کے بارے میں ایک ہی حدیث کی مختلف و متفاو عبارتیں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کیلئے بالمعنی روایت کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے جبکہ عرب کے کلام اور اشعار میں معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ عرب کے کلام اور اشعار کے روایت نے اسے بالمعنی نقل نہیں کیا ہے بلکہ اس کے الفاظ ہی ان کے نزدیک معانی تھے کیونکہ اسی پر زبان کے احکام کی بناء رکھی جائیگی اسلئے نحاۃ نے اس کلام عرب سے استنباط کیا ہے جو ثقہ روایت کے ذریعہ نقل ہوا ہے اور منقولہ حدیث کو اس احتمال کی وجہ سے نظر انداز کر دیا ہے کہ ممکن ہے راوی نے حدیث کے لفظ کو عربی معیار سے ہٹا دیا ہو اس سے زبان کی بناء اصل پر برقرار نہ ہوگی ، یہ سب زبان کے قواعد کو محفوظ رکھنے کی غرض سے کیلئے

ورنہ اگر آپ ان کے کلام عرب کو قبول کرنے اور اس کی تحقیق کو دیکھیں گے تو حیرت زدہ رہ جائیں گے اس بات کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے حدیث سے استنباط نہیں کیا ہے اور نہ اسے شاپک طور پر پیش کیا ہے جب کہ انہوں نے اس چیز پر بنا رکھی ہے کہ جنہوں نے الفاظ قرآن کی روایت کی ہے اس پر بنا رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے الفاظ کی نقل کو اہم سمجھا ہے، یہاں تک کہ کہا: میں نہیں جانتا ہوں کہ گذشتہ نجات میں سے کسی نے ایسا کیا ہو، ہاں ابن خروف نے ایسا کیا ہے، حالانکہ ابن مالک رحمہ اللہ اعلم حدیث کو بالمعنی نقل کرنے کو بطور مطلق منع کرتے ہیں، یہ قول ضعیف ہے اسے وہ یقینی اور متحد قضا یا رد کرتے ہیں جو کہ مختلف الفاظ میں نقل ہوئے ہیں، وہ صحابہ ہجری کے زمانہ سے مختص نہیں ہیں اور انجیوں کو چھوڑ کر عرب ہی میں محدود نہیں ہیں، جو بھی کتب حدیث کا مطالعہ کرے گا اسے ایسے بہت سے الفاظ مل جائیں گے بلکہ ایسے بھی جن کا کلام عرب سے بھی تعلق نہیں ہے، شیخ ابو اسحاق شاطبی کہتے ہیں: حق یہ ہے کہ ابن مالک کا یہ قاعدہ صحیح نہیں ہے،

شاید قاری نے یہ محسوس کیا ہو کہ اس سلسلے میں ہم نے بڑے علماء نحو کے کلام سے بہت زیادہ شواہد پیش کئے ہیں ایسا ہم نے اس لئے کیا ہے کہ ان میں سے ہر عالم کے کلام کے کچھ فوائد ہیں جو کہ دوسرے کے یہاں نہیں ہیں ان کی دہلیوں سے صاحبان فکر و رائے متفق ہیں اس میں جاہل و متعصب ہجاشک کرے گا،

کچھ اور جانتیں بھی ہیں کہ حدیث کے بارے میں جن کے مختلف موقف ہیں مثلاً شیعوں نے اور خوارج وغیرہ اور ہر جماعت اپنے امام کی سنت پر ہے،

لیکن شیعوں خصوصاً امامیہ ان احادیث کو معتبر جانتے ہیں جو کہ اہلبیت کے طریق سے ان کے جد کی حدیث ان کے نزدیک صحیح ہوں یعنی جسکی جعفر صادقؑ نے اپنے والد باقرؑ سے اور انہوں نے اپنے والد زین العابدینؑ سے انہوں نے حسینؑ سے انہوں نے اپنے والد امیر المومنینؑ سے اور آپ نے رسول سلام اللہ علیہم جیسا سے روایت کی ہو، لیکن جن احادیث کو ابوہریرہ، سمرہ بن جندبہ مروان بن الحکم، عمران بن حطان اور عمرو بن العاص وغیرہ نے نقل کیا ہے امامیہ کی نظروں میں اسکی

کوئی اہمیت نہیں ہے،

خارج حدیث کو ان صحابہ میں محدود جانتے ہیں جن سے انہیں عقیدت ہے ان کی نظروں میں وہ احادیث معتبر ہیں جو فتنہ کھڑا ہونے سے قبل بیان ہوئی تھیں لیکن فتنہ کے بعد تو وہ چہرہ رکوب رہے انقب سے یاد کرتے ہیں کیونکہ چہرہ رونے "ان کے زعم میں" ائمہ حور "ظالم حکام" کا اتباع کیا ہے اس لئے وہ انہیں ثقہ نہیں جانتے ہیں۔

محمد عبدالہ کا نظریہ

امام محمد عبدالہ اس احاد حدیث کو قبول نہیں کرتے ہیں جو کہ عقل و قرآن اور علم کے خلاف ہوتی ہے خواہ محدثین کی نظروں میں صحیح ہی ہو اس سلسلے میں ہم آپ کے سامنے محمد عبدالہ کے بعض اقوال پیش کرتے ہیں،

رسول پر سحر کئے جانے کے سلسلے میں بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں: تقلیدی ذہن رکھنے والے وہ لوگ کہتے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ نبوت کیا ہے اور اس کا مرتبہ کیا ہے، اگر یہ صحیح ہے کہ آپ کے نفس پر سحر کا اثر ہوا ہے تو پھر اس کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے اور اس کی تصدیق نہ کرنا بدعت گزاروں کی بدعت ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا سحر کا انکار ہے جبکہ قرآن میں سحر کا صحیح ہونا بیان ہوا ہے، ملاحظہ فرمائیے کہ صحیح دین اور صریح حق مقلدین کی نظروں میں کیسے بدعت بن گیا ہے، ماہذا اللہ، وہ سحر کے ثبوت کو قرآن سے ثابت کرتے ہیں اور آپ سے سحر کی نفی کو قرآن سے روگردانی قرار دیتے ہیں اور اسے مشرکین کا افتراء شمار کرتے ہیں اس سلسلے میں تاویل کرتے ہیں، جبکہ مشرکین کا یہی مقصد تھا وہ کہتے تھے آپ کو شیطان بہر کا تپا ہے اور آپ پر سحر ہونے کو بھی وہ شیطان کے مسلط ہونے کی علامت سمجھتے تھے اور یہ سحر وہی ہے جسکی لہید کی طرف نسبت دی گئی تھی ان کے خیال میں وہ بنحو طالحواس ہو گیا تھا،

جس چیز کا اعتقاد واجب ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مقطوع یہ ہے وہ کتاب خط ہے جو کہ

رسول موصوم سے تو ان کے ساتھ آئی ہے پس جو چیز قرآن سے ثابت ہو جائے اس کا اعتقاد رکھنا واجب ہے اور جس کی وہ نفی کرے اس کا اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے اور قرآن میں رسولؐ سے سحر کی نفی ہوئی ہے اور یہ کہ رسولؐ پر سحر کر دیا گیا تھا تو یہ مشرکین نے اڑائی تھی لہذا رسولؐ پر قطعاً سحر کا اثر نہیں ہوا ہے،

پھر حدیث سحر، اگر صحیح بھی ہے تو وہ، حدیث آحاد ہے اور عقائد میں آحاد پر عمل نہیں کیا جاتا ہے اور رسولؐ کی عقل کا سحر کے اثر سے محفوظ ہونا عقائد ہی میں سے ہے اور رسولؐ سے سحر کی نفی میں بھی سوائے یقین کے آحاد سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی عقائد میں ظن اور ظن آحاد چیزوں پر عمل کیا جاسکتا ہے، اور چونکہ حدیث طریق آحاد کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے اور اس سے اس شخص کو بھی ظن ہی حاصل ہوتا ہے خواہ صحیح تسلیم کرتا ہے لیکن جس شخص کے پاس اس بات پر دلیل موجود ہو کہ حدیث آحاد صحیح نہیں ہے تو اس سے ہم پر حجت نہیں قائم کی جاسکتی، بہر حال ہم اپنے عقیدہ میں حدیث کو حکم نہیں بنا سکتے ہیں بلکہ اس سلسلے میں قرآن کی نص اور عقلی دلیل کے مطابق عمل کرنا چاہیے کیونکہ جب رسولؐ خطبہ الحواص ہو جائیں گے تو وہ یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ انہوں نے کسی چیز کی تبلیغ کی ہے جبکہ ان کی تبلیغ نہیں کی ہے یا یہ خیال کریں گے کہ ان پر کوئی چیز نازل ہوئی ہے حالانکہ کوئی چیز نازل نہیں ہوئی ہوگی یہ بات واضح ہے محتاج بیان نہیں ہے، امام محمد عہدہ آخر میں فرماتے ہیں: نادان دوست نے گستاخ نقصان پہونچایا ہے،

اور سحر کی نفی کرنے والے کو بدعتی کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ خدا نے آیت آمن الرسولؐ اور دوسری آیات میں ان چیزوں کو بیان کر دیا ہے کہ جن کا مومنوں کو عقیدہ رکھنا چاہیے اور جن چیزوں پر ایمان لانا واجب ہے تاکہ وہ مسلمان ہو جائے مگر ان چیزوں میں سحر کا ذکر نہیں ہے کہتے ہیں: اگر وہ قرآن کو سمجھتے اور لخت سے آگاہ ہوتے تو پھر عقلمندان کی اس بکواس کی طرف توجہ نہ دیتا اور نہ ہی اسلام میں عیب نکالتا مگر یہ کہ کسی کی محال گوئی کی عادت ہو تو اس سے ممکن بحث نہیں کی جاسکتی اس بیوقوفی سے ہم خدا کی پناہ چاہتے ہیں،

اور پھر ائمہ امام جصاص کے علاوہ متقدمین میں سے ہر ایک نے رسولؐ سے سحر کی نفی کی ہے اور استاد نے اسے اسی طرح عقاید اور غیر عقاید سے متعلق بہت سی احادیث کو رد کیا ہے جیسے حدیث غزالیہ حدیث زینب بنت جحش وغیرہ کو رد کیا ہے اس موضوع سے متعلق ہم ان کے اقوال پیش نہیں کر سکتے ہیں،

علامہ رشید رضا کی رائے

اس موضوع کو ہم علامہ رشید رضا کے قیمتی جملہ پر ختم کرتے ہیں، بعض احادیث اس شخص کیلئے حجت ہیں جس کے نزدیک وہ ثابت ہیں اور اس کا دل ان سے مطمئن ہے لیکن دوسرے کیلئے یہ حجت نہیں ہیں اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے اور یہی وجہ ہے کہ مجاہد ہر اس حدیث کو نہیں لکھتے تھے جو ان سے بیان کی جاتی تھی اور جس کی طرف انہیں متوجہ کیا جاتا تھا جبکہ وہ قرآن کے اتباع اور اس پر عمل اور اس سنت علیہ کی طرف ہلاتے تھے جس کا اتباع کیا جاتا تھا سنت کو بہت کم بیان کرتے تھے جیسے حضرت علیؓ کا صحیفہ، وہ صحیفہ خودیت، اسیر کربانی اور شہر مکہ کی حرمت وغیرہ کے احکام پر مشتمل ہے چنانچہ امام مالک منصور و رشید خٹا کی اس بات پر راضی نہیں ہوئے تھے کہ لوگوں سے ان کی کتابوں یہاں تک کہ موطن پر عمل کرایا جائے، ہاں صرف ان احادیثوں پر عمل کرنا واجب ہے جو روایت و دلالت کے اعتبار سے وثوق ہوں اور تو کسی حدیث کو وثوق سمجھتا ہے اور اس کے مفہوم کو رد کرتا ہے وہ اس پر عمل کر سکتا ہے لیکن اسے عام شرعی حکم نہ بنائے، جس تک کوئی حدیث پہنچے اور اسکے نزدیک وہ ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے لیکن جو ان احادیث کی مخالفت کرتا ہے جو اس کے نزدیک ثابت نہیں ہے یا اسے انکا علم نہیں ہے تو ایسا شخص معذور ہے احادیث پر عقائد میں عمل نہیں کیا جاسکتا ان پر صرف فرعی احکام میں عمل کیا جاسکتا ہے کیونکہ عقائد کی دلیلیں متواتر حدیثیں ہیں،

جس شخص کو کسی حدیث کی روایت میں کوئی ضعف نظر آجائے اور وہ اس کی وجہ سے حدیث

کو تسلیم نہ کرے تو وہ مخدوہ ہے اور اس کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ حدیث جھٹلاتا ہے، اور ظن بھی اس کا فائدہ دیتا ہے اور امت نے بھی صرف اس حدیث کو تسلیم کیا ہے کہ جس کے صادق ہونے کا ظن غالب ہے اسی لئے انہوں نے قاعدہ بنادیا کہ: ظن غالب سے حکم لگایا جائے گا جبکہ ان کے ظن کا لازم حدیث کا صحیح ہونا نہیں ہے کہ وہ نفس الامر میں صحیح ہو، علماء اصول کے نزدیک متفق علیہ قواعد میں سے بہترین قاعدہ یہ ہے کہ: ان ظروف الاحتمال فی المرفوع من وقائع الاحوال، یکسوہا ثوب الاجمال یسقط بہ الاستدلال ۱۔

صرف حدیث

ایک چیز باقی رہ گئی ہے کہ جس سے تغافل کرنا ہمارے لئے صحیح نہیں ہے اور وہ یہ کہ حدیث طلب و تلاش کے بعد کے زمانہ میں بڑھی ہے، کہ ہماری کتاب کا موضوع ہے، ابو عرب بن عبد البر کہتے ہیں،

لیکن حدیث کی تلاش جیسا کہ ہمارے زمانہ کے بہت سے لوگ اس کی جستجو میں رہتے ہیں اور اس میں غور و فکر نہیں کرتے اور نہ اس کے معانی میں غور کرتے ہیں تو یہ چیز اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک صحیح نہیں ہے ۲۔

ذہبی اپنی کتاب ”بیان زغل العلم والطلب عن علم الحدیث“ میں فرماتے ہیں لیکن اکثر محدثین سمجھتے نہیں ہیں اور نہ معرفت حدیث کو اہمیت دیتے ہیں اور نہ اس سلسلے میں دیانت داری سے کام لیتے ہیں، سفیان ثوری کہتے ہیں: اگر حدیث خیر ہوتی تو خیر ہی کی طرح ختم ہو جاتی لیکن میں اسے نشر سمجھتا ہوں کیونکہ شر کی طرح میں اسے بڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، خدا کی قسم سچ کہتا ہے حدیث میں

کوئی بھلائی ہے کہ صحیح کے ساتھ ضعیف مخلوط ہے، یہ صحیح کو جدا نہیں کیا جاسکتا نہ نقل کرنے والوں سے بحث کر سکتے ہیں نہ خدا اس کی جزاء دے گا، ہم تو صاحبان عقل کیلئے مفحکہ و مذاق بن گئے ہیں وہ ہماری طرف دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ہیں وہ اہل حدیث،

پہلے زمانہ کے بڑے روات اور روایت کا جائزہ لینے کے بعد لکھتے ہیں چوتھی صدی میں تیسری کی بہ نسبت یہ شاخیں بڑھا اور آج تک اس میں کمی واقع نہیں ہوئی ہے تو ہمارے زمانہ میں جو بھی محدث ہے وہ افضل ہے، کتنے ہی لوگ زمانہ قدیم میں فقیہ و قیاس میں مشہور تھے لیکن حدیث کے سلسلہ میں متاخرین مشہور ہیں اور قدیم منکین میں سے کتنے تھے کم جو ہمارے شر کو زمانہ کے مشائخ سے بہتر طور پر جانتے تھے،

یہ تھے پانچویں اور آٹھویں صدی کے محدثین کے بارے میں ائمہ حدیث کے اقوال، ان لوگوں کی کیا حالت ہوگی جو کہ آج اپنے کو محدث سمجھتے ہیں، ان کا مبلغ علم یہ ہے کہ حدیث کی بعض کتابیں پڑھی ہیں ان میں سے چند حدیثیں انہیں از بر ہیں انسان کے عالم بننے کیلئے اتنا کافی نہیں ہے کہ جس سے عمل میں استفادہ کر کے اس کے قول و فتوے سے لوگ مطمئن ہو سکیں،

خدا ہمارے استاد امام محمد عہدہ پر رحم کرے انہوں نے اس ایک کے بارے میں کہ جس کے متعلق لوگ یہ کہتے تھے کہ وہ اپنی محنت و کوشش کے ذریعہ مسلم کے اس درجہ پر پہنچ گیا جس پر کوئی نہ پہنچ سکا، بخاری کی پوری عبارت اسے یاد ہے، کہا تھا: شہر میں ایک اور نسخہ کا اضافہ ہو گیا ہے، خدا کی قسم اس نے حق بات کہی ہے، یعنی اس شخص کی قیمت یہ ہے کہ اس نے لوگوں کو حیرت میں ڈال رکھا ہے کہ اسے بخاری از بر ہے، کتاب بخاری کے اس نسخہ سے زیادہ اس کی قیمت نہیں ہے جو نہ حرکت کرتا ہے نہ کچھ سمجھتا ہے -

جس سے ہم نے یہ قیمتی کلام نقل کیا ہے وہ محدث کبیر مودخ اسلام ذہبی ہیں ان کے بارے میں علامہ الصفدی نے اپنی کتاب نکات الہیامان میں لکھا ہے، میں نے ان کے پاس نشست و برخاست

کی، ان سے بہت بہت کچھ سیکھا، ان کی اکثر کتابیں انہیں سنائیں میں نے ان میں محدثین کا ماحجود نہیں پایا اور نہ نقل میں سخت گیر،

صفدی نے یہ بات اسلئے کہی ہے کہ تمام لوگوں کے درمیان محدثین کا مجود مشہور تھا اسی طرح ہمارے استاد نے، رسالہ الاسلام والنصرانیہ میں محدثین کو تنگ نظر و سادہ لوح قرار دیا ہے۔

اور یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ صفدی نے اپنے شیخ سے ان کے اس مجود کی وجہ سے برأت کا اظہار کیا ہے، جس سے حدیث سے سروکار رکھنے والے پہچانے جاتے تھے بلکہ ان کے بارے میں ان کے شیخ ذہبی نے بھی کچھ کہا ہے کہ جسے ہم موصوف کی کتاب سیر اعلام النبلاء میں فقیہ محدث شیخ الاسلام ابوبکر بن عیاش کے حالات میں درج کیا ہے،

ابو عمرو احمد بن محمد نیشاپوری کے فوائد ابو تراب محمد بن الفرج سے نقل کئے گئے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے خالد بن عبداللہ کوئی سے سنا ہے کہ وہ کہہ رہے تھے: ابوبکر بن عیاش کی گلی میں ایک کتا تھا وہ جب بھی کسی حدیث نویس کو دیکھتا تو اس پر حملہ کر دیتا تھا، حدیث نویس نے اسے زہر دیدیا، ابوبکر جب گھر سے نکلے تو کتے کو مردہ دیکھ کر کہا: انا للہ، نیکی کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے والا چلا گیا: نعیم بن حاد کہتے ہیں، ابوبکر بن عیاش اہل حدیث کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، اور اکثر اہل حدیث کو ہم ملامت سے بری نہیں سمجھتے ہیں وہ صرف حدیث میں گم ہو گئے اور اس کے سمجھنے اور اس میں غور و فکر کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اس میں نئی نئی راہیں پیدا کر دیں۔

تقریر، آقا خلیفہ مرتضیٰ علیہ السلام، نسخہ، رقم ۱۰۸، نسخہ، سیزده، تہمیدہ، مکتبہ الامام

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں: میں ائش کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کوئی مسئلہ معلوم کیا تو انہوں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور ابو حنیفہ کی طرف دیکھا اور کہا اس مسئلہ کا آپ جواب دیجئے انہوں نے کچھ کہا:

ائش نے کہا: یہ کہاں سے کہا آپ نے؟ جیسا کہ آپ نے ہم سے حدیث بیان کی تھی ائش نے کہا: ہم دوسرا زاد آپ طیب، یعنی اہل حدیث ایسے ہی ہیں جیسے فاطمی ولے اور فقہاء کی مثال اطباء کی سما ہے،

شعبہ کہتے ہیں: ایک زمانہ تھا کہ جب میرے پاس کوئی اہل حدیث آتا تھا تو اسے دیکھ کر میں مسرور ہوتا تھا لیکن آج یہ حالت ہے کہ وہ سب سے زیادہ مسرور ہیں وہ کہتے تھے: یہ حدیث تمہیں ذکر خدا سے اور ناز سے باز رکھتی ہے،

شعبی کہتے تھے: شاعر میرے نزدیک حدیث سے زیادہ محفوظ ہیں یہاں تک کہ انہوں نے اپنے اصحاب سے کہا: اگر میں خدا کی رضا چاہتا تو تمہاری طرف نہ آتا اور اگر تم خدا کی خوشنودی چاہتے تو میرے پاس نہ آتے لیکن مدح و تعریف کو پسند کرتے ہیں مذمت و برائی کو مسرور سمجھتے ہیں،

عروبن حارث کہتے ہیں: میں نے حدیث سے بہتر علم نہیں دیکھا ہے اور اہل حدیث سے زیادہ پست لوگ نہیں دیکھے ہیں، سفیان نے اصحاب حدیث کی طرف دیکھا اور کہا: تم آنکھ کا خار ہو اگر تم اور ہم عربن خطاب کے زمانہ میں ہوتے تو وہ ضرور کوڑے لگواتے،

میخو البضی لکھتے ہیں: خدا کی قسم میں فاسق سے اتنا نہیں ڈرتا ہوں جتنا ان اہل حدیث سے ڈرتا ہوں،

سفیان ثوری کہتے ہیں: ہم اس حدیث میں ساٹھ سال سے الجھے ہوئے ہیں چاہتا ہوں کہ اس سے صحیح سالم طریقہ سے نکل آؤں،

محمد بن سلام سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: مجھ سے یحییٰ بن سعید قطان نے کہا: اشعار کے راوی حدیث کے راویوں سے زیادہ عقل مند تھے کیونکہ حدیث کے روایت نے بہت سی جلی حدیثوں کی بھی

روایت کی ہے، اشعار کے روات اگر جعلی اشعار پر مبنی تھے تو ان پر تنقید کی جاتی تھی اور کہا جاتا تھا کہ یہ جعلی ہے۔

ماذنی سے اہل علم کے صفات کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اہل قرآن میں ضبط العقل اور ضعیف ہیں اور اہل حدیث میں احمق و لا پر و احشویہ ہیں اور شعراء میں جلد باز و یوقو ہیں خویوں میں مشکل پسند ہیں اور احادیث بیان کرنے میں سب ہیں،

اگر ہم ان تمام چیزوں کو نقل کرتے ہو تو رجال حدیث کے جمود کے بارے میں کہا گیا ہے تو بحث طویل ہو جاتی لہذا ہم اس پر اکتفا کرتے ہیں،

اس فصل کو ہم المناک چیز پر ختم کرتے ہیں کیونکہ وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فرقہ سے اسلام کو کتنا شدید نقصان پہنچا ہے، مسلمانوں کے فرقوں میں سے ایک فرقہ مستزید ہے اسی کو عدلیہ بھی کہتے ہیں اسی جیسا ایک اور فرقہ ہے جسے اہلسنت کہتے ہیں دونوں کے درمیان شدید اختلاف ہے ایک دوسرے پر سب وستم کرتے ہیں اس طعن و تشنیع کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں، اہلسنت کے بارے میں عدلیہ کہتے ہیں،

و جماعة سمو ابراهيم سنة
قد شبهوه بخلق و تخوفوا
و جماعة حمرو لعنوا موكفة
شنع الوري فتستروا بالكلف

اہلسنت نے بھی اپنے دشمن عدلیہ کے بارے میں کہا ہے،

و جماعة كفروا بروية ربحهم
و تلقبوا عدلية قلنا: اجل
و تلقبوا الناجين كلا اخضم
حقا و وعد الله ما لن يخلف
عدلوا بربحهم فحسبهم سفا
ان لم يكونوا في لفظي فعلي سفا

خاتمہ

حدیث محمدیؐ اس کی حیات و تاریخ سے فراغت پانے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کتاب کے خاتمہ پر چند ایسے فصول قلم کی جائیں جن میں حدیث اور فقہ حدیث سے متعلق مباحث پیش کئے جائیں اور یہ بھی واضح کیا جائے کہ محقق صحیح حدیث تک کیسے پہنچ سکتا ہے اور دین اسلام کے قواعد و اصول کے باوجود قاری ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا پھر یہ فصول کتاب کا لازمہ اور خاتمہ ہے اس کی تہدید میں ہم فیلسوف المورخین ابن خلدون کے کلام کو پیش کریں گے،

اپنے مشہور مقدم میں فرماتے ہیں: جب احادیث میں صرف نقل پر اکتفا کیا جائے گا اور اسے عادت کے اصول اور سیاست و طبیعت اور معاشرۃ انسانی کے احوال پر نہ پرکھا جائے گا اور نہ اس میں سے غائب کو حاضر کے لحاظ سے دیکھا جائے گا تو ایسی صورت میں زیادہ غرضیں ہوں گی، قدم و گنگائیں گے اور جادہ صدق سے ہٹ جائیگا، چنانچہ اکثر مورخین، مفسرین اور ائمہ روایت نے حکایات اور وقائع کو ناقصین پر اعتماد کر کے جھوٹ سچ میں تمیز کئے بغیر نقل کیا ہے اور انہیں ان کے اصول یہاں تک کہ ان ہی جیسے وقائع پر بھی نہیں پرکھا ہے اور نہ ہی حکمت کے معیار اور کائنات کی طبیعتوں کے علم کے میزان پر تول ہے اور نہ ہی احادیث کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھا ہے نتیجہ میں وہ جادہ حق سے بھٹک گئے ہیں اور وہم و خطا کی وادی میں گمراہ ہو گئے۔

۱۔ مقدمہ ابن خلدون

اور جب خبر میں کذب کا امکان ہے اس کے کچھ اسباب ہیں جو کذب کا تقاضہ کرتے ہیں ان ہی میں سے راہل اور مذاہب کا تفرقہ و علیحدگی ہے جب حدیث قبول کرنے کیلئے نفس حالت اعتدلال پر ہو تو اسے غور و فکر کا حق دیا جائے تاکہ اس کے کذب سے صدق واضح ہو جائے اور جب اس کے جھوٹ سچ میں تمیز نہ ہو سکے پھر کسی کی رائے یا مذہب کی پیروی کرے اور اسے قبول کرے دیگر اخبار کے موافق ہو اور یہ تمایل و جھکاؤ چشم بصیرت کو انتقاد و تمحیص تک نہیں پہنچنے دیتا اور نتیجہ میں انسان جھوٹ کو قبول کر لیتا ہے اور اسے نقل کر دیتا ہے اور ثقہ ناقلین کی حدیث میں بھی ایسے اسباب ہوتے ہیں جو کذب کا تقاضا کرتے ہیں اور اسے پاک و صاف کرنے کیلئے جرح و تعدیل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے انہیں اسباب میں سے ایک مقصد سے غفلت ہے بہت سے نقل کرنے والے دیکھنے والے سننے کے باوجود مقصد کو نہیں سمجھ پاتے اور اپنے تخمین و ظن کی بنا پر خبر نقل کر دیتے ہیں نتیجہ میں جھوٹ آجاتا ہے انہیں اسباب میں سے صدق کا توہم بھی ہے، یہ بہت زیادہ ہوتا ہے یہ ثقہ ناقلین کی جہت سے زیادہ ہوتا ہے، احوال کی وقائع پر تطبیق سے بے خبری بھی ایک سبب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تلبیس و تصنع ہوتی ہے، یعنی حقیقت کے برخلاف ہوتے ہیں اور مختصر انہیں اسی طرح بیان کرتا ہے جیسے دیکھتا ہے جبکہ وہ حقیقت کے برخلاف کراٹھے گئے ہیں، بہت سے لوگ مالداروں اور جاہ و چشم والوں کی مدح و ثنا اور جگہ جگہ ان کے ذکر کیلئے حدیث کا سہارا لیتے ہیں لوگ تعریف کے بھوکے ہوتے ہیں وہ دنیا اور اس کے جاہ و ثروت کو دوست رکھتے ہیں جبکہ ان میں سے زیادہ تر فضائل کی طرف راغب نہیں ہیں اور نہ اہل فضائل پر رشک کرتے ہیں جھوٹ ہی کے اسباب میں سے عثران میں طبیعتوں کے احوال سے ناواقفیت ہے کیونکہ حوادث میں سے ہر حادثہ کی ایک طبیعت ہوتی ہے جو اسی کی ذات سے مخصوص ہوتی ہے اس طبیعت پر کچھ حالات طاری ہوتے ہیں، پس جب سننے والا حوادث کی طبیعتوں کو جانتا ہوگا اور ان کے وجود کے احوال اور ان کے مقتضیات سے واقف ہوگا تو یہ تمام چیزیں سچی خبر کو جھوٹ سے جدا کرنے میں اس کی مدد کریں گی اور عارض ہونے والی چیز کی تمحیص کیلئے یہ سب سے زیادہ بہترین ہے اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ سامعین محال حدیث کو قبول کرتے ہیں اور انہیں نقل کرتے ہیں اور پھر ان سے نقل کی جاتی ہے،

عمران کے طبائع کی معرفت کے ذریعہ احادیث کی تحیص و تعدیل کے ذریعہ روایت کی تحیص پر نسبت رکھتی ہے،

کہتے ہیں: احادیث کی تحیص اور اس کے جھوٹ سچ کو پرکھنے کا بہترین و محکم ترین ذریعہ عمران کے طبائع کی معرفت ہے اور یہ تعدیل روایت کی تحیص پر مقدم ہے اور تعدیل روایت کی طرف اس وقت تک رجوع نہیں کیا جاسکتا ہے جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ حدیث ممکن ہے یا ممکن چنانچہ اگر حدیث محال ہوگی تو جرح و تعدیل کی بحث کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اہل نظر نے حدیث کے لفظ کے مدلول کے محال متقل کے خلاف ہونے کو عیب قرار دیا ہے جرح و تعدیل صرف احادیث ثمریہ میں معتبر ہے کیونکہ ان میں اکثر ثمرائے عمل اس وقت کرنے کو واجب قرار دیتا ہے جب انکی صداقت کا گمان ہو جائے اور ان کے صحیح ہونے کا راستہ راویوں کی عدالت اور ان کے یاد رکھنے پر اعتماد ہوگا

اور جب دین کی عمر سے بحث کی تو کہا: صدر اسلام میں اس سلسلے میں صحابہ سے منقول باتوں پر اعتماد کیا جاتا تھا خصوصاً بنی اسرائیل کے ان لوگوں پر جو مسلمان ہو گئے تھے جیسے کعب الاحبار، وہب بن منبہ وغیرہ پر اعتماد کیا جاتا تھا، تفسیر قرآن کے بارے میں لکھتے ہیں،

مقدمین نے اس سلسلے میں کچھ جمع کیا ہے، لیکن ان کی کتابوں میں غلط و صحیح اور پسندیدہ و غیر پسندیدہ چیزیں بھی ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ عرب اہل کتاب نہیں تھے نہ ہی ان کے پاس علم تھا وہ تو صرف بد و اور جاہل تھے جب کسی چیز کی معرفت کا شوق ہوتا تھا، جیسا کہ کائنات کے اسباب اور ابتدائے آفرینش و اسرار و چوکو جاننے نفوس بشریت کو ہوتا ہے، تو اسے وہ اہل کتاب سے پوچھتے تھے اس سلسلے میں وہ انہیں سے مستفید ہوتے تھے اور یہ اہل کتاب یہود میں سے تورات اور ان کا اتباع کرنے والے نصاریٰ تھے اور اہل تورات بھی اس زمانہ میں عرب ہی کی مانند باور نشین تھے اس سلسلے میں وہ بھی اتنا ہی جانتے تھے جتنا عام اہل کتاب کو علم ہوتا ہے ان میں حیر و اے معظم سمجھے جاتے تھے کہ

جن سے دین پرودیا گیا ہے، اور جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تب بھی اپنے ان عقائد سے دست بردار نہیں ہوئے جن کا فہرست اسلام کے ان احکام سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن کتب الاجار و ہب بن منہ اور عبد اللہ بن سلام وغیرہ کی نقل کردہ چیزوں سے تفاسیر بھرنے اور اس سلسلے میں مفسرین نے تساہل سے کام لیا اور تفسیر کی کتابوں میں ایسی چیزیں کو بھریا اور جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں ان چیزوں کا سرچشمہ توریت والے ہیں اسی زمانہ سے چیزیں قبول کی جا رہی ہیں۔

علوم حدیث کے سلسلے میں کہتے ہیں:

اس فن میں کثرت و قلت کے سلسلے میں مجتہدین کے درمیان اختلاف ہے، ابو حنیفہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی روایت شرہ یا اس سے کچھ زیادہ ہیں مالک کے نزدیک وہ تمام حدیثیں صحیح ہیں جو موطا میں درج ہیں جو کہ ۳۰۰ کے لگ بھگ ہیں احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ۵۰ ہزار جمع کی ہیں ان میں سے جن کو کوئی قلیل روایت کی ہیں وہ ان مطامع سے بچنے کیلئے کی ہیں جو روایت پر عارض ہوئے ہیں یا ان ظل و قائل سے بچنے کی خاطر جو کہ طرق پر عارض ہوتے ہیں خصوصاً جرح اکثر کے نزدیک مقدم ہے اور اس سے وہ حدیث کٹ جاتی ہے جن کے طرق و اسانید پر مذکورہ چیز عارض ہوتی ہیں، جتنی تحقیق زیادہ بڑھتی ہے اتنی ہی روایت قلیل ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ابو حنیفہ کی روایت اسلئے کم ہیں کہ وہ روایت کے شرائط ان کے حل کرنے کے سلسلے میں سخت تھے وہ اسلئے حدیث کو چھوڑ دیتے تھے کہ جس میں کسی نجی چیز کا دخل ہوتا تھا انہوں نے جان بوجھ کر حدیث کی روایت کو ترک نہیں کیا تھا، ایسا ہرگز نہیں کیا تھا، لیکن دوسروں نے شرائط کو وسعت دی نتیجہ میں ان کی حدیث کی کثرت ہو گئی،

کہتے ہیں کہ تمام صحابہ مفتی نہیں تھے اور نہ ان سب سے دین لیا گیا ہے بلکہ یہ کام حاطین قرآن اسکے نسخ و منسخ اور محکم و مشابہ اور دیگر دلائل کے عالموں سے مختص ہے کہ یہ علم انہوں نے رسولؐ سے

حاصل کیا ہے یا ان لوگوں سے کیا ہے جنہوں نے رسولؐ سے سنا تھا اسی لئے انہیں قرآن یعنی کتاب خدا کو پڑھنے والے کہتے تھے کیونکہ عرب جاہل تھے،



jabir.abbas@yahoo.com

اسلام پر عظیم مصیبت

استاد محمد عبدہ کہتے ہیں:

اسلام کیلئے سب سے عظیم مصیبت مسلمانوں کی بدعت گزاری اور غالیوں کی مغفرت یافتگی ہیں ان ہی چیزوں سے مسلمانوں کی عقل میں ضعف پیدا ہوا اور دوسرے ان چیزوں کے بارے میں بدظنی ہو گئے کہ جن پر دین کی بنیاد استوار ہے، دین محمدیؐ میں قرون اولیٰ ہی میں جھوٹ پھیل گیا یہ اس بات کا سرخا عہد صحابہ ہی سے ملتا ہے بلکہ خود رسولؐ کے زمانہ میں آپؐ پر جھوٹ باندھا گیا، لیکن بنی امیہ کے زمانہ میں حکومت میں جھوٹ کی انتہا ہو گئی ہر شخص پر جھوٹ کی بلا کا سایہ آگیا، نقل کرنے والوں کی کثرت ہو گئی اور سچے لوگ کا عدم ہو گئے بعض بڑے صحابہ نے حدیث نقل کرنے سے دست کشی اختیار کر لی مگر یہ کہ انہیں کسی کے حافظ پر اعتماد نہ تھا کہ انھیں ان حدیثوں میں تحریف کا خوف تھا کہ جو ان سے نقل ہوتی تھیں، امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں روایت کی ہے: میں نے اہل خیر کو حدیث سے زیادہ کسی اور چیز کے بارے میں جھوٹا نہیں پایا ہے، پھر افتراء کے شر نے اور زیادہ وسعت اختیار کر لی نئی باتوں کی تخلیق کا سلسلہ زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا جو شخص اسلام کے مقدمہ کا مطالعہ کریگا اسے معلوم ہو جائے گا کہ موصوف نے اپنی صحیح کی تصنیف میں کی زحمت اٹھائی ہے اور اس چیز سے واقفیت پیدا کی ہے جو غرض مندوں نے دین میں داخل کر دی تھی جبکہ دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اہل نظر پر کبھی بھی یہ بات پوشیدہ نہیں رہی ہے کہ دین اسلام نے اپنی روشنی سے دنیا کی آنکھوں کو چمکا چو نہ کر دیا ہے، امتوں کے سروں پر سطوت شہنشاہی کی مانند آیا اور لوگوں کو اپنے فیض سے سرشار کیا اس میں ان کی رغبت کی بہت سی چیزیں نظر آئیں، صاحبان عقل کیلئے ان پر دیلیس قائم ہو گئیں، یہ تھے دین میں داخل ہونے کے اسباب کچھ لوگ اس کے نور سے روشنی حاصل کرنا چاہتے تھے یہی سچے مسلمان ہیں، بعض مختلف قوموں کے لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر اسلام اختیار کیا اور خود مسلمان

بن گئے غنیمت کیلئے یا اہل اسلام کے خوف سے مسلمان بن گئے یا معزز بننے کی خاطر اسلام قبول کیا اور خود کو اسلام کی چادریں پہن لیا لیکن اسے سمجھنے کی طرح نہیں سمجھا بظاہر مسلمان بن گئے ان کے دلوں کی گہرائیوں میں نہ اتر اہلذا باطنی طور پر وہ اپنے سابقہ ادیان ہی پر باقی رہے ظاہر مسلمانوں سے مشابہ ہو گئے خداوند عالم نے انہیں کے بارے میں فرمایا ہے: قَالَتِ الْأَعْرَابُ امْنَا قُلْ لَمْ تَكُونُوا وَلَكِنْ قَوْنُوا اسلما ولما یدخل الایمان فی قلوبکم ، بدو کہتے ہیں کہ ایمان لے آئے ہیں، کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو لیکن یہ کہو کہ اسلام لائے ہیں کیونکہ ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے پھر ان میں ایسے لوگ بھی تو رہا کار یا میں بہت آگے تھے یہاں تک کہ لوگ انہیں اتقیا سمجھتے تھے پس جب کوئی کسی قوم کو یہ دیکھتا تھا کہ وہ میرے اوپر اعتماد کرتے تھے تو وہ اپنے سابقہ دین کی باتیں بیان کرتا تھا اہل انہیں رسول یا آپ کے بعض اصحاب کی طرف منسوب کر دیتا تھا یہی وجہ ہے کہ جن اسرائیلیات سے توریت کی شروح بھری پڑی ہیں اسلامی کتابوں میں وہ رسول کی حدیث کے عنوان سے نقل ہوئی ہیں ان میں سے بعض جان بوجھ کر ایسی احادیث گڑھی ہیں کہ اگر ان کے معنی ذہن میں راسخ ہو جائیں تو اخلاف کو تباہ کر کے رکھ دیں اہل انسان شریعی اعمال کو حقیر سمجھنے لگے اور حق کی نصرت سے منہ موڑے گا جیسے وہ احادیث جن میں ”معاذ اللہ“ اسلام کی عمر کے ختم ہونے کا ذکر ہے یا جن میں یہ کہا گیا ہے کہ خدا بخش دے گا خواہ اس کی شریعت ہی سے انحراف کیا ہو یا عقل کو چھوڑ کر جسمیں دین دنیا کی فلاح، قدر کو تسلیم کرنے کی ترغیب ہے یہ ساری چیزیں گڑھنے والوں نے مسلمانوں کو برا دکرنے کیلئے اور انہیں اصول دین سے خوف کرنے کیلئے گڑھی ہیں تاکہ ان کا نظام متزلزل اور حالات ابتر ہو جائیں،

جھوٹوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو حدیث میں اضافہ کرنے اور اس میں کسی قول کو برکت سے یہ گمان کرتے ہیں کہ اس سے دین کی شان بڑھتی ہے چنانچہ انہوں نے جو چاہا بکواس کی اور اس فعل کی انجام دہی سے وہ اجر و ثواب کی بھی امید رکھتے ہیں جبکہ انہیں عذاب و عقاب کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا ان ہی کے بارے میں مسلم نے اپنی صحیح میں لکھا ہے صاحبین کو میں نے حدیث

سے زیادہ کسی اور چیز میں جھوٹا نہیں پایا ہے اور صائین سے ان کی مراد وہ لوگ ہیں جو کہ دائرہ نبوت اور نیچے کرتے پہنتے تھے، سر جھکائے رہتے، آواز دھیمی رکھتے تھے جس کی طو پر صبح و شام مسجد میں رہتے تھے اور روحی لحاظ سے مسجد سے کو سطل دور رہتے تھے ہونٹوں پر ذکر خدار تھا لیکن جیسا کہ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب نے فرمایا: دین کو انہوں نے بصیرت کیلئے رکاوٹ اور عقل کے رے پر دہ بنایا ہے وہ دھوکہ میں ہیں برائی کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں نیکی انجام دے رہے ہیں کبھی ظلم بھی عول معلوم ہوتا ہے اور دھوکہ فضیلت نظر آتا ہے لہذا وہ اصحاب نبیؐ کی فضیلت کے سلسلہ میں جس چیز کا چاہتے ہیں اضافہ کرتے ہیں اور دلوں میں ان کی منزلت بڑھاتے ہیں ان کے بارے میں یہ ضرب المثل بالکل صحیح ہے کہ نادان دوست سے عقلمند دشمن اچھا ہے،

جب مروجہ نے حدیث کو اس قاعدہ پیش کیا جو کہ انہوں نے اصلاح تعلیم کیلئے بنایا ہے اور جس پر عمل کرنا ضروری ہے تو کہا: فن حدیث اس شرط پر قرآن کا مفسر اور اس کو بیان کرے سکتا ہے کہ جب اس سے ان صحت حدیثوں کو حذف کر دیا جائے جو قرآن کی نص کے خلاف ہے اور صحیح حدیثوں کو اس کی طرف ارجاع دینے کی کوشش کریں اگرچہ ان کے ظاہر سے اس کی نجات بخا سمجھ میں آتی ہے۔

اور اپنے اس خطاب میں جس میں اپنے ایک بھائی کو مسلسل قرآن اور سیرت النبیؐ کے مطالعہ کی نصیحت کی ہے کہا: ہمیشہ قرآن کی تلاوت کیا کرو اسکے اوامر و نواہی و عظم و عبرت کو سمجھو کہ یہ زمانہ وحی میں مومنین اور کافرین سب کیلئے پڑھا جاتا تھا، تفاسیر سے محتاط رہو یا ان مفرد لفظ کو ان سے سمجھا جاسکتا ہے کہ جس کے بارے میں تم یہ نہ جانتے ہو کہ عرب میں اس کا کیا مفہوم ہے یا تم کسی مفرد لفظ کے دوسرے سے ربط سے واقف نہ ہو پھر جو چیز قرآن سے تعین و شخص ہو جائے اسے اختیار کرو اور خود کو قرآن کے سانچے میں ڈھالو اسی کے ساتھ سیرت رسولؐ کا

بھی مطالبہ کیا کہ لوگوں کو خدا کی تمیز یہ پر حرف آئے اور مقام الہی مخلوق سے مشابہ ہو جائے۔
 لیکن احاد احادیث پر اس کے لئے ایمان لانا واجب ہے جو کہ جس تک وہ پہنچی ہیں اور
 اس نے ان کی روایت کے صحیح ہونے کی تصدیق کی ہو لیکن جس تک وہ پہنچی ہیں یا پہنچنی ہوں
 لیکن اسے ان کے صحیح ہونے میں شبہ ہو چیکہ متواتر بھی نہیں ہیں تو اگر وہ ان احادیث کی تصدیق
 نہ کرے تو ان کے ایمان پر انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی اس سلسلے میں اصل یہ ہے جو شخص کسی چیز کا
 انکار کرے جبکہ وہ یہ جانتا ہو کہ رسولؐ نے اسے بیان کیا تھا یا آپؐ نے اس کی تصدیق کی تھی تو یہ
 رسالت کی صدق کو محذوش کرنا اور اسے جھٹلانا ہے اور اسی سے متصل وہ چیز بھی ہے جو تو ان کے
 ساتھ نقل ہوتی ہو اور ضروریات دین میں شمار ہوتی ہو،

کیا ہر وہ شخص ثقہ ہے جس کی جمہور متقدمین نے توثیق کی ہے،
 جامعہ ازہر کے شیوخ میں سے ایک نے علامہ سید رشید رضاؒ پر اعتراض کیا ہے کہ آپ
 نے کتب الاجار اور وہب بن منہر پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ ان کی روایات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا
 ہے تو علامہ نے ایک طویل اور مسکت جواب دیا جسے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں،
 جب ہم نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ جس شخص کو بھی جمہور متقدمین نے اس کے صحابہ
 معقول سے واقفیت کے ساتھ اس کے ضعیف و درکیک پہلوؤں سے قطع نظر کے ساتھ
 مرحوم تفسیر القرآن و فہم الدین میں لکھتے ہیں: صرف دلیل قاطع کا اتباع کیا جائیگا
 کیونکہ یہ چیز باب عقائد سے تعلق رکھتی ہے، اور عقائد یقین پر مبنی ہیں ان میں ظن اور وہم پر
 عمل نہیں کیا جاسکتا ۱

محمدؐ کی لائی چیزوں کی تصدیق ۲

استاد محمد عبدہ کہتے ہیں: رسولؐ کی خبر کی تصدیق اور اس چیز پر ایمان لانا

واجب ہے جو کہ آپ لائے ہیں یعنی ان چیزوں پر ایمان لانا واجب ہے جن کی قرآن مجید میں تصریح اور متواتر حدیثوں میں وضاحت ہے صحیح اور تواتر کے پورے شرائط کے ساتھ بیان ہوئی ہوں یعنی اس کی ایسی جماعت نے خبر دی ہو کہ جس کا محسوس چیز کے بارے میں جھوٹ پر متفق ہونا عادتاً محال ہو، جیسے مرنے کے بعد بعثت جنت کی نعمتوں اور جہنم کے عذاب کے حالات نیکی اور بدی کا حساب وغیرہ ہیں،

اور عقائد میں اسی چیز پر اکتفا کرنا واجب ہے جس کی حدیث میں تصریح ہوئی ہے اور یقینی چیز میں کسی ظنی چیز کا اضافہ کرنا جائز نہیں ہے اور اعتقاد کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس میں ایسی چیز نہ ہو جس سے شے قرار دیا ہے وہ ثقیل ہے، اگرچہ دلیل سے وہ ثقہ ثابت نہ ہو سکے، دلیل سے چشم پوشی کر کے اور تقلید کے مقدمات پر عمل کر کے اور قرآن مجید کی ہدایت کی مخالفت کر کے ہم نے خود اپنے اوپر اعتراضات کے دروازے کھلے ہیں،

اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہم روایات حدیث پر تنقید کر سکتے ہیں اور اس سلسلے میں جرح و تعدیل والوں نے بحث کی ہے، پھر کہتے ہیں، لیکن روایات کے متون کی تحیص یا ان کا حق، واقع یا دین کے قطعی اصول و فروع کے موافق یا مخالف ہو نا جرح و تعدیل کے فن سے مربوط نہیں ہے اس سلسلے میں ان میں سے بہت کم لوگوں نے بحث کی ہے اور جن لوگوں نے کی بھی ہے ”جیسے احمد اور بخاری“، تو انہوں نے اس کا حق ادا نہیں کیا ہے اس چیز کو کا قضا ابن جریر نے اپنے اور غیر کے نزدیک صحیح روایات کے درمیان تعارض والی بحث میں بیان کیا ہے اسی وجہ سے وہ اس کی موافقت یا مخالفت کرنے سے پیچھے ہٹتے تھے جیسے ابو ذر کی حدیث کا ظاہر سنیین وغیرہ کیلئے امر دشوار تھا، غروب کے بعد سورج کہاں رہتا ہے؟ اس سے متقدمین ہی سمجھے کہ سورج پوری زمین سے غائب ہو جاتا ہے اور رات بھر کیلئے زمین سے سورج کی روشنی منقطع ہو جاتی ہے اور جب عرش کے نیچے آتا ہے تو اس وقت دوبارہ طلوع سے نظر آتا ہے آج لاکھوں انسان اچھی طرح جانتے ہیں کہ اثناء شب میں سورج پوری زمین سے پوشیدہ نہیں ہوتا

ہے بعض جگہوں سے غروب ہوتا ہے اور بعض گوشوں میں نظر آتا ہے لہذا جب ہمارے یہاں دن ہوتا ہے تو دوسری جگہوں پر رات ہوتی ہے اور ہمارے یہاں جب رات ہوتی ہے تو وہاں دن ہوتا ہے جیسا کہ خدائے متعال کے اس قول سے سمجھیں آتا ہے: یکور اللیل علی النہار و یکور النہار علی اللیل وہ رات کو دن پر ملتا دیتا ہے اور دن کو رات پر ملتا دیتا ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے، یغشی اللیل النہار یطلبہ حیثاً، وہ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے، اور رات تیری سے اسکے پیچھے دوڑا کرتی ہے پھر جب ہمیں اس اور ایسے ہی دیگر مسئلہ میں قطعی اور حسی علم حاصل ہے تو ہمارے پاس دو ہی راہ ہیں یا تو حدیث کی سند کو مخدوش قرار دیں اگرچہ محدثین اسے صحیح قرار دیں یہ یقینی بات ہے کہ ابو ہریرہؓ نے اکثر حدیثیں رسولؐ کی زبان سے نہیں سنی تھیں کیونکہ دیر سے اسلام لائے تھے ممکن ہے بعض احادیث کعب الاحبار سے سنی ہوں صحابی کی مرسل اس وقت حجت ہے جب اس نے اپنے ہی جیسے صحابی سے سنی ہو یہی بات ابن عباس وغیرہ کے بارے میں کہی گئی ہے کہ انہوں نے کعب الاحبار سے روایت کی ہے،

لیکن حدیث کی یہ تاویل کرنا کہ وہ بالمنی مروی ہے یا بعض راوی اس کی مراد نہیں سمجھ سکے تھے تو انہوں نے جو سمجھا اسے اپنے لفظوں میں بیان کر دیا جیسا کہ راوی مذکورہ حدیث کو نہیں سمجھ سکا تھا، جیکہ رسولؐ کے اس قول ”ان الشمس تکون ساجدة تحت العرش... الخ“ کا مقصد یہ تھا سورج تحت عرش سجدہ یزیر تہلے لیکن اس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ وہ پوری مینا سے غائب ہو جاتا ہے، پھر کہتے ہیں: کہ صحیحین کے بعض شارحین نے اس حدیث کی تاویل کی ہے تاکہ طلاء متقدمین کی رائے فلکیات کے ماہرین کی رائے سے ہم آہنگ کر سکیں یہ زبردستی کی تاویل تھی جس کی تردید ظاہر حدیث خصوصاً مسلم کی طویل کی حدیث سے ہوجاتی ہے۔

ایسے ہی بعض روایات نے کعب و وہب کے ذریعہ بنی اسرائیل کی کتابوں سے کچھ حکایت نقل کی ہیں جیکہ یحییٰ بن محیین، احمد و ابو حاتم اور ان جیسے یہ نہیں جانتے تھے کہ صحیح ہیں یا غلط کیونکہ انھیں کتابوں کے بارے میں کچھ بھی معلومات نہیں تھیں پھر ان جھوٹے راویوں کے

کذب پر کوئی دلیل نہیں تھی جو بنی اسرائیل کی کتابوں کی طرف حکایتوں کو منسوب کرتے تھے اور جب ان کے بعد آنے والے پر عیاں ہوا کہ کذب ہے یا تو یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ کعب و وہب کا جھوٹ ہے اس میں روات کا بھی حصہ ہے یہ کیا کرے، اپنے نفس کو جھٹلائے اپنی حسن سے مکرائے اور نفاق و کذب کے ساتھ انہیں سچا تسلیم کرے یا مسلمانوں سے حق چھپائے تاکہ وہ اپنے سے پہلے والوں کا ان چیزوں میں مخالفت نہ بنے جو اس پر تو عیاں ہو گئیں لیکن پہلے والوں پر عیاں نہیں ہوئی تھیں، چنانچہ اس بے باک تنقید نگار نے کعب و وہب پر تنقید لگا کر جنہوں نے مسلمانوں کے اصول، واضح و قطعی مسائل یہاں تک کہ نصوص قرآن کو مشکوک بنا دیا،

اب ہم پھر اپنی پہلی بات کی طرف لوٹتے ہیں اور اس پر زور دیتے ہیں کہ کعب و وہب کے جھوٹ کا آشکار ہوجانے پر ہی ہمارے اصول و فروع دین کے نقصان کا مدعا و انہیں ہوتا ہے بلکہ دین میں بہترین چیز قرآن مجید، متواتر سن اور سن علیہ ہیں مثلاً نماز و مناسک کا طریقہ یا بعض احادیث میں پرچہ و سلف نے عمل کیا ہے، لیکن ان کے علاوہ آحاد احادیث کی دلالت قطعی نہیں ہے بلکہ ان میں اجتہاد کی ضرورت ہے ہم بعض مجتہدین کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے بہت سی صحیح احادیث کو نظر انداز کر دیا ہے بلکہ ان کو بھی اہمیت نہیں دی ہے جن کو شیخین، بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے اور ان کے اتباع میں لاکھوں مسلمانوں نے ان احادیث پر عمل نہیں کیا اس کے باوجود مسلمان ان لوگوں کو دین سے گمراہ کو اس اسرائیلی، کعب الاحبار، اور اس فارسی، وہب بن منہ، کی کیا قدر و قیمت ہے ان میں سے زیادہ تر خرافات ہیں جن سے تفسیر وغیرہ کی کتابوں کے اقتبار پر حرف آتا ہے اور اسلام میں مشکوک کو راہ ملت ہے دشمنان اسلام انہی کو دلیل بنا کر کہتے ہیں کہ اسلام بھی دیگر ادیان کی مانند خرافات و اہام کا مجموعہ ہے اور اس کی جو چیز خرافات نہیں ہے، وہ مشکوک ہے جیسے کعب نے تورات میں سے رسول کی صفت بیان کی ہے ہم نے کعب اور وہب پر ان چیزوں کے بارے میں تنقید اور جرح کی ہے جس کو پہلے علماء جرح و تعدیل جانتے بھی نہیں تھے، ان تمام باتوں کے بعد میں کہتا ہوں ہماری تحریر سے ان دونوں

کی بیان کردہ چیزوں کا جھوٹ مہمنا ثابت ہو گیا ، اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ مسلمانوں کو دھوکہ دیتے اور ان دینی کتب و روایات میں ایسی چیزیں داخل کرتے جو ان کے دین پر اعتراض باعث ہوتیں ، اب یہ بات واضح ہو گئی کہ ان دونوں کا تعلق یہود اور مجوس کی اس پارٹی سے تھا جو اسلام اور عرب کو ایک آنکھ نہیں دیکھنا چاہتی تھی ،

علماء فقہ حدیث کی تنقید

انہوں نے احادیث و آثار کی اسانید کو چھوڑ کر ان کے متون اور معانی و نغات ، اس میں عقل و شرع کے حکم ، اس کا دوسری چیز کے ساتھ تضاد کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اس تنقید میں فلسفی ، ادباء ، اور مؤرخین بھی ان کے شریک ہیں ، ان لوگوں نے صحیح سند والی احادیث پر بھی تنقید کی ہے اس کی شروع کو بھی نہیں چھوڑا ہے ، بعض نے اس موضوع پر مخصوص کتاب تصنیف کی ہے ان میں شہور ترین کتاب طحاوی کی ”مشکل الآثار“ ہے ،

عصر اول میں احادیثِ آحاد

مذہب کی دلیلوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جن سے احادیث سے اہل حدیث قیاس کرنے اور رائے کام لینے والوں پر حجت قائم کرتے ہیں وہ آحاد ہیں جو کہ عصر اول میں مستفیض نہیں تھیں تو اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان احادیث کا تشریع عام سے کوئی ربط نہیں ہے کہ جس پر رسولؐ اور آپ کے اصحاب عمل کرتے تھے، اور نہ ہی ان چیزوں میں سے ہیں جن کا رسولؐ نے حاضرین کو غائبین تک پہنچانے کا حکم دیا ہے بلکہ یہ استفادہ کے جواب ہیں جو سوال کرنے والوں کو دیئے گئے تھے اگر وہ سوال نہ کرتے تو شاید ان کے اجتہاد کیلئے گنجائش رہتی خود اس کے اور لوگوں کیلئے بہتر ہوتا، اور اگر یہ چیزیں دین کے ان اہم امور میں سے ہوتیں جن کو خدا اپنے بندوں پر ذمہ داری کے عنوان سے عائد کرنا چاہتا تھا تو انہیں سوال کئے بغیر بیان کرتا کیوں کہ خدا ہی جانتا ہے کہ ان کے حق میں کیا بہتر ہے، پھر رسولؐ زیادہ سوال کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے کہ اس کے نتیجے میں زیادہ ذمہ داری بڑھے گی اور امت اسے انجام نہیں دے سکے گی، اسی لئے رسولؐ نے فرمایا: مجھ سے تم چھوڑی ہوئی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا کرو کیونکہ تم سے پہلے والے زیادہ سوال کرنے کی اپنے انبیاء کے سلسلہ میں اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، اگر میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو تم اس سے اجتناب کرو اور اگر کسی چیز کا حکم دوں تو جتنی تم میں استطاعت ہو اتنا انجام دو، شیخین اور دارقطنی نے اسے دوسرے طریقہ سے بیان کیا ہے،

نیز فرمایا: خدا نے کچھ فرائض واجب کئے ہیں اور ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ حد معین کی ہیں ان کے قریب نہ جاؤ اور کچھ چیزیں بیان نہیں کی ہیں؛ ایسا نہیں ہے کہ وہ بھول گیا تھا، ان کی کھوج میں نہ پڑو،

ان سے اہم خدا کا یہ قول ہے: الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت

لکم الاسلام دنیا، یہ بہت بڑی جہالت اور دین پر ظلم ہے ہم اپنے دہم و گمان اور ان عظیم اصولوں کو کس نہس کر دیں،
یہ ثابت ہے کہ رسولؐ ہر سوال کرنے والے کا اس کے حل کے مطابق جواب دیتے تھے
آپ کے بعض فتا و امین خاص یا عام جھوٹ ہے،

دین و شریعت

سید رشید رضا کہتے ہیں: کیا وہ احادیث، جنہیں سنن اقوال کہا جاتا ہے، دین و شریعت میں خواہ صدر اول میں ان پر عمل بھی نہ ہوا ہو،
اگر ہم کہتے ہیں ہاں تو یہ بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ رسولؐ نے قرآن کے علاوہ دوسری
چیز لکھنے سے منع کیا ہے، صحابہ نے حدیث نہیں لکھی ہے بلکہ ان میں سے علماء ائمہ نے اس کا اہتمام
بھی نہیں کیا تھا، بلکہ وہ اس کی طرف مائل ہی نہیں تھے،
پھر، مع، میں شیرازی لکھتے ہیں:

جب خبر نقل ثقہ سے نقل ہوئی ہو تب بھی چند امور کے ذریعہ اسے رد کیا جاسکتا ہے
موجبات عقل کے خلاف ہو تو وہ باطل ہے کیونکہ شرع وہی حکم دیتی ہے جنہیں عقل صحیح
سمجھتی ہے، ①

قرآن و سنت متواترہ کی نص کے خلاف ہو تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے یا وہ منسوخ ہے
اجماع کے خلاف ہو تو یا تو وہ منسوخ ہے یا اس کی کوئی اصل نہیں ہے کیونکہ یہ بات صحیح نہیں
ہے کہ حدیث صحیح ہو، منسوخ نہ ہو اور امت اس کے خلاف اجماع کرے،
ایسی چیزیں ”مستضعف“ میں غزالی اور قرطبی نے بیان کی ہیں، ②

صدر اول کے لوگوں کا طریقہ

امام ابو زید الدیوسی تقویم الادلہ میں فرماتے ہیں: صدر اول کے لوگ یعنی صحابہ و تابعین اپنے امم کی بنیادِ حق پر استوار کرتے تھے یا وہ قرآن سے تمسک کرتے یا سنت سے اتباع کرتے تھے پھر رسولؐ کے بعد ان اقوال سے تمسک کرتے تھے جن سے حجت قائم کرنا صحیح ہوتی مثلاً ایک شخص کسی مسئلہ میں عمر کا قول اختیار کرتا اور دوسرے مسئلہ میں حضرت علیؓ کے قول سے اس کی مخالفت کرتا اور ابو حنیفہؒ کے اصحاب کے درمیان توبہ بھی ہوا ہے کہ وہ کبھی ان کی موافقت کرتے اور کبھی مخالفت کرتے تھے اور شریعت میں علوی و عمری مسلک نہیں تھا بلکہ نسبت رسولؐ کی طرف ہوتی تھی، خبر کو حجت سمجھتے تھے اپنے علم اور خود کو نہیں جب وہ حجت قائم کرنے میں سست پڑ گئے تو اپنے علم کو حجت بنالیا اور ان کا اتباع کرنے لگے جس سے وہ خنقیہ مالکی، شافعی میں تقسیم ہو گئے لوگوں کے ذریعہ حجت کو قول بناتے تھے۔

[illegible]

جسٹس

صحابہ سے زیادہ آسان سیرت پر چلنے اور شدت سے بچنے والے لوگ نہیں دیکھے ہیں۔
 رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی عادت تھی کہ جب آپ کسی صحابی کو کہہ کر خدا نے اس کو اپنی عبادت قوی
 دینے اور فیصلہ کرنے اور ان امور کو سمجھنے کی توفیق دی ہے اور وہ قرائن کی مدد سے ہر چیز کو سمجھتا
 ہے، پھر ان کے نزدیک بہترین بات وجدان و ضمیر کا اطمینان تھا وہ استدلال کے طریقوں کی
 طرف التفات نہ کرنے ہی میں خوش تھے جیسا کہ آپ دیہاتیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ گفتگو کا مقصد سمجھتے ہیں

ترجیح کی وجوہ ...

علامہ شیخ جمال الدین قاسمی اپنی کتاب » قواعد التحدیث « میں لکھتے ہیں :
 جو شخص صحابہ تابعین اور تبع تابعین اور ان کے بعد والوں کے احوال کے بارے میں غور
 کریگا، انہیں راجح پر عمل کرنے اور رجوع کو چھوڑنے پر متفق پائے گا اور ترجیح کے بہت سے طریقے ہیں
 اور ترجیح کا مدار ناظر کی قوت بصیرت پر ہے بس انہیں صحیح مسالک شریعہ کے مطابق ہونا چاہیے، بس
 جس سے یہ حاصل ہو جائے وہی معتبر مرجح ہے، ترجیح کبھی اسناد کے لحاظ سے ہوتی اور کبھی متن کے
 اعتبار سے ہوتی ہے اور کبھی مدلول کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی کسی خارجی امر کی بنا پر ہوتی ہے اس
 کے بعد ترجیح کی بہت سی وجوہ بیان کی ہیں ان ہی میں سے اسناد کے لحاظ سے جو ترجیح ہوتی ہیں ہم اسے
 اختیار کرتے ہیں،

① کثرت روایت کی وجہ سے ترجیح، کرنخی کہتے ہیں: کبھی ایک عادل ہزار ثقہ افراد کے برابر ہوتا
 ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ شعب بن النجاشی دو سو کے برابر تھے، صحابہ صدیق کی روایت کو دوسروں
 کی روایت پر مقدم کرتے تھے،

- ۲) فقہ کی روایت کو ترجیح ہے کیونکہ وہ الفاظ کے مدلولات کو اچھی طرح جانتا ہے،
- ۳) زیادہ موثق و زیادہ یاد رکھنے والی کی روایت کو ترجیح ہے،
- ۴) ان میں سے کوئی ایک خلفاء اربعہ سے آئی ہو،
- ۵) ان میں سے ایک عدالت ترکیبہ کے ذریعہ ثابت ہوا اور دوسرا صرف ظاہر میں صحیح ہو،
- ۶) جس پر عیب نہیں لگایا گیا ہے اس کی روایت اس شخص کی روایت پر مقدم ہوگی جس پر عیب لگایا گیا ہو،
- ۷) عدالت وفاق میں مشہور کی روایت دوسری کی روایت پر مقدم ہوگی کیونکہ یہ صفت جھوٹ کو مانع ہے،
- ۸) دیگر امور کے ذریعہ بھی ترجیح ہو سکتی ہے،
- ۱) جس روایت کو دوسری دلیل حکم کرتی ہے وہ اس روایت پر مقدم ہوگی جس کی دوسری دلیل تقویت نہ کرتی ہو،
- ۲) جس پر اکثر سلف نے عمل کیا ہے وہ روایت اس روایت پر مقدم ہوگی جو اس صفت کی حامل نہ ہوگی کیونکہ اکثر حق تک پہنچنے کے زیادہ سزاوار ہیں،
- ۳) ان روایتوں میں سے جو خلفاء اربعہ کے عمل کے موافق ہو،
- ۴) ان روایتوں میں سے جو ظاہر قرآن سے زیادہ مشابہ ہو،
- ۵) ہم قاضی کی دوسری کتاب "تبنیہ الطالب الی معرفۃ الغرض والواجب" میں سے چند نکات پیش کرتے ہیں،
- ۱) علماء کا اتفاق ہے کہ "وجوب" شریعت کے احکام میں سے ایک حکم ہے اور حکم کی تعریف کی ہے کہ یہ مکلفین کے افعال سے متعلق اللہ کا خطاب ہے، اور خطاب کے معنی سمجھانے کیلئے کلام کا رخ غیر کی طرف موڑنے کے ہیں، اور وجوب حکم ہے اور حکم صرف حاکم کی طرف سے ہوتا ہے اور حاکم صرف خدا ہے اور کوئی نہیں ہے،

① حق یہ ہے کہ ان نفعی دلائل سے اسی وقت یقین حاصل ہو سکتا ہے کہ جب ان کے ساتھ ایسے قرائن موجود ہوں جن سے یقین حاصل ہوتا ہو خواہ وہ قرائن مشاہدہ کی صورت میں ہوں یا تو اثر کے ساتھ ہم تک نقل ہو کر آئے ہوں ... اسلئے کہ اگر یہ قرائن مشاہدہ کی صورت میں ہوں گے اور تو اثر کی صورت میں مقبول ہوں گے تو یہ آحاد کے ذریعہ نقل ہوئے ہوں گے اور آحاد سے صرف نقل حاصل ہوتا ہے ،

② بعض حشویہ نے حدیث دکل امر ذی بال ، سے یہ استدلال کیا ہے کہ بسملہ کے ذریعہ ابتداء کرنا واجب ہے کہتے ہیں کہ حدیث نفعی طویر پر خبر اور معنوی اعتبار سے انشاء ہے کیونکہ امر کے معنی میں ہے اور امر واجب کیلئے ہے ان سے کہا گیا : امر کی وجوب پر دلالت کی شرط کیلئے دو چیزیں درکار ہیں ،

① اسکا ثبوت قطعی ہو یعنی کتاب خدا کی کوئی آیت ہو یا متواتر حدیث ہو ،
② معنی پر اس کی دلالت قطعی ہو لفظ میں اس معنی کے علاوہ دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو پس اگر امر میں ان دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہوگی تو امر وجوب پر دلالت کریگا اس سے وہ ہٹا بگاڑ گئے ،

③ ابن الصہام کہتے ہیں : فتویٰ صرف مجتہد دے سکتا ہے ، اور ابو یوسف و زفر وغیرہ نے کہا ہے کہ ہمارے قول سے کسی بھی شخص کیلئے اس وقت فتویٰ دینا جائز نہیں ہے کہ جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ ہم نے وہ بات کہاں کہی ہے کیونکہ جب کسی چیز کے واجب ہونے یا اس کی حرمت کا حکم دیا جائے گا تو یہ کسی روشن دلیل کی بنا پر ہوگا ، جس میں انتہک کوشش صرف کی جائے گی ، البتہ مقلد کو یہ راستہ نہیں اختیار کرنا چاہیے کیونکہ اس نے اپنے اوپر تمام دروازہ بند کر لئے اور جہاں تک ممکن تھا پردے ڈال لئے ہیں ،

فیصلہ التفرد میں غزالی کہتے ہیں :
مقلد کا حق یہ ہے کہ وہ خاموش رہے ،

قواعد و اصول

جب میں نے اس کتاب کو لکھنے کا ارادہ کیا تھا تو اس وقت میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی طویل ہو جائے گی لہذا ایسی بہت سی چیزوں سے احتراز کیا جن سے بحث متنوع ہوتی ہے اور آگے بڑھنے سے قلم کو دوک لیا یہ میرے لئے کوئی بری بات نہیں ہے کہ میں اپنے ان چنے ہوئے مطالب کو کہ جن کی بعض شاخیں پھلوں سے لدی ہوئی ہیں، کتاب کے آخر میں پیش کروں اور اس کے مقدمہ میں بعض قرآن مجید کی آیات اور ان کے کچھ وہ احادیث ہیں جو رسولؐ سے مروی ہیں کہ جن کی صحت ان کے معنی میں خود کرنے سے ظاہر ہو جاتی ہے،

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان ہذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا لسل ففرقہ بکلم عن سبیل یہ میرا رائے یہ دھچکاؤ تم اسی کا اتباع کرو، مختلف راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس کے راستے سے ہٹا دیں گے،

نیز ارشاد ہے، اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے تم اس کا اتباع کرو اس کے علاوہ دیگر اولیاء کا اتباع نہ کرو، نیز فرمایا: و ہذا کتاب انزلناہ مہدک فاتبعوہ واتقوا حکمہم ترحمون، اور یہ وہ کتاب ہے جسے ہم نے بابرکت نازل کیا ہے تو تم اس کا اتباع کرو اور پرہیزگار بن جاؤ تاکہ تم پر رحم کیا جائے پھر فرمایا: کان الناس امۃ واحدة فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین و انزل معہم الکتاب بالحق لیکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ،

لوگ ایک ہی مذہب پر تھے کہ اللہ نے بشارت دینے اور ڈرانے والے انبیاء بھیجے اور ان پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ کریں جن کے بارے میں وہ اختلاف کرتے ہیں،

نیز فرمایا: **وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ**، اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو کہ ہر چیز کو واضح طور پر بیان کرنے والی ہے اور مسلمانوں کیلئے ہدایت و رحمت و بشارت ہے،

پھر فرمایا: **مَا نُنْزِلُ فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ** ہم نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جسے قرآن میں بیان نہ کیا ہو،

نیز فرمایا: **الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا** آج ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا،

فیضی، بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن اوفی سے کہا گیا: کیا رسولؐ نے وصیت کی ہے؟ کہا نہیں! کہا گیا: کیوں؟ جبکہ وصیت لوگوں پر واجب کی گئی ہے، کہا: کتاب خدا کے بارے میں وصیت کی تھی، اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے، یعنی قرآن سے ٹسک کرنا اور اس کے مقتضائے عمل کرنا اور رسولؐ کے اس قول کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے، ترکِ فیکم ما ان تمسکم بہ بن تفضلوا: کتاب اللہ وصیت کو کتاب خدا میں منحصر کیا ہے کیونکہ یہ اعظم و اہم ہے یا اسلئے کیا ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے خواہ وہ نص کے لحاظ سے ہو یا استنباط کے ذریعہ، پس جب لوگ کتاب خدا کی ہر چیز پر عمل کریں گے تو ہر اس چیز پر عمل ہو جائے گا جس کا انہیں حکم دیا گیا ہے، جس حدیث کی طرف ابن حجر نے اشارہ کیا ہے اسے مسلم نے جوہر الوداع کے بیاق میں نقل کیا ہے فرمایا: انی تارک فیکم ما ان تمسکم بہ بن تفضلوا، اور ایک روایت میں جابر سے اس طرح نقل ہوا ہے: رسولؐ نے عرفہ کے روز خطبہ دیا: ترکِ فیکم ما ان تفضلوا بعدہ ان اعصمت برکت اللہ

۱۔ عبداللہ بن اوفی ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے حبشہ میں شجر کے نیچے بیعت کی تھی رسولؐ کے ساتھ چھ غزوات میں شریک ہوئے جن میں رثی ہوئے اور صحابہ میں سے پانچویں ہیں جو کوفہ میں رہے،

اور موطا میں کُستی کا اضافہ ہے اور اس زمانہ میں سنتِ عملیہ ہی کو سنت کہتے تھے، ایک روایت میں آیا ہے: الی تارک فیکم انتقلین کتاب اللہ وغیرتی اہل یتیمی، یہ حدیث مختلف روایات کے ذریعہ آئی ہے، سب کے معنی ایک ہی ہیں اگر ان روایات سے واقف ہونا چاہتے ہیں تو ”کتاب المراجعات“ کا مطالعہ فرمائیں جو کہ علامہ شرف الدین موسوی اور استاد شیخ سلیم البشیری کے درمیان ہونے والے مکاتبات کا مجموعہ ہے،

ابو داؤد سے مرفوع طریقہ سے روایت کی گئی ہے: خذنی جو اپنی کتاب میں حلال کیا ہے وہ حلال ہے اور جسے حرام کیا ہے وہ حرام ہے اور جسے بیان نہیں کیا ہے وہ بخشش ہے پس خدا کی بخشش کی طرف بڑھو کیونکہ خدا کسی چیز کو بھولتا نہیں ہے، وما کان ربک نسیاً تمہارا رب بھولتا نہیں ہے، اسے بزاز ابن ابی حاتم اور طبرانی نے نقل کیا ہے

ابن ابی ملیکہ کی مرسل حدیث ہے، ابو بکر صدیق نے رسولؐ کی وفات کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور کہا: تم رسولؐ سے حدیث نقل کرتے ہو پھر ان میں اختلاف کرتے ہو، تمہارے بعد والے اور زیادہ اختلاف کریں گے لہذا اب رسولؐ کی حدیث بیان نہ کرنا جو تم سے کوئی سوال کرے تو اس سے کہدو: ہمارے اور تمہارے پاس کتابِ خدا ہے لہذا اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو، رسولؐ جب آخری مرض کی نماز پڑھ چکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور لوگوں کو بلانے بلند فتنوں سے ہوشیار کیا اور سجدے سے نکل گئے اور فرمایا: لوگو! آگ بھڑک اٹھی ہے اور فتنے اندھیرا رکے گا لوگوں کی مانند بڑھ رہے ہیں، خدا کی قسم تم کسی چیز کو مجھ سے منسوب نہیں کر سکتے میں نے وہی چیز حلال کی ہے جسے قرآن نے حلال کیا ہے اور اسی چیز کو حرام کیا ہے جسے قرآن نے حرام کیا ہے۔ اور جب غزوہ تبوک میں آپؐ کا اونٹ غائب ہو گیا تو منافقین نے کہا: یہ ہمیں جانتے کہ ان کا اونٹ کہاں ہے، تو انہیں آسمان کی خبر کیسے معلوم ہوتی ہے

جب یہ بات رسول کو معلوم ہوئی تو فرمایا: میں کچھ نہیں جانتا ہوں مگر وہی جس کی میرا رب مجھے خبر دیتا ہے۔

اور جب عائشہ سے رسول کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: رسول کا اخلاق قرآن تھا اس کی احمد، مسلم، ابوداؤد نے روایت کی ہے،

استاد محمد فرماتے ہیں: اس زمانہ میں قرآن کے علاوہ مسلمانوں کا کوئی علم نہیں ہے اور صحیح اسلام وہ ہے جس پر فتنہ پیا ہونے سے قبل صدراول کے لوگ تھے،

مروم نے کہا: اس امت کیلئے اس وقت تک قیام ممکن نہیں ہے جب تک کہ جام الزہر میں یہ کتابیں موجود ہیں اور وہ قرن اول کی روح قرآن کے بغیر مستحکم نہیں ہو سکتی اور اس کے علاوہ تمام چیزیں اس کے اور علم و عمل کے درمیان حجاب ہیں،

نیز سہدہ فاطمہ کی تفسیر میں لکھا ہے: کہ جب ہم ان اعتقادات کو جو کہ ہمارے دماغ میں ہیں بغیر کئی بیشی کے کتاب خدا پر رکھیں گے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں یا گمراہ! لیکن جب ہم قرآن میں ان چیزوں کو داخل کر دیں گے جگہ ہمارے دماغ میں ہیں اور انہیں کونائیں گے تو پھر ہم گمراہی سے ہدایت کو جدا نہیں کر سکیں گے کیونکہ جس کو تو لا جانا چاہیئے اسے میزان میں ملا دیا ہے پھر موزوں کو موزوں سے نہیں پہچانا جاسکے گا میں یہ چاہتا ہوں کہ قرآن کو اصل قرار دیا جائے اور دین میں مذاہب و آراء کو اس پر پرکھا جائے، مذاہب کو اصل نہ بنائیں اور ان پر قرآن کو نہ تو لا جائے اور اس میں تحریف و تاویل سے کام نہ لیا جائے۔

عقائد میں دلالت قطعیہ مستبر ہے اور وہ تمام عقائد کہ جن پر اسلام کی صحت کا دار و مدار ہے وہ قرآن کی نص اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہیں ایسا کوئی عقیدہ نہیں ہے جو ان کا حدیث پر موقوف ہو کہ جن میں شرک کیا جاسکتا ہے اسی طرح عبادات کے تمام اصول قطعی ہیں وہ قرآن اور اس متواتر سنت علیہ کذب ثابت ہیں جو احاد احادیث پر موقوف نہیں ہے ہاں عبادات کے جو احکام احاد احادیث کے ذریعہ ثابت ہیں اور ان پر علماء کا اجماع نہیں ہے تو ان پر اسلام کی صحت

کا دار و مدار نہیں ہے اگرچہ وہ خود صحیح ہیں ،

دین میں بہترین چیز قرآن مجید ہے اور جس چیز پر اس کی دلالت قطعی ہو اس پر ایمان لانا اور علمی و علمی طور پر اسے قبول کرنا واجب ہے اور جس پر اس کی دلالت قطعی نہ ہو اس میں علماء اپنی اپنی زبان میں اجتہاد کرتے ہیں اور جو متفق علیہ چیز پر عمل کرتا ہے وہ ناجی و نجات پانے والا مسلمان ہے، رسول مکی متواتر سن سن علیہ السلام اور جس پر صحابہؓ کے مسلمانوں کا اتفاق ہے جو چیز ان کے نزدیک بدیہی ہے یہ سب بد قطعی ہیں ، تاویل و اجتہاد کے ذریعہ ان کا بھی انکار نہیں کر سکتا ہے مثلاً نماز پنجگانہ ، صبح کی دو رکعت ، مغرب کی تین رکعت اور باقی چار چار رکعت ہیں اور یہ کہ ہر رکعت قیام ، قرأت قرآن رکوع اور دو سجود پر مشتمل ہے اسی طرح وہ مشہور عمل جو زمانہ رسول سے آج تک چلا آ رہا ہے ۔

یہ رسول مکی سن سن ہیں لیکن سنت کا اس چیز پر اطلاق کرنا جس پر احادیث مشتمل ہیں تو یہ نئی اصطلاح ہے ،

لیکن وہ آحاد ، احادیث کہ جن پر جمہور سلف نے عمل نہیں کیا ہے ان کی اسانید متون اور دلالت میں اجتہاد ہونا چاہیے کیونکہ ان میں سے جس کی سند صحیح ہوگی وہ اپنے متلاشی سے محقق ہوگی ، اور آحاد میں سے جو کسی شخص کے نزدیک روایت دلالت کے لحاظ سے صحیح ہوگی وہ اس پر عمل کر سکتا ہے لیکن اسے مذکورہ شخص کی تقلید کرتے ہوئے عام مسلمانوں کیلئے شریعت قرار دیکر لازم العمل نہیں قرار دیا جاسکتا ،

صرف روایات کے ذریعہ صحیح حدیث کو نہیں پہچانا جاسکتا ہے بلکہ فہم و حفظ سے پہچانی جاتی ہے کتنی ہی حدیث ایسی ہیں جن کی اسنادیں صرف ایک ہی ثقہ ہے اور وہ بھی عیب سے بری نہیں صحیح احادیث ان ظن غالب کا فائدہ دیتی ہیں کہ جس پر فقہاء کے نزدیک صحت کا دار و مدار ہے شرح مسلم میں نووی لکھتے ہیں : یہ آحاد کی شان ہے ۔ یعنی آحاد سے ظن حاصل ہوتا ہے ۔ اس سے علم برہانی اور یقین منطقی حاصل نہیں ہوتا اس سلسلے میں شیخین بخاری و مسلم وغیرہ کے

درمیان کوئی فرق نہیں ہے، یہ صحیح ہے، برخلاف اس شخص کے جو کہ کہتا ہے خبر واحد علم کا موجب ہے، ایسا نہیں ہے کہ جس کی سند صحیح ہے اس کا متن بھی صحیح ہوگا، اور ایسا بھی نہیں ہے کہ جس کی سند صحیح نہیں ہے اس کا متن بھی صحیح نہیں ہے اور جو کچھ بخاری و مسلم میں ہے اس پر عمل کے سلسلے میں امت کا اجماع ضروری ہے ان کا اجماع اس بات پر ہے کہ یہ کلام نبیؐ ہے اس بات پر نہیں ہے کہ جو کچھ صحیحین میں ہے اس کی نسبت رسولؐ کی طرف دینا قطعی صحیح ہے اور اگر ان دونوں ہی حدیث صحیح ہیں تو یہ شیخین کے بعد اول کیلئے ہیں،

جبکہ ائمہ ابوہریرہ کے احکام علیہ میں جن کا اکثر مسلمان اتباع کرتے ہیں وہ حدیث کی ان کتابوں کو جانتے بھی نہیں تھے، خصوصاً امام ابو حنیفہ ان سے واقف نہیں تھے، پھر اس وقت احادیث کتابوں میں جمع نہیں تھیں کہ جن سے وہ رجوع کرتے اس کے باوجود تمام اہلسنت انہیں امام و مجتہد مانتے ہیں، پھر بخاری وغیرہ کی حدیث کی کتاب قرون اول کے بعد وجود میں آئی ہیں، امت کے سلف اور ائمہ فقیہ میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی ہے کہ دین کی معرفت ان احادیث کے علمی احاطہ پر موقوف ہے جو محدثین نے جمع کی ہیں،

علماء اصول کا اس قاعدہ پر اتفاق ہے، ان طرق الاحوال فی المرفوع من وقائع الاحوال یکسوہا ثوب الاجال فیستطہر الاستدلال،

پھر جو شخص بعض احادیث کی روایت کی اس کے متن و سند میں شبہ کی بنا پر تصدیق نہیں کرتا ہے اور اس کے متن کو جھٹلاتا ہے یا اس کی مخالفت کرتا ہے تو وہ معذور ہے اگرچہ وہ حدیث صحیح ہی ہو،

علماء متقدمین نے یہ قاعدہ بنایا ہے کہ اسلام سے پھر جانے کا معیار ان چیزوں کا انکا کر دینا ہے جن کا ضروریات دین میں سے ہونا بدیہی ہے،

امت صرف اس چیز کے سامنے سر جھکاتی ہے جس کی صداقت کا ظن غالب ہوتا ہے کیونکہ انہیں اس چیز پر اعتماد کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ جس کی صحت کا گمان ہو، ظن غالب پر حکم واقع

ہوتا ہے اور ان کے گمان کا لازمہ اس کا صحیح ہونا نہیں ہے کہ وہ نفس الامریں بھی صحیح ہوا وہ اسی طرح کسی چیز کے حکم پر اجماع کا بھی یہ لازمہ نہیں ہے کہ وہ نفس الامریں حکم خدا کے مطابق ہوں،

سلف صالح نے غیر متواتر حدیثوں میں اس طرح عجز گزاری ہے کہ وہ ان احادیث میں سے اگر کوئی حدیث ان تک اس ذریعہ سے پہنچی ہے جس پر وہ اعتماد کرتے ہیں تو وہ اس پر عمل کرتے تھے لیکن کسی کو اس بات پر مجبور نہیں کرتے تھے کہ وہ ان احادیث کے تمام راویوں کی تحقیق کریں اور ان پر عمل کریں صحابہ نے نہ حدیث قلم بند نہیں نہ انہیں جمع کرنے اور لوگوں کو سنانے کی ذمہ داری ملی بلکہ ان میں سے بعض نے حدیث کی روایت سے بھی منع کیا ہے،

اعلم المسلمین احمد بن حنبل کہتے ہیں تین امور ایسے ہیں جن کی کوئی سند نہیں ہے، تفسیر ملازم، گھمسان کی جگہ، اور مخازی، امامت خباب میں اعلم احمد بن حنبل کے خلیفہ ابن تیمیہ کہتے ہیں اسناد کے اصول نہیں ہیں کیونکہ ان میں زیادہ تر مرسل ہیں، جیسا قرآن کے بارے میں صحابہ کا اتفاق ہے ایسا سنت قولیہ کے سلسلے میں نہیں ہے اور نہ ہی اس پر اجماع ہے، مسلمانوں کے ائمہ کا صحیح حدیث کے بارے میں اتفاق نہیں ہے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جس نے اپنے مذہب کے سلسلے میں بہت سی حدیثوں کی مخالفت نہ کی ہو اگرچہ وہ دوسروں کے نزدیک صحیح ہی ہوں،

عبادات میں اصل اور معاملات میں اصل

عبادات میں اصل یہ ہے کہ باطل ہے مگر یہ کہ دلیل قائم ہو جائے، اور معاملات و عقود میں اصل یہ ہے کہ صحیح ہے مگر یہ کہ اس کے بطلان یا حرمت پر دلیل قائم ہو جائے،

دونوں میں فرق یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ جس طرح اس نے اپنے

انبیاء کی زبان سے بیان کروایا ہے، عبادت بندوں پر اس کا حق ہے اور اس نے اپنے اس حق کو قائم کیا اور اسی کو شریعت بنایا ہے،

لیکن عقود، شروط اور معاملات معاف ہیں، جب تک انہیں حرام نہ قرار دیا جائے بلکہ خدا نے مشرکین کو ان دو اصولوں کی مخالفت کرنے سے منع کیا ہے، یعنی اس چیز کو حرام کرنے سے کہ جس کو خدا نے حرام نہیں کیا ہے اور اس چیز کے ذریعہ خدا کا تقرب حاصل کرنے سے کہ جس کو اس نے شریعت میں قرار دیا ہے انہیں منع کیا ہے، ہاں جس کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے وہ بخش ہے،

بہت سے راوی عبد الرحمن بن مہدی کے نزدیک موثق نہیں ہیں جبکہ محمد بن سعید اعظمی کے نزدیک موثق ہیں اس کے برعکس جبکہ یہ دونوں نقل پر تنقید کے سلسلے میں ستون مانے جاتے ہیں اور انہیں سے زیادہ تر حدیث لی گئی ہیں،

نصوص میں جو چیز قطعی الدلالات ہے وہ شرع عام ہے، تمام مسلمانوں پر اس کا اتنا کرنا واجب ہے اور جو چیز اس میں ظنی الدلالات ہے اس میں تعبدات و محرمات کے سلسلے میں لوگوں کو اجتہاد کا حق ہے اور احکام قضائیہ میں اولوالامرا اجتہاد کریں گے،

نصوص ظنیہ میں جسے کی دلالت حرمت پر ہوگی اسے پوری امت کیلئے شریعت نہیں بنایا جاسکتا ہے کہ اس پر سب سے عمل کرنے کا مطالبہ کیا جائے بلکہ اس میں ہر ایک اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے گا پس جو شخص اس سے یہ سمجھے گا کہ اس کی دلالت فلاں شئی کی حرمت پر ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کریگا اور جو اس سے یہ نہیں سمجھے گا تو وہ اس کے بارے میں اصل اباحت جاری کرے گا،

فخر الدین رازی اپنی کتاب "معالم اصول الدین" میں لکھتے ہیں:

جو نقلی دلائل ظنی ہیں اور نہایت قطعی ہے، اور ظن قطعہ یقین کے معارض نہ ہو

علم کلام میں ہمیشہ بنیاد اس بات پر ہے کہ نقلی دلائل سے یقین حاصل نہیں ہوتا ہے،

مانندہ ہر اس حدیث کو رد کر دیتی تھیں جو قرآن کے خلاف ہوتی تھی اور صحابہ کی ایسی بھی بدلتی

کو بھی غلط فہمی پر حل کرتی تھیں،

سید رشید رضا لکھتے ہیں: میں اس حدیث کی سند کو اور عالم صحابی کے قول کو صحیح نہیں مانتا ہوں جو قرآن کے خلاف ہوتا ہے مگر چہ علماء نے اس کے جال و راویوں کو موقوف ہی مانا ہو کیونکہ بہت سے مؤثق راوی بظاہر صحیح اور باطنی طور پر برے ہوتے ہیں، نیز کہا: اگر روایات پر غوائے متن کے لحاظ سے تنقید کی جاتی جیسا کہ ان کی سند کے اعتبار سے تنقید کی گئی ہے تو اکثر متون معتبر نہ رہتے اور ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ ہم اپنے بنی کی بہت سی حدیثوں کو بھول گئے ہیں اور صحابہ میں سے علماء کے ان چیزوں کے نہ لکھنے سے ہم نے بہت سی حدیثوں کو ضائع کر دیا ہے انہوں نے سنی تھیں، لیکن یہ چیزیں قرآن کو بیان کرنے والی یا امور دین سے نہیں تھیں کیونکہ امور دین قرآن مجید میں معروف اور سنت علیہ میں بیان ہوئے ہیں اور باقی احادیث مزید وضاحت و بیان کے لئے ہیں۔

① اور انہیں اس چیز کو تلاش کرنے کی تکلیف نہیں دی گئی ہے جو کہ خدا کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ یہ ان کی طاقت سے باہر اور غیر محدود چیز کی تکلیف نہیں دی جاتی ہاں انہیں اس چیز کی زحمت دی گئی ہے جس کے صحیح ہونے کا انہیں گمان ہو اسی لئے علماء اصول نے اجتہاد کی یہ تعریف بیان کی ہے، حکم شرعی کے سلسلے میں ظن حاصل کرنے میں فقہ اپنی پوری طاقت صرف کرے، اور یہ جو کہا ہے کہ حکم کے سلسلے میں ظن حاصل کرے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دین میں تطبی و بدیی احکام میں اجتہاد نہیں ہوتا ہے

② ان کے مشہور قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ: ان کے ظن کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ حدیث بھی صحیح ہے کہ وہ نفس الامری صحیح ہے، شریعت کی ثابت قواعد اور اس کے قطعی اصول، جیسے مسرور حج کا قاعدہ اور آسانی اور اس کی ترجیح کا اثبات،

قاعدہ اصل برأت ،
 اور گندی و مضر چیزوں میں اصل حرمت ہے ،
 پاک و صاف چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال ہیں ،
 اور ضرورت کے وقت ممنوع چیزیں بھی مباح ہیں ،
 اور ضرر ہے نہ ضرر ،

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں: رسولؐ سے قرآن کے خلاف حدیث نقل کرنے والے کی حدیث کو رد کرنے سے رسولؐ کی تکذیب و تردید لازم نہیں آتی ہے بلکہ اس کی تردید کی جاتی ہے جو آپؐ سے باطل چیز کی روایت کرتا ہے اور اسی کو مستہم کیا جاتا ہے اس کا رسولؐ سے قطعی کوئی تعلق نہیں ہے ، رسولؐ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ برجستہ قبول ہے ان کے فرمانے پر ایمان لانے اور اس کی گواہی دی ہے ، ہم اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ رسولؐ حکم خدا کے خلاف کسی چیز کا حکم نہیں دیتے ہیں اور قول خدا کو چھوڑ کر کوئی چیز یا دین نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی مشکلیں میں سے تھے ۔
 امام احمد بن حنبل لکھتے ہیں: اپنے امراء کے بارے میں اچھی طرح غور کرو کیونکہ غیر معصوم کی تقلید مذموم ہے اور اس میں بصیرت کیلئے اندھا پن ہے ،

اب ہم اس کام پیش کرنے کے بعد ، کہ جس میں خدا نے ہماری مدد کی اور جس بحث کی اس نے ہمیں توفیق مرحمت کی ۔ قلم روکتے ہیں ، اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے اسے تمام لوگوں کے سامنے صحیح صورت میں پیش کر رہے ہیں ، یہ کتاب بہترین براہین اور قوی ترین اسانید کی تائید کرتی ہے ، اور سیکڑوں مصادر کے مطالعہ میں ہم نے فی سبیل اللہ عرگزاری ہے اور ان میں سے اپنی کتاب کیلئے صحیح حاصل کرنے میں پوری کوشش کی ہے اور رضائے خدا کے حصول کی خاطر اس کا مواد محتوی فراہم کرنے اور اس کی فصول منظم کرنے میں مشقت اٹھائی ہے خصوصاً اسلئے کہ اس موضوع پر پہلے کوئی کتاب

بھی نہیں تھی کہ جس کو سامنے رکھتے اور نہ ہی ہم سے پہلے والوں نے ہمارے لئے ایسا کوئی راستہ بنایا تھا کہ جس پر گامزن ہونے سے ہمارا کام آسان ہو جاتا،

کہتے ہیں کہ تالیف کتاب میں سب سے بڑا کام اس کی تقسیم اور اس کے باب قائم کرنا ہے اب اگر ہماری یہ کاوش روشن فکر اور تہذیب یافتہ لوگوں میں مقبولیت حاصل کرتی ہے تو یہی ہمارے لئے کافی ہے اور اگر اس سے بعض لوگوں کے دل دکھتے ہیں تو ہمارے لئے یہ کوئی اہم بات نہیں ہے اور نہ اس سے ہمارے لئے کوئی خطرہ ہے،

امید ہے کہ جو چیز ہم نے پیش کی ہے وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کیلئے صاف و شفاف آئینہ قرار پائے گی اور اس میں اس کی صحیح صورت اپنی حقیقت کی نظر آئے گی جو لوگ مرویات کے اصول کی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہیں انہیں ہم نے روشن چراغ دیدیا ہے جو صحیح اور صحیح کو واضح کرے گا۔ یہ کام ہم خاص خدا کیلئے انجام دیا ہے لہذا ہم اس کے علاوہ کسی غیر سے اس کا اجر طلب نہیں کریں گے اس زندگی میں بھی کسی سے تعریف و تحسین کی توقع نہیں ہے ہمارے اللہ کافی ہے وہ بہترین مددگار ہے ساری بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہیں، وہ جس کی چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے اور اسے اپنے فضل سے بے پناہ ثواب عطا کرتا ہے اول و آخر میں اللہ ہی کی حمد ہے اسی سے ہم دائمی توفیق و ہدایت طلب کرتے ہیں کہ وہی سننے والا اور قبول کرنے والا ہے،

تمت بالخیر

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

توہمیں وحشیہ و لمہمہ۔

- تاريخ بغداد.
- تاريخ ابن الأثير.
- تاريخ ابن عساكر.
- البداية والنهاية لابن كثير.
- تاريخ أبي الفدا لابن كثير.
- رحلة ابن جبير الأندلسي.
- الخطة للمقرزي.
- تاريخ الخلفاء للسيوطي.
- النجوم الزاهرة لابن تغري بردي.
- الفخري في الآداب السلطانية.
- وفيات الأعيان لابن خلكان.
- معجم الأديباء لياقوت الحموي.
- معجم البلدان لياقوت الحموي.
- مقدمة ابن خلدون.
- المعارف لابن قتيبة.
- تأويل مختلف الحديث لابن قتيبة.
- نهاية الأرب للنويري.
- الفصل في الملل والأهواء والنحل لابن حزم.
- ترجمة الامام أحمد للذهبي.
- منهاج السنة لابن تيمية.
- المنتقى من منهاج السنة للذهبي.
- فتاوى ابن تيمية.
- اقتضاء الصراط المستقيم.
- رفع الملام.
- الفرقان بين أولياء الرحمن، وأولياء الشيطان.

- قواعد التحديث للقاسي.
- مفتاح السنة للشيخ عبد العزيز الخولي.
- فتح المغيث.
- شرح ألفية الحديث للعراقي.
- ألفية السيوطي، وشرحها للشيخ أحمد شاكر.
- اختصار علوم الحديث لابن كثير.
- تلبيس ابليس لابن الجوزي.
- تقييد العلم للخطيب البغدادي.
- الاجابة لإيراد ما استدرسته عائشة على الصحابة للزركشي.
- كشف الخفاء للعلجوني.
- رسالة الذب عن العرب لعبد العزيز الخالدي.
- (من علماء الهند).
- الموافقات للشاطبي.
- الاعتصام للشاطبي.
- الأحكام للأمدى.
- الاحكام لابن حزم.
- المبسوط للسرخسي.
- البحر الرائق لابن نجيم.
- فتح القدير لابن همام.
- الإصابة لابن حجر العسقلاني.
- أسد الغابة لابن الأثير.
- دلائل النبوة لأبي نعيم.
- سيرة ابن هشام.
- تاريخ الطبري.

- الاسلام الصحيح للنشاشيبي.
- تاريخ الامام محمد عبده ١ و ٢.
- فيلسوف العرب للشيخ مصطفى عبد الرازق.
- تمهيد لتاريخ الفلسفة الاسلامية للشيخ مصطفى عبد الرازق.
- عثمان للدكتور طه حسين.
- علي وبنوه للدكتور طه حسين.
- مرآة الاسلام للدكتور طه حسين.
- الشيخان للدكتور طه حسين.
- فجر الاسلام - ضحى الاسلام - وظهور الاسلام للدكتور أحمد أمين.
- معاوية في الميزان للأستاذ عباس محمود العقاد.
- الفاروق، لدياب عثمان.
- الوحي المحمدي للسيد رشيد رضا.
- رسالة يسر الاسلام للسيد رشيد رضا.
- رسالة الربا للسيد رشيد رضا.
- المنار والأزهر للسيد رشيد رضا.
- التذكرة التيمورية للعالم أحمد تيمور.
- أصل الشيعة وأصولها للأستاذ محمد الحسين آل كاشف الغطاء.
- العبقريات والذخائر للشيخ عبد الرحمن البرقوقي.
- المعجب في تلخيص أخبار المغرب للمراكشي.
- المواهب الفتحة للشيخ حمزة فتح الله.

- الرسائل والمسائل لابن تيمية.
- فتاوى ابن الصلاح.
- العقيدة الطحاوية.
- جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر.
- الانتقاء لابن عبد البر.
- الديباج المذهب في معرفة أعيان علماء المذهب لابن فرحون اليعمرى.
- دفع شبه التشبيه لابن الجوزي.
- الشفاء للقاضي عياض.
- العواصم من القواصم للقاضي ابن العربي.
- اظهار الحق لرحمة الله الهندي.
- التعريفات للجرجاني.
- بيان زغل العلم للذهبي.
- العهد القديم.
- لسان العرب لابن منظور.
- صيانة الانسان للسهمسواني.
- أبو هريرة لعبد الحسين شرف الدين.
- تاريخ الشعوب الاسلامية لكارل بروكلمان.
- حاشية الامام محمد عبده على شرح الدواني.
- رسالة التوحيد للامام محمد عبده.
- الاسلام والنصرانية للامام محمد عبده.
- تاريخ آداب العرب. للأستاذ مصطفى صادق الرافعي.
- تاريخ اللغة العربية للشيخ السكندري.
- أشهر مشاهير الاسلام لرفيق العظم.

- نشأة علم النحو للشيخ محمد الطنطاوي.
 - المسيحية في الاسلام للنس ابراهيم لوقا.
 - وجهة الاسلام لجملة من المستشرقين. ترجمة
 - محمد عبد الهادي ابو ريدة.
 - العقيدة والشريعة في الاسلام لجولدزير.
 - رائد الفكر المصري للدكتور عثمان أمين.
 - القرطين لابن مطرف الكنافي.
 - مناهج وتجديد للاستاذ أمين الخولي
 - المعمرين للسجستاني.
 - نكت الهميان في نكت العميان للصفدي.
 - أحياء النحو للأستاذ ابراهيم مصطفى.
 - المغني لابن هشام.
 - المغرب للجواليقي.
 - اصحابي لابن فارس.
 - حجة الله البالغة، ورسالة الانصاف للدهلوي.
 - الروض الباسم للوزير اليماني.
 - مختصر كتاب المؤمل لأبي شامة.
 - الباعث على انكار البدع والحوادث. لأبي
 شامة.
 - اعلام الموقعين لابن القيم.
 - حصول المأمول لصديق خان.
 - المغني والشرح الكبير لابن قدامة.
 - لوائح الأنوار للسفاري.
 - النزاع والتخاصم بين بني أمية وبني هاشم
 للمقرئ.

- العلم الشائع للمقبلي.
 - مشكل الآثار للطحاوي.
 - حياة الحيوان للدويري.
 - معجم الحيوان لمعلوف باشا.
 - البيان والتبيين، والحيوان للجاحظ.
 - عيون الأخبار لابن قتيبة.
 - العمدة لابن رشي.
 - المثل السائر لابن الأثير.
 - خزنة الأدب للبغدادي.
 - خاص الخاص للنعالي.
 - ثمار القلوب في المضاف والمنسوب للنعالي.
 - الصداقة والصديق لأبي حيان التوحيدي.
 - شرح نهج البلاغة لابن أبي الحديد.
 - شرح مقامات بديع الزمان للامام محمد عبده.
 - الكامل للمبرد، وشرحه للشيخ علي المرصفي.
 - الوسيلة الأدبية لحسين المرصفي ج ٢.
 - أساس البلاغة للزمخشري.
 - شرح لامية العجم للعلاوي.
 - تاريخ التشريع الاسلامي للخضري.
 - الجرح والتعديل.
 - تنبيه الطالب للقاسمي.
 - تاريخ التمدن الاسلامي لجورجي زيدان
 - العرب قبل الاسلام لجورجي زيدان
 - دائرة المعارف الاسلامية.
 - الحضارة الاسلامية لكرير.

- الشيعة وفنون الاسلام للسيد حسن الصدر.
- نثر الدرر في المحاضرات للوزير أبي سعيد منصور بن الحسين الآبي.
- الكافي الشاف وتخريج أحاديث الكشف لابن حجر الصقلاني.
- أحاديث عائشة للاستاذ مرتضى العسكري.
- ابن سبأ للاستاذ مرتضى العسكري.

مجلات وجرائد

- مجلة المقتطف - مجلة الهلال - مجلة المنار
- مجلة الفتح
- مجلة الرسالة - مجلة الثقافة - مجلة الكتاب -
- مجلة نور الاسلام - جريدة الأهرام.
- وهناك أسانيد اخرى كثيرة - رجعنا اليها - لم نأت بأسانيد هنا. وتعرف من تضعيف الكتاب.
- وتم مراجع أخرى كثيرة لو شئنا أن نأتي بأسانيد هنا ملأنا صفحات أخرى منها.

- السيادة العربية لقولتن.
- الحضارة الاسلامية لأحمد زكي.
- الاسلام والحضارة العربية لكردي علي.
- حضارة الاسلام في دار السلام لليازجي.
- انتقاد التمدن الاسلامي لشبلي النماني.
- رحلة ابن جبير.
- تاريخ العرب المطول للدكاترة فيليب حتي وادوارد جرجس وجبرائيل جبور.
- الميزان للشعراني.
- أنباء نجباء الأبناء للصقلي.
- أمالي المرتضى.
- مقاتل الطالبين لأبي الفرج الأصبهاني.
- قبول الأخبار ومعرفة الرجال لأبي قاسم البلخي - (مخطوط).
- المحدث الفاصل بين الراوي والواعي للحسن بن عبد الرحمن الرامهرمزي (مخطوط).
- الباعث الحثيث لابن كثير.
- الوابل الصيب لابن القيم
- رسالة في الإبدال للغز بن عبد السلام
- المواقف للإيجي
- اللزوميات للمعري ج ١.
- التبيان للجزائري.
- الحماسة السنية للتركز بن الشنقيطي
- الفتاوى الحديثة لابن حجر الهيتمي

فہرست

۴۷	سنت	۱	حرف مترجم
۴۹	دین میں سنت کی حیثیت	۶	عرضِ اثر
۵۲	دینی امور میں کلامِ رسولؐ کی حیثیت	۸	ابداء
۵۳	تنہا حکمِ رسولؐ واجب نہیں ہے	۱۰	مقدمہ ذاکٹر طاہر حسین
۵۶	حدیث لکھنے کی ممانعت	۱۰	سنت محمدیؐ سے دفاع
۶۵	صحابہ اور روایت حدیث	۲۴	کتاب کا تعارف
۷۰	اخبار قبول کرنے میں صحابہ کا موقف	۲۶	تضعیف کے اسباب
۷۲	رسولؐ پر جھوٹ باندھنا	۳۰	بالمعنی حدیث کی روایت
۷۷	حدیث میں کذب کی حقیقت	۳۱	حدیث میں کذب علی
۸۲	رسولؐ پر آپ کی حیات میں جھوٹ کا بہتان	۳۶	جعلی حدیثیں
۸۳	وفات رسولؐ کے بعد	۳۶	ابوہریرہ
۸۳	جس نے رسولؐ پر جھوٹ کا بہتان باندھا	۳۶	مذہب قرآن
۸۵	رسولؐ پر جھوٹ باندھنا گناہ کیسہ ہے	۳۳	حدیث کی کتابت
۸۶	صحابہ کے درجات	۳۳	علم حدیث کی نشاۃ
۹۲	بعض صحابہ کے بعض صحابہ پر تنقید	۳۴	علامہ است اور حدیث
۹۵	عدالت صحابہ	۳۶	ایک عام بات
۹۵	رسولؐ کے منہ سے نہ آنے والی حدیث بیان کی جاتی ہے	۴۱	وضاحت

۱۲۸	جملی حدیث	۹۷	مناحدیث بیان کرنے کے سلسلے میں علماء کا اختلاف
۱۵۳	قصص اور قصہ گو	۱۰۴	تہتہ کے صیغے
۱۵۴	معاویہ بنے قصہ گو بنائے	۱۰۸	کلمہ توحید
۱۵۶	یاسنت کیلئے حدیث سازی	۱۰۹	یر ساع حدیث ہے ساع غماریں
۱۵۸	معاویہ اور شام	۱۱۰	بالغنی روایت حدیث کی تناسل
۱۵۹	شام	۱۱۳	اس کا نکاح ہم نے آپ سے کیا ہے
۱۶۰	قریہ ابدال کی اصل	۱۱۴	حدیث غازی قرینہ میں
۱۶۶	حکومت بنی عباس	۱۱۶	پیوند نخل
۱۶۸	ترکوں کی مذمت	۱۱۷	حدیث صحیفہ طی
۱۶۸	حدیث سازی کا اجانہ	۱۲۱	بالغنی حدیث کی روایت کا مضر
۱۷۰	صالح حدیث گڑھنے والے	۱۳۲	مجھے جوامع الکلم کے ساتھ مسبوت کیا گیا ہے
۱۷۱	لطیفہ	۱۳۴	مناحدیث نقل کرنے کا مضر
۱۷۲	ادراج کے ذریعہ	۱۳۵	حدیث میں اعراب کی غلطیاں
۱۷۳	کیا گڑھی ہوئی حدیث کی معرفت ممکن ہے	۱۳۶	حدیث میں تقدیم و تاخیر
۱۷۵	قلب سلیم حق و باطل میں فرق کرتا ہے	۱۳۷	حدیث میں اختصار
۱۷۷	رسول پر افتراء	۱۳۸	تساہل
۱۷۸	حدیث میں اسرائیلیات	۱۴۰	اسلام میں روایت
۱۸۱	کعب الاحبار	۱۴۲	تدوین حدیث
۱۸۲	مسلمان ہونے کا سبب	۱۴۳	علل روایت کی بڑی علت
۱۸۴	وہب بن منبہ	۱۴۷	وضع حدیث اور اسکے اسباب
۱۸۵	عبداللہ بن سلام	۱۴۷	اختراع حدیث کا سرچشمہ

۲۳۴ _____	محل نزول	۱۸۵ _____	مسلمانوں کی غلطوں پر کیسے غالب آئے
۲۳۷ _____	مروی روایات کی کثرت	۱۸۸ _____	کعب اور عمر
۲۴۰ _____	ابوہریرہ	۱۸۹ _____	قل عمر میں کعب کا ہاتھ
۲۴۱ _____	نام میں اختلاف	۱۹۱ _____	حدیث استفتاء
۲۴۲ _____	پرورش اور اصل	۱۹۳ _____	کعب کا مکر
۲۴۳ _____	ان کا مدینہ آنا اور خیبر جانا	۱۹۴ _____	کعب اور وہب نے جو اسرائیلیات داخل کئے ہیں
۲۴۴ _____	رسولؐ سے مصاحبت کا سبب	۲۰۰ _____	کیا جائز ہے
۲۴۵ _____	حلوہ کا شید	۲۰۲ _____	اجارہ یہود سے بعض صحابہ کی روایت
۲۴۸ _____	ان کا مزاج اور کج اس	۲۰۳ _____	صحابہ کو جھٹلاتے ہیں
۲۴۹ _____	ان کے ساتھ مخل	۲۰۴ _____	عمر اور کعب
۲۴۹ _____	ان کی احادیث کی کثرت	۲۰۶ _____	بیت المقدس کی فضیلت
۲۵۱ _____	روایت کی کثرت کیونکر جائز ہوئی	۲۰۸ _____	مسجد اقصیٰ
۲۵۲ _____	ابوہریرہ کی ندیس	۲۰۹ _____	شام کی فضیلت میں یہودیت کا ہاتھ
۲۵۳ _____	اسلام میں سب سے پہلا متہم راوی	۲۱۲ _____	اسرائیلیات کے بارے میں محققین کا نظریہ
۲۵۷ _____	ابوہریرہ کعب الاجارہ سے حدیث لیتے ہیں	۲۱۸ _____	سیاسی فریب
۲۶۲ _____	دو ظروف کی حفاظت	۲۱۸ _____	عبد اللہ ابن سبا
۲۶۴ _____	ابوہریرہ بنی امیہ کے دوست	۲۲۲ _____	کعب اور معاویہ
۲۶۹ _____	حضرت علیؑ کے خلاف ان کی حدیث تراشی	۲۲۶ _____	حدیث میں مسیحیات
۲۷۱ _____	ابوہریرہ کی سیرت	۲۲۷ _____	حدیث جاسہ
۲۷۲ _____	وفات ابوہریرہ	۲۳۱ _____	شرطان ہرنی آدم کو زخم لگاتا ہے
۲۷۶ _____	ابوہریرہ کی نقل کردہ حدیثوں کی چند مثالیں	۲۳۳ _____	ابن جریج

۱۶۸	تاریخ و تفسیر	۸۸	تاریخ و تفسیر
۱۶۹	تاریخ و تفسیر	۸۹	تاریخ و تفسیر
۱۷۰	تاریخ و تفسیر	۹۰	تاریخ و تفسیر
۱۷۱	تاریخ و تفسیر	۹۱	تاریخ و تفسیر
۱۷۲	تاریخ و تفسیر	۹۲	تاریخ و تفسیر
۱۷۳	تاریخ و تفسیر	۹۳	تاریخ و تفسیر
۱۷۴	تاریخ و تفسیر	۹۴	تاریخ و تفسیر
۱۷۵	تاریخ و تفسیر	۹۵	تاریخ و تفسیر
۱۷۶	تاریخ و تفسیر	۹۶	تاریخ و تفسیر
۱۷۷	تاریخ و تفسیر	۹۷	تاریخ و تفسیر
۱۷۸	تاریخ و تفسیر	۹۸	تاریخ و تفسیر
۱۷۹	تاریخ و تفسیر	۹۹	تاریخ و تفسیر
۱۸۰	تاریخ و تفسیر	۱۰۰	تاریخ و تفسیر
۱۸۱	تاریخ و تفسیر	۱۰۱	تاریخ و تفسیر
۱۸۲	تاریخ و تفسیر	۱۰۲	تاریخ و تفسیر
۱۸۳	تاریخ و تفسیر	۱۰۳	تاریخ و تفسیر
۱۸۴	تاریخ و تفسیر	۱۰۴	تاریخ و تفسیر
۱۸۵	تاریخ و تفسیر	۱۰۵	تاریخ و تفسیر
۱۸۶	تاریخ و تفسیر	۱۰۶	تاریخ و تفسیر
۱۸۷	تاریخ و تفسیر	۱۰۷	تاریخ و تفسیر
۱۸۸	تاریخ و تفسیر	۱۰۸	تاریخ و تفسیر
۱۸۹	تاریخ و تفسیر	۱۰۹	تاریخ و تفسیر
۱۹۰	تاریخ و تفسیر	۱۱۰	تاریخ و تفسیر
۱۹۱	تاریخ و تفسیر	۱۱۱	تاریخ و تفسیر
۱۹۲	تاریخ و تفسیر	۱۱۲	تاریخ و تفسیر
۱۹۳	تاریخ و تفسیر	۱۱۳	تاریخ و تفسیر
۱۹۴	تاریخ و تفسیر	۱۱۴	تاریخ و تفسیر
۱۹۵	تاریخ و تفسیر	۱۱۵	تاریخ و تفسیر
۱۹۶	تاریخ و تفسیر	۱۱۶	تاریخ و تفسیر
۱۹۷	تاریخ و تفسیر	۱۱۷	تاریخ و تفسیر
۱۹۸	تاریخ و تفسیر	۱۱۸	تاریخ و تفسیر
۱۹۹	تاریخ و تفسیر	۱۱۹	تاریخ و تفسیر
۲۰۰	تاریخ و تفسیر	۱۲۰	تاریخ و تفسیر

۳۵۳	متعدد طرق	۳۲۸	تذوین حدیث
۳۵۶	نذ کا اہتمام	۳۲۸	تذوین حدیث کی کیفیت
۳۶۰	حدیث کی قیس	۳۳۲	اہول نے زبردستی حدیث کی تذوین کی
۳۶۰	مضطرب	۳۳۳	عبدالغنی امیر کی تذوین
۳۶۶	حدیث محل	۳۳۴	بنی عباس کے زمانہ میں
۳۶۸	صحیفہ و محرف	۳۳۷	پہلی دو صدیوں کے بعد
۳۶۹	حدیث محرف کی قیس	۳۳۸	تاخیر سے تذوین کا نتیجہ
۳۶۹	مقلوب	۳۴۱	تذوین حدیث شیعوں کی نظر میں
۳۷۰	حدیث کی مشہور کتابیں	۳۴۲	علم حدیث کی ابتداء
۳۷۱	ملک اور ان کی موطاء	۳۴۳	علم حدیث کا موجد
۳۷۳	ان کی روایات کا اختلاف	۳۴۳	علم حدیث کا مطلب
۳۷۴	موطاء کی تالیف کا سبب و زمانہ	۳۴۲	سزا و تہن حدیث
۳۷۵	ملک پر ان میں کی تنقید	۳۴۲	حدیث کس سے لی جائے
۳۷۵	بخاری اور ان کی کتاب	۳۴۵	خبر اور اس کی قیس
۳۷۶	بخاری کی جمع آوری کا سبب	۳۴۶	متواتر احاد کا حکم
۳۷۷	بخاری سفار وایت کرتے تھے	۳۴۸	ابن الصلاح اور ان کے مخالفین
	بخاری اپنی کتاب کا مسودہ صاف کرنے سے پہلے	۳۴۹	حدیث متواتر میں نہیں ہے
۳۷۸	ہی مر گئے	۳۵۰	آحاد حدیثیں
۳۷۹	بخاری میں اشکالات	۳۵۱	صحیح
۳۸۲	بخاری احادیث اور منکر	۳۵۲	حسن
۳۸۴	بخاری اور اہل شام	۳۵۳	ضعیف،

منافع صحابہ	۳۸۵	بخاری اور مسند خلق قرآن	۳۸۵
نماز انفض یا تجارت	۴۴۸	بخاری کی روایات کی تعداد میں اختلاف	۳۸۵
رسول مکی موجودگی اور غیر موجودگی میں صحابہ کا اتفاق	۴۴۹	مسلم اور ان کی کتاب	۳۸۸
احادیث آحاد اور عللہ	۴۵۳	صحیحین کی احادیث زیادہ صحیح ہیں	۳۹۳
تسکین	۴۵۴	الاستدرک علی البخاری و مسلم	۳۹۴
فقہاء	۴۵۵	ابوداؤد	۴۰۰
مذاہب کے متقدمین	۴۵۷	ترمذی	۴۰۲
مالک اور ان کے اصحاب کی رائے	۴۶۰	نسائی	۴۰۴
اوزاعی اور ابو حنیفہ	۴۶۱	مشخرجات	۴۰۷
فقہاء کے مختلف اقوال	۴۶۲	مسند احمد	۴۱۰
علامہ بخاری و لغت	۴۶۳	مسانید نہ کہ کتب ستر	۴۱۱
محمد عبدہ کا نظریہ	۴۶۰	مسند احمد	۴۱۲
علامہ رشید رضا کی رائے	۴۶۲	مرتد صحابی	۴۱۸
صرف حدیث	۴۶۳	جرح و تعدیل	۴۱۹
خاتمہ ۴۷۹، اسلام پر عظیم مصیبت	۴۸۲	اسباب جرح	۴۲۱
علامہ فقہ و حدیث کی تنقید ۴۹۱، صدر اول میں احادیث اکاد	۴۹۲	جرح و تعدیل میں اختلاف	۴۲۱
دین و شریعت ۴۹۳، صدر اول کے لوگوں کا طریقہ	۴۹۴	جرح و تعدیل پر مقدمہ ہے	۴۲۵
فقہ زمانہ رسول میں ۴۹۵، تریح کی وجہ	۴۹۶	عدالت صحابہ	۴۲۷
قواعد اصول ۴۹۹، عبادات میں اصول و معاملات میں اصل	۵۰۰	صحابی کہے کہتے ہیں	۴۳۲
مصابہ کتاب ۵۱۰، فہرست	۵۱۵	بہترین بحث	۴۳۵
		تمام صحابہ عادل ہیں	۴۴۲